خلعتِ قزّاق

ہیرلڈ لیم
ترجمہ: محمّد ہادی حسین

خلتِ قزّاق

تصنیف

ہیرلڈ لیم

ترجمہ

محمد ہادی حسین

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور، راولپنڈی، منگلا، ملتان، پشاور، حیدرآباد، کراچی

This is an authorized Urdu translation of THE CURVED SABER (Part I) by Harold Lamb. Copyright 1964 by Doubleday & Company, Inc. Published by Doubleday & Company, Inc., New York, N. Y

FIRST URDU EDITION

PRINTED IN PAKISTAN

پہلی بار ——— ۱۹۶۸ء
تعداد ——— ۲۶۰۰
مطبوعہ ——— فیروز سنز لمیٹڈ۔ لاہور
طابع ——— عبدالحمید خان
قیمت ——— ۵ء۷۵

ناشر

فیروز سنز

لاہور، راولپنڈی، منٹگمری، پشاور، ملتان، حیدرآباد، کراچی۔

بہ اشتراک

موسسۂ مطبوعاتِ فرینکلن

لاہور، نیویارک

المُوت

سولھویں صدی عیسوی ختم ہو رہی تھی، اور چنگیزی جنتری کا سالِ اسد تھا۔ ان دنوں کی بات ہے کہ ایک روز قازق شمشیر زن خِلعت گھوڑے پر سوار استراخان میں وارد ہُوا۔ استراخان کے کوچہ و بازار میں کسی سنتری نے اسے نہ للکارا۔ وجہ یہ تھی کہ اس شہر میں قازقوں کا عمل دخل تھا جو خطروں کی پیش بندی کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ یوں تو استراخان میں بہت سے مسلمان بھی رہتے تھے لیکن چونکہ مغرب کا وقت تھا اس لیے وہ مغرب کی نماز ادا کر رہے تھے۔

خِلعت نے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے اس کی باگ بے پروائی سے ڈھیلی چھوڑ دی کہ جدھر جی چاہے چلا جائے۔ موسمِ گرما کا وسط تھا۔ رات گرم تھی اس لیے خِلعت نے اپنا بھاری دوشالہ اپنے اُونچے کندھوں کے پیچھے لٹکا رکھا تھا۔ اس کے سفید سر پر اونی ٹوپی ترچھی رکھی ہوئی تھی اور لال رنگ کے بڑھیا مراقشی چمڑے کے نئے جوتوں پر تارکول کے چھٹے پڑے ہُوئے تھے، گویا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ ظاہری ٹیپ ٹاپ

سے بے نیاز ہے۔ اس کی جھبری مونچھوں تلے ایک پائپ سلگ رہا تھا اور اس کے پہلو میں وہ عجیب الہیئت تلوار لٹکی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس کا لقب "خمیدہ تلوار والا خلت" پڑ گیا تھا۔

جس دن سے قازق سرداروں نے اس سے یہ کہا تھا کہ اب تم اتنے بوڑھے ہو گئے ہو کہ یوکرین کی فوج کے ساتھ رہنے کے قابل نہیں رہے اس دن سے اس کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ تنہا گھوڑے پر سوار پھرا کرتا۔ آج بھی وہ اسی طرح پھر رہا تھا۔ سڑک پر کئی بدمست قازق پاؤں پسارے پڑے تھے لیکن خلت نے ان کی طرف توجہ نہ کی اور اس کا گھوڑا ان کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ دریا کے کنارے ماہی گیروں کے جو پُرتعفن جھونپڑے تھے ان میں سے مکھیاں آ آ کر اس کے آس پاس بھنبھنا رہی تھیں۔ کئی خچر جنھیں ننگ دھڑنگ تاتاری لڑکے ہانکے لیے جا رہے تھے اس کے قریب سے گزرے۔ کبھی کبھی اسے کسی اصفہانی قالین فروش کی دکان کی روشنی میں لبادہ پوش تاتاری بھی دکھائی دیتے جو مٹک مٹک کر چلتے اور اسے خواہ مخواہ گالیاں دیتے ہوئے گزر جاتے۔ مگر خلت اتنا زیادہ تھکا ہوا تھا کہ اس نے ان کی طرف دھیان تک نہ دیا۔

اچانک اسے ایک اسلحہ فروش کی گرد سے اٹی ہوئی دکان نظر آئی۔ یہ سوچ کر کہ یہ جگہ رات گزارنے کے لیے موزوں ہے وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ دکان کے دروازے پر نمدے کا جو پردہ پڑا ہوا تھا خلت نے اسے جھٹک کر ہٹایا تو دکاندار سے ٹھوکر کھا کر رکا۔ یہ ایک شامی تھا جس

کا زرد چہرہ ایک اُودی شال پر سجدے میں گرا ہُوا تھا۔
شامی دراز قد قازق کو کنکھیوں سے دیکھ کر بڑبڑایا: "لیلۃ القدر"
خلت ان الفاظ سے آشنا نہیں تھا۔ اِدھر استرا خان میں اس
رات یہ الفاظ ہزاروں لبوں پر تھے کیونکہ یہ رات دینِ حق کے پیروؤں
کے لیے خیر و برکت کی رات تھی۔ اس رات جن دملک سر بسجود تھے،
اور مردک کو بابل میں الٹا لٹکا دیا گیا تھا۔ شاہی خانوادوں کے مُورّخ
ابوالغازی سے، جسے بعض لوگ ابوالفرنجی بھی کہتے ہیں، اسی طرح روایت
ہے۔

اس مورّخ کا کہنا ہے کہ ایسی ہی ایک رات تھی جب چنگیز خان
کے پوتے اور آلتین اُردو یعنی زرّیں لشکر کے سردار ہلاکو خان نے
صوبۂ رود بار میں دریائے شاہرود کے کنارے فسق و فجور کا عجیب و غریب
مرکز قلعۂ الموت فتح کیا تھا جس سے حسن بن صباح کی طاقت کا خاتمہ
ہُوا تھا۔

لیکن ابوالغازی کا کہنا ہے کہ حسن بن صباح کی طاقت بدی کی
طاقت تھی جو سخت جان ہوتی ہے۔ الموت کا فتنہ زندہ رہا اور اس
کے گرد حسن بن صباح کی ڈھلتی ہوئی طاقت کا طلسمی ہالہ پڑا رہا۔ یہ
طاقت نہ خدا کی طاقت تھی نہ کسی انسان کی، بلکہ ایک ایسی شخصیت کی
طاقت تھی جسے بعض لوگ شیخ کہتے تھے، بعض شیخ الجبل، مگر جو خود اپنے
کو خدا کا نبی کہتا تھا۔

ابوالغازی کی تاریخ میں اس پیش گوئی کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ایک دن شاہرود کا پانی خون سے لال ہو جائے گا اور الموت کے قلعے کا خود اس کی کمین گاہ میں شکار کیا جائے گا۔ یہ ایک عجیب و غریب پیش گوئی تھی۔ خمیدہ تلوار والا قازق مہمیں تو سر کرتا آیا تھا مگر کبھی اس قسم کی کسی مہم میں شریک نہیں ہوا تھا اور اس مہم میں بھی جس سے الموت کا راز کھلا، اس نے اپنی مرضی سے شرکت نہیں کی۔ جس طرح وہ اتفاقاً اس شامی اسلحہ فروش کی دکان میں رات گزارنے پہنچ گیا تھا اسی طرح الموت بھی پہنچ گیا۔ اور وہاں اس نے ابوالغازی کی پیش گوئی پوری ہوتے دیکھی۔ اس نے دریا سے قلعۂ الموت میں چڑھنے والی سیڑھیوں پر تلواریں چمکتی دیکھیں، اس کا طعام خانہ دیکھا اور بہشت شدہ میں چھپا ہوا خزانہ بھی دیکھا۔

شامی دکاندار نے خلت کی خمیدہ تلوار پر نظر جمائے ہوئے کہا ——
"لیلۃ القدر۔ اللہ اکبر۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ"

خلت کو اس کی یہ بات پسند نہ آئی۔ اس نے کہا "او مکار آدمی! اٹھا اپنا یہ ہڈیوں کا پنجر اور میرے لیے رات کاٹنے کو جگہ نکال اور کچھ کھانے کو بھی لا۔"

اس نے یہ الفاظ تاتاری زبان میں کہے، جس سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ اِن کا جواب اِسے فوراً مِلا لیکن یہ جواب شامی اسلحہ فروش نے نہیں دیا۔ دکان میں اس کے واحد لیمپ سے جو روشنی ہو رہی تھی

اس کے پرے سے سایوں میں سے ایک لبادہ پوش آدمی اُٹھا اور اس کے مقابل آن ڈٹا اور اس کا لبادہ فرش پر گر پڑا تو ایک گٹھا ہُوا جسم سنجاف کے حاشیوں کا چوغہ پہنے ہُوئے نمودار ہُوا، جس کے تلے زرہ، دبیز کپڑے کا پائجامہ اور ایک چوٹی دار خود دکھائی دے رہا تھا اور ایک طباقی چہرے کی دو لال لال ترچھی آنکھیں خلت کو گھور رہی تھیں۔

خلت نے فوراً بھانپ لیا کہ نووارد کوئی بلند مرتبہ تاتاری جنگجو ہے اس کا قد پستہ تھا لیکن شانے چوڑے چکلے اور بازو اتنے لمبے تھے کہ گھٹنوں تک پہنچ رہے تھے۔ ادھر خلت کی خمیدہ تلوار، ادھر تاتاری کا نیمچہ، دونوں بیک وقت چمکے اور شامی دکاندار لپک کر ایک کونے میں جا کھڑا ہُوا۔

قازق اور تاتاری ایک دوسرے کے پیدائشی دشمن آمنے سامنے کھڑے ایک دوسرے کو نظروں میں تولتے رہے۔ نہ یہ اپنی جگہ سے ہلا نہ وہ۔ دونوں منتظر تھے کہ مقابل پیش قدمی کرے۔ خلت کا پائپ اس کے منہ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا لیکن وہ اُسے اُٹھانے کے لیے نہ جُھکا۔

"توقتمش!"

یہ ایک نسوانی آواز تھی، تیز اور غضبناک۔ خلت مقابل پر نظریں گاڑے رہا۔ تاتاری نے ناک بھوں چڑھائی اور بڑبڑا کر کچھ کہا۔

"توقتمش! بے وقوف رکھوالے کُتے!! تیرا یہ لڑنا بھڑنا کبھی ختم بھی

ہو گا یا نہیں؟ کیا تیری انگلیاں تلوار پکڑنے کے لیے اتنی کھجلا رہی ہیں کہ میرا حکم بھی بھول گیا؟"

دکان کے ایک گوشے پر سے پردہ جھٹکے سے ہٹا اور خلت نے کنکھیوں سے دیکھا کہ ایک نازک اندام لڑکی جھپٹ کر آگے بڑھی ہے اور اس نے تاتاری کے چوڑے چکلے شانے پکڑ لیے ہیں۔ تاتاری نے اس کے ہاتھ جھٹکنے کے لیے بڑا زور لگایا لیکن وہ تاتاری کے بازوؤں کو جکڑے شانوں پر جمے رہے۔

"نادان لڑکی! تاتاری نے غرّا کر کہا۔" کیا تو اس قزّاق کتے کو نہیں دیکھ رہی جو کھانا بعد میں کھائے گا پہلے خون بہائے گا؟ یہی ہے وہ خلت جس کا ذکر میں نے تجھ سے کیا تھا۔ خمیدہ تلوار والا خلت۔ کیا تو کوئی ننھی بچی ہے جو تلواروں سے ڈر رہی ہے؟"

"میں بچی نہیں ہوں! بچہ تو تو بن رہا ہے!!" لڑکی نے چلّا کر جواب دیا۔ "جو خواہ مخواہ اس سے لڑنے پر تُل گیا ہے۔ وہ تو بس کھانا کھانا چاہتا ہے، کسی سے لڑائی مول لینی نہیں چاہتا۔ خدا تجھے شراب کے پیالے سے دُور رکھے تلوار میان میں کر! کیا تو بھول گیا ہے کہ تو میرا ملازم ہے اور میں تیری مالکہ ہوں؟"

خلت کو یہ دیکھ کر دل ہی دل میں ہنسی آئی کہ تو قتمش نے، جو شراب کے نشے میں یا طبعاً احمق ہونے کی وجہ سے تیغ آزمائی پر آمادہ تھا فوراً اپنا نیچہ میان میں ڈال لیا۔ اس پر خلت نے بھی تلوار جھکا لی اور مڑ کر

لڑکی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

توقتمش کے چوڑے ڈیل کے سامنے لڑکی شاخِ بید جیسی دکھائی دے رہی تھی، ایک ہلکے نیلے رنگ کی ایسی شاخ جس کے سرے پر ایک زیتونی رنگ کا چہرہ پھول کی طرح کھلا ہُوا تھا۔ جس نیلی پوشاک نے اس کے جسم کو گردن سے لے کر پاؤں تک ڈھانپ رکھا تھا اس پر پڑے ہُوئے سیاہ بال ایک ایسے چہرے کو حمائل کیے ہُوئے تھے جس پر خلت کی نگاہ جم کر رہ گئی۔ لڑکی کے دُبلے پتلے جسم سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ تاتاری نہیں ہے اور اس کی گندمی رنگت یہ ظاہر کر رہی تھی کہ جارجیائی بھی نہیں۔ اس کا دہانہ چھوٹا تھا اور گالوں پر گندمی رنگ گلابی رنگ میں گھُل مِل رہا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور سیاہ۔ خلت کو گھُورتے دیکھ کر اس نے تیوری چڑھائی اور یک لخت قدم مار کر اس کے پہلو میں آن کھڑی ہوئی اور محض از راہِ تجسّس اس کا جائزہ لینے لگی۔

"جب تم کسی مکان میں داخل ہوتے ہو تو کیا شائستگی اور خوش خلقی کو باہر ہی چھوڑ آتے ہو؟ ایک تو تم بلا اجازت اندر گھُس آئے، کیچڑ میں بھرے ہُوئے بوٹ پہنے ہُوئے اور پھر توقتمش کے سامنے تلوار بھی گھمانے لگے۔ وہ تو تم کو یہیں کھیت کر دیتا کیونکہ وہ بڑا پھرتیلا لڑیت ہے۔ خبر نہیں کہاں سے آ گئے ہو! میلا کچیلا لبادہ پہنے ہُوئے اور منہ میں ایک گندی سی نلی ٹھونس رکھی ہے۔"

خلت کراہت سے غرّایا۔ اسے عورتیں پسند نہیں تھیں اور یہ عورت

تو نہ تاتاری تھی نہ سرکیشی، نہ جارجیائی، البتہ تاتاری زبان اچھی بولتی تھی۔

"مجھے شیطان لے جائے!" وہ بولا۔ "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اس دکان میں تو گھسی ہوئی ہے تو کبھی یہاں قدم نہ رکھتا اے چلّانے والی عورت! میں تو یہاں اس لیے آیا تھا کہ کچھ کھانے کو مل جائے تو کھالوں اور سونے کو جگہ مل جائے تو تھوڑی دیر سو بھی لوں۔"

"تمھیں نہ کھانا ملنا چاہیے نہ سونے کے لیے جگہ!" عورت نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے پوچھنے لگی۔ "کیا تم سچ مچ وہی خلعت ہو جو تل تولائی خان کے تاتاریوں سے لڑتا رہا ہے۔ تو قتمش قیراغائی خان کا آدمی ہے جو تل تولائی خان کے جھنڈے تلے لڑا ہے۔ اس نے تمھیں پہلے بھی دیکھا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ تمھیں پسند نہیں کرتا۔ لیکن تمھارے تو سارے بال سفید ہو چکے ہیں۔"

فارق کے دل میں اس کی کوئی خواہش نہ تھی کہ وہاں رکا رہے لیکن وہ یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ مڑے تو تو قتمش کو پیچھے سے حملے کا موقع مل جائے۔ ادھر وہ اس شش و پنج میں تھا کہ اب کیا کرے ادھر لڑکی ہونٹوں پر ایک طعن آمیز مسکراہٹ لیے اسے گھور رہی تھی۔

"کیا یہی وہ بھیڑیا ہے جس کی باتیں تم مجھے سنایا کرتے تھے؟" لڑکی نے تو قتمش سے پوچھا۔ "میں نہیں سمجھتی کہ یہ وہ شخص ہو سکتا ہے جس سے تاتاری خوف کھاتے ہیں۔ ذرا دیکھو تو سہی یوں آنکھیں جھپکا رہا ہے

جیسے روشنی میں اُلّو جھپکایا کرتا ہے۔ ارے یہ تو کوئی بُڈھا اُلّو ہے۔"

تو قتمش نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ خلت کو غصّے سے گھورتا رہا۔ ادھر خلت کو اس لڑکی کی دلیری پر جو حیرانی ہوئی تھی وہ بڑی تیزی سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا یہ کسی ایسی قوم کی ہے جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ لیکن بلا کی حسین اور بیباک ہے۔ کسی سردار کی بیٹی ہو گی اس کے طمطراق سے صاف ظاہر ہے کہ غلاموں اور کنیزوں پر حکومت کرتی رہی ہے۔

"ہاں بیٹی" اس نے دلگیر ہو کر جواب دیا۔ "میں بڈھا ہو گیا ہوں، اسی لیے مجھے قازق سواروں کے ساتھ لڑائی میں شامل ہونے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ اب میں اکیلا ہوں اور جس کسی کو میری تلوار کی ضرورت ہو یہ اس کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔ اب میں قازقوں میں کا ایک قازق نہیں ہوں بلکہ ایک اکیلا آدمی ہوں۔"

"ہاں میں نے تمھاری بہادری کے تذکرے سنے ہیں۔" آہو چشم لڑکی نے اسے گھورا اور اپنا سر ایک طرف جھکا کر بولی "کیا تم سچ مچ لڑائی بھڑائی کے لیے نہیں بلکہ صرف کھانے کی تلاش میں یہاں آئے ہو؟"

خلت بولا "ہاں۔"

"اچھا تو پھر ٹھہرو۔ اس گھر کا مالک، جس کا کوئی نام نہیں، تمھیں کھانا تیار کر کے دے گا۔ اس اثنا میں تم یہ کرو کہ جس تلوار سے کھیل رہے ہو اسے میان میں رکھ لو اور مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

پھر وہ توقتمش کو اشارے سے قریب بلا کر اسے ساتھ لیے ہوئے دکان کے ایک گوشے میں چلی گئی۔ قازق کی تیز آنکھوں نے دیکھ لیا کہ ایک اور گوشے میں شامی دم پخت گوشت کے پیالے پر جھکا ہوا ہے اور اس میں چمچہ چلا رہا ہے۔ اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ دکان میں ان تینوں کے سوا اور کوئی موجود نہیں ہے۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ توقتمش کو لڑکی کی باتیں اچھی نہیں لگی ہیں وہ غصّے سے بڑبڑا رہا تھا جس پر لڑکی اسے تیکھے لہجے میں جواب دے رہی تھی۔ خلت ان کی باتیں تو سن نہ سکا البتہ قرائن سے اندازہ کیا کہ دونوں میں کچھ بحث ہو رہی ہے جس میں تاتاری ہار رہا ہے اور اس بحث کا موضوع میری ہی ذات ہے۔ اسے ایک اور نام پر کہہ بھی سنائی دیا جو بار بار لیا گیا۔

خلت کو خواہ مخواہ ٹوہ لینے کی عادت نہیں تھی مگر اسے یہ الجھن ہو رہی تھی کہ یہ لڑکی کون ہے؟ اس کا حُسن کسی بیش قیمت کنیز جیسا اور طور طریقے شہزادیوں جیسے تھے، مگر ایک ایسے ملک میں، جہاں عورتیں پردہ کرتی تھیں، بے پردہ پھر رہی تھی حالانکہ نوعمر تھی، بمشکل اٹھارہ سال کی ہو گی اور نازک بدن بھی تھی۔

خلت نے ذہن پر زور ڈالا تو اسے یاد آیا کہ اس نے ایسی سیاہ بالوں والی گورے رنگ کی عورتوں کے تذکرے سُن رکھے ہیں جو حسن میں بے نظیر ہوتی ہیں اور جن کا وطن بحیرۂ خزر (کیسپین) کے اس پار ہے وہ

صوبہ رود بار کی ایرانی لڑکیاں ہوتی تھیں۔ لیکن حسین سمجھی جانے کے باوجود کنیزوں کی طرح نہ بکتی تھیں۔ اس نے سوچا۔ یہ لڑکی جس کا نام غالباً برکہ ہے، انھیں میں سے ہے۔ لیکن اگر یہ بات ہے تو یہ استراخان میں اکیلی کیا کر رہی ہے۔ صرف ایک تاتاری اس کے ساتھ ہے اور وہ بھی ایسا جو بلند مرتبہ اور بہادر تو معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا ہمسر معلوم نہیں ہوتا۔

۲

قازق کے سوچ بچار کا یہ سلسلہ لڑکی کے شامی کو یہ اشارہ کرنے سے ٹوٹا کہ وہ خلت کو کھانا دے اور جب شامی اس کے حکم کی تعمیل کر چکا تو اس نے گرما گرم پیالے کی طرف اشارہ کر کے خلت سے کہا "کھاؤ! تمھیں بھوک لگ رہی ہے ابوالحرب! جب تم اپنا پیٹ بھر لوگے اس کے بعد میں تم سے کچھ باتیں کروں گی۔ مرد خالی پیٹ ہوش کی باتیں کر ہی نہیں سکتے، البتہ عورتوں کو عقل کے ناخن تیز کرنے کے لیے نہ کھانا چاہیئے نہ شراب۔ مگر دیکھو تو ابوالحرب! ذرا میری طرف تو دیکھو! کیا یہ بات غلط ہے کہ میں حسین ہوں، اتنی کہ جس مرد سے کہوں وہ مجھ پر جان قربان کرنے کو تیار ہو جائے؟ تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جتنے قریب سے تم دیکھ رہے ہو اتنے قریب سے مجھے دیکھنا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے۔"

وہ آگے بڑھی اور جس جگہ قازق پیالے پر جھکا ہوا تھا وہاں پہنچ کر

اس کے اتنے قریب کھڑی ہوگئی کہ اس کے ریشمی لباس کا حاشیہ قازق کے بالوں بھرے چہرے کو چھونے لگا۔ خلت نے ناک سکوڑی تو برّے کے دم پخت گوشت کی بُو باس میں ملی جلی گلاب کے پھولوں اور ایلوے کی خوشبو بھی محسوس کی، گو یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ کس قسم کی خوشبو ہے۔ بہرحال اس نے پیالے میں ہاتھ ڈبو ڈبو کر جلدی جلدی کھانا کھانا شروع کر دیا۔

"منہ سے کچھ تو بول، بدتمیز قزاق"! لڑکی نے چلّا کر خلت کے شانے بے صبری سے جھنجھوڑ کر کہا۔ "بول میں تجھے حسین نظر آتی ہوں یا نہیں؟ اور مرد تو فوراً کہہ اُٹھتے ہیں کہ رود بارا ورکستان کی رہنے والی برکہ کا بدن سڈول اور اس کا چہرہ گلابی ہے۔"

خلت کا ہاتھ منہ کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا۔

"تو قتمش کے پاس ایک اچھی شکل کی کسبی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے نوالہ منہ میں رکھ لیا۔

لڑکی جلدی سے پیچھے ہٹی۔

"مسخرے!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "کتّے کی نسل! یاد رکھیو تو نے مجھے کسبی کہا ہے۔ میرا تو ارادہ تھا کہ تجھے اپنی ملازمت میں لے لوں اور تو قتمش کا ساتھی بنا دوں۔ اور تو مجھے کسبی کہہ رہا ہے۔"

"میں اور ایک تاتاری کی داشتہ کا نوکر بنوں؟" خلت اور بھی سرعت سے گوشت ہڑپ کرنے لگا۔

"آخر کو صحرا کا وحشی ہی ہے نا؟ یاد رکھ! تیری باتیں بھلائی نہیں جائیں گی!!

ہیں ایک سردار کی بیٹی ہوں اور کئی سوار میری ملازمت میں ہیں۔"

برکہ قازق کی طرف کچھ غصّے اور کچھ تشویش سے دیکھ رہی تھی۔ تو قتمش نے یہ دیکھتے ہوئے کہ خلعت سارا گوشت ہڑپ کیے جا رہا ہے، اپنا بھاری بھرکم جسم پیالے کی طرف بڑھایا۔

"رود بار کی برکہ! کسی ایسے قبیلے کا ایک آدمی تمیز دار کیونکر ہو سکتا ہے۔" اس نے جھلا کر کہا۔ "جو پورے کا پورے تمیز دار نہ ہو؟ بہتر یہی ہے کہ میں اس کافر، اس بے ایمان کتے کا گلا کاٹ دوں، اس سے پیشتر کہ یہ ہمارا نمک کھا کر نمک حرامی کرے!"

"نہیں، تو قتمش! یہ نہیں کرنا ہے۔ تو بھی کھانا کھا!" برکہ نے کہا۔ "اور مجھے سوچنے دے۔"

تاتاری کے بھورے چہرے پر کراہت کے آثار نمودار ہو گئے۔

"میں اور ایک کافر کے ساتھ کھانا کھاؤں!" اس نے غرّا کر کہا۔ "یہ سچ ہے کہ میں نے تمھاری تابعداری کا حلف اٹھایا ہے، لیکن ایسی تابعداری کا نہیں اٹھایا۔ پہلے اس قازق کو یہاں سے دور کرو، پھر کھانا کھاؤں گا ورنہ یہ میرا تلوار بھائی بن جائے گا اور مجھے اس کی جان کی حفاظت کرنی ہوگی۔"

برکہ نے اپنا پاؤں بے صبری سے زمین پر مارا۔

"کیا اللہ نے مجھے میری حفاظت کے لیے آدمی کی شکل میں گدھا دے دیا ہے؟ تو قتمش اپنے حصّے کا گوشت کھالے اور رینکنا بند کر۔ تجھے معلوم ہے

قرآن میں لکھا ہے کہ گدھے کی آواز سے زیادہ مکروہ اور کوئی آواز نہیں۔"

توقتمش اندر ہی اندر پیچ و تاب، کھا کر رہ گیا جس کی وجہ یہ تھی کہ ادھر تو اسے بڑی سخت بھوک لگ رہی تھی ادھر خلت اس کا جدی دشمن تھا۔

"کھا سپاٹ چہرے والے کھا!" خلت نے ہنستے ہوئے کہا۔ اُسے ان باتوں میں لطف آرہا تھا۔ "گوشت بڑا مزیدار ہے۔ لیکن پیالے کا پیندا میری انگلیوں سے کچھ زیادہ دُور نہیں رہ گیا ہے!"

اِدھر گوشت کی خوشبو بیچارے تاتاری کے لیے صبر آزما ثابت ہو رہی تھی۔ اُدھر بر کہ اس کو ستانے پر تلی ہوئی تھی اور پیالے سے پرے ہٹنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔ آخر وہ کھسیانا ہو کر خلت کے سامنے بیٹھ گیا اور پیالے میں ہاتھ ڈال ہی دیا۔

اسے ہوکے سے کھاتے دیکھ کر خلت نے قہقہہ مارا۔ "سپاٹ چہرے والے! یاد رکھنا ہم ایک دوسرے کے ساتھ نان و نمک کھا رہے ہیں اور اگر چلّو بھر شراب بھی مل جائے تو کیا کہنے!"

توقتمش نے باوقار انداز سے جواب دیا۔ "میں تو نہیں بھولوں گا، کافر!" پھر اس نے اپنے کمر بند میں سے ایک تونبا نکالا اور بولا۔ "لو عرق بھی حاضر ہے! جی بھر کر پیو!!"

"ہاں لاؤ!" خلت نے تونبا لے لیا۔

تاتاری گھوڑی کے دودھ سے جو تیز شراب بناتے ہیں خلت یہ

پہلے بھی چکھ چکا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک گھونٹ پی کر چٹخارے لیے اور پھر ایک تھیلی سے تمباکو نکال کر پائپ بھرا اور اسے سُلگا کر کش لگانے لگا۔

توقمش برکہ کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ خلعت کا ہم نوالہ و ہم پیالہ بننے کے بعد بھی اس کی تند خُوئی میں فرق نہیں آیا ہے، اس نے کہا۔ "دیکھو اس کافر کتے کو زندہ رہنے کے لیے دو طرح کے گھاس پھُوس کی ضرورت ہے۔ ایک کو نلی بنا کر مُنہ میں گھُسا رکھا ہے، دوسرے کا رس پی رہا ہے۔"

"چُپ رہو!" برکہ نے اسے ڈانٹا۔ "مجھے سوچنے دو۔"

وہ اپنی ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھ کر پیالے کے قریب بیٹھ گئی۔ اس کی تیز نگاہیں کبھی خلعت پر پڑتیں، کبھی توقمش پر۔ قازق اس کی طرف سے بے پروا پائپ پیتا رہا۔

"تم نے مجھے کسبی کیوں کہا؟" برکہ نے یکایک پوچھا اور اس کے گندمی گالوں پر سُرخی دوڑ گئی۔

"میں نہیں جانتا کہ میں نے تمھیں کسبی کیوں کہا، ننھی چڑیا! مگر یہ تو اندھا بھی دیکھ سکتا ہے کہ تم اس توقمش کی کچھ نہیں لگتیں۔ وہ اور نسل کا ہے، تم اور نسل کی ہو۔ پھر تم لوگوں کے ساتھ کوئی بوڑھی عورت بھی نہیں ہے جو تمھیں کسی شرارت سے باز رکھے۔ تم کہتی ہو کہ تم ایک سردار کی بیٹی ہو۔ یا تو تم جھوٹ بول رہی ہو یا پھر وہ سردار مر چکا ہے۔"

لڑکی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور توقمتش کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"معلوم ہوتا ہے تم کوئی جادوگر ہو۔" برکہ نے کہا۔ "یہ سچ ہے کہ میرا باپ ایک شیخ تھا جو مر چکا ہے۔"

"مگر تم اکیلی بحیرۂ خزر پار کر کے یہاں پہنچی ہو، محافظوں کے بغیر کوئی عقل مند شیخ اپنی بیٹی کو گھر پہ باندھ کر رکھتا اور اگر پردیس بھیجتا تو صرف شادی کے لیے۔ کیا حقیقت یہ نہیں ہے کہ تمھیں رود بار سے یہاں تمھارے باپ نے نہیں بلکہ کسی اور نے بھیجا ہے۔"

برکہ نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے ہاتھ ایک دوسرے سے جوڑ کر ان پر ٹھوڑی رکھ لی۔ پھر اس نے ایک ہاتھ اپنے لبادے کی تہوں میں ڈالا اور جب باہر نکالا تو اس میں ایک چھوٹی سی چیز تھی جو اس کی نازک گردن میں لٹکی ہوئی زنجیر میں بندھی ہوئی تھی۔ اس نے مٹھی کھولی تو اس میں ایک بہت بڑا نیلم چمک رہا تھا جو سونے میں جڑا ہوا تھا۔ یہ نیلم بڑا بیش قیمت تھا، معلوم ہوتا تھا تبریز کے کسی بڑے جوہری کی دکان سے خریدا گیا ہے۔ خلت اسے بے پروائی سے دیکھتا رہا۔

"ہاں خلت یہ سچ ہے۔" برکہ نے نرم لہجے میں کہا۔ "کہ مجھے کسی اور نے رود بار سے یہاں بھیجا ہے اور شادی ہی کے لیے بھیجا ہے۔ اس نے میرے ساتھ غلام بھی بھیجے اور ایک محافظ بھی۔ اس نے قسم کھا کر کہا تھا کہ قلماقوں کے ایک خان نے مجھے بیوی بنانے کے لیے طلب کیا ہے۔ میں نے

اس کی بات کا یقین کر لیا اور یہاں چلی آئی۔ باپ کی موت کے بعد میرا رو دبار میں رہنے کو جی نہ چاہتا تھا۔"

"قلماق؟" خلت نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔ "مگر تم تو ایرانی ہو اور قلماق تاتاری باپ دادا کے وقتوں سے ایرانیوں سے لڑائیاں لڑتے آئے ہیں۔ تمھاری اور ایک قلماق تاتاری کے ساتھ شادی؟ مجھے تو یہ بات کچھ عجیب سی لگتی ہے۔ خیر، تمھیں یہاں کس نے بھیجا؟"

برکہ نے اپنی آواز اور نیچی کر لی اور ایرانی اسلحہ فروش کی طرف دیکھا، جو ایک کونے میں پڑا خراٹے بھر رہا تھا۔ پھر بولی۔ "ایک ایسے شخص نے جس کا نام نہ لینا ہی بہتر ہے۔ وہ نہ شیخ ہے نہ خان۔ سن اور فراق! یہ نیلم جو تو دیکھ رہا ہے، بڑی قیمت کا ہے۔ دمشق کے باہر اس کے جوڑ کا نیلم کہیں نہ ملے گا۔ تو اس کا مالک بننا چاہتا ہے؟"

"ہاں،" خلت نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "لیکن کس قیمت پر؟"

"میری خدمت کی قیمت پر۔"

"تم ایک اور توقمش چاہتی ہو؟ جاؤ استراخان کے بازار میں چلی جاؤ، وہاں مل جائے گا۔ ایک آزاد قازق کو خریدا نہیں جا سکتا۔"

"نہیں خلت،" برکہ نے سرگوشی کی اور جھک کر اس کے اس قدر قریب ہو گئی کہ اس کے کھلے ہوئے بال خلت کی آنکھوں کو چھونے لگے "میری ملازمت ایک ایسے شخص کے لیے ہے جو تلوار چلانی جانتا ہے۔ ہم نے تاتار میں سن رکھا ہے کہ تم کس طرح تل تولائی خان اور اس کے

بے شمار سپاہیوں کے نرغے میں سے نکل گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ تم سچ مچ ابوالحرب ہو! مجھے ایسے ہی شخص کی ضرورت ہے۔ سنو! مجھے رود بار سے قراغائی خان کے پاس بھیجا گیا تھا۔ میں بحیرۂ خزر اور دریائے جانک پار کر کے آئی۔ میرے ساتھ ایک خادم تھا اور ایک صندوقچہ۔ وہ خادم کہتا تھا کہ صندوقچے میں میرے جہیز کے ہیرے جواہرات اور سونے کی سلاخیں ہیں۔ میں قراغائی خان کے دربار میں پہنچی ——"

"چھوڑ ننھی چڑیا! میں یہ قصے نہیں سنتا۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔ کل صبح ——"

"کل صبح میں استراخان سے جا چکی ہوں گی۔" برکہ نے نیلم اسے دکھایا۔ "قازق! مجھے میری بات اسی وقت سننی پڑے گی۔ میں نے خود ہی قراغائی خان کو اپنے آنے کا مقصد بتایا، کیونکہ کوئی اور ساتھ نہ تھا، اور صندوقچہ خادم کے ہاتھ سے لے کر کھولا۔ مگر اس میں سونا تھا نہ جواہرات۔ بس تھوڑے سے گھٹیا قسم کے موتی پڑے ہوئے تھے۔ قراغائی خان، جس کے سامنے میں نے نقاب اٹھا دیا تھا، میری طرف دیکھ کر ہنسا اور بولا کہ میں نے تو تمھیں نہیں بلایا۔ پہلے تو میں یہ سمجھی کہ وہ گھٹیا موتی دیکھ کر آنکھیں پھیر رہا ہے۔ لیکن بعد میں پتا چلا کہ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ اس نے مجھے نہیں بلایا تھا۔"

توقتمش یکایک بول اٹھا۔ "ہاں وہ سچ ہی کہہ رہا تھا۔"

"میں نے فوراً قراغائی خان کے ملک سے نکلنے کی ٹھان لی۔ توقتمش

نے میری مدد کی۔ اسے مجھ پر رحم آگیا تھا، اوروں نے تو مجھے کنیز ہی بنا کر بیچنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے، جو ایک آزاد قوم کی بیٹی ہے ہمیں ساری بات کا پتا استراخان میں چلا۔ جس شخص نے مجھے یہاں بھیجا تھا وہ میرے باپ کا قاتل تھا۔ اس نے مجھ سے چھٹکارا پانے کے لیے مجھے ادھر روانہ کیا تھا، کیونکہ میرے جیسے خاندان کی ایک لڑکی کو کنیز کی طرح بیچنے کی اس میں جرأت نہ تھی۔ قانون اس کی اجازت نہیں دیتا کہ آزاد قوم کی کسی لڑکی کو کنیز بنایا جائے۔ جس آدمی نے میرے باپ کو قتل کیا وہ قانون تو نہیں جانتا لیکن ہے پرلے درجے کا چالباز۔"

"تو کیا" خلت نے دریافت کیا۔ "اب تم اسے قتل کرنا چاہتی ہو؟ تو قتمش کو کسی اندھیری رات میں خنجر دے کر بھیج دو۔ یہ اس کا کام تمام کر آئے گا۔"

برکہ نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے سر ہلایا اور بولی۔

"اس شخص پر خنجر کا وار نہیں چل سکتا اور وہ ہم لوگوں کی پہنچ سے بھی باہر ہے۔ اس کے پاس ہزاروں خنجر بردار ہیں۔ اس کی سلطنت سمرقند سے حلب تک اور تاتار سے بحر ہند تک پھیلی ہوئی ہے۔ لوگ جتنا اس سے ڈرتے ہیں اتنا تو لائی خان سے بھی نہیں ڈرتے۔"

"پھر تو وہ کوئی بہت بڑا شیخ ہوگا۔ خلت نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"وہ شیخ ویخ تو کچھ بھی نہیں ہے۔" برکہ نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے

کہا۔ اور اس کا قلعہ بھی زمین کے اوپر نہیں بلکہ اس کے نیچے ہے، مگر لوگ کہتے ہیں۔ اس کی طاقت کا راز یہ ہے کہ وہ قانون توڑنے کی ہمت رکھتا ہے۔ اس کے پیرو ہر قانون سے آزاد ہیں۔ وہ اوروں سے جو کچھ چھیننا چاہے چھین لیتا ہے اور جب کسی کا خون بہایا جاتا ہے تو بہت خوش ہوتا ہے۔ تم اسے جانتے ہو؟"

"ہاں میں اسے جانتا ہوں۔" خلت نے ہنس کر کہا۔ "وہ صحرا کا لومڑ ہے۔"

"لوگ تمھیں بھیڑیا کہتے ہیں۔ اگر یہ تمھارا صحیح لقب ہے تو مجھے تمھاری مدد کی ضرورت ہے جس کو میں ڈھونڈ رہی ہوں۔ کوئی شخص اس کی ہنسی اڑانے کی جرأت نہیں کر سکتا اور اگر کر بیٹھتا ہے تو ختم کر دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ اُسے پیغمبرِ اعظم کہتے ہیں، اور بعض شیخ الجبل اور بعض رفیقوں کے گروہ کا شدنہ۔ وہ ایک ایسی سلطنت کا سربراہ ہے جو ایران، کُردستان، خراسان شام اور اناطولیہ کے ہر شہر سے خراج وصول کرتی ہے۔ اگر اللہ کو یہ منظور ہوا کہ میں اس کی موت کا وسیلہ بنوں تو میں اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھوں گی۔"

"زیادہ امکان تو اس بات کا ہے۔" خلت بولا۔ "کہ تم اپنی ہی موت کا وسیلہ بنو گی۔ جو کچھ تم کہہ رہی ہو اگر یہ سچ ہے تو یہ شیخ الجبل بڑا زبردست شمشیر زن ہوگا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اس سے دو دو ہاتھ کروں۔ کیا تم مجھے بتا سکتی ہو وہ کہاں ملے گا؟"

"ہاں میں تمھیں بتاؤں گی" برکہ نے کہا: "بشرطیکہ تم میرے ساتھ چلو۔ اگر تم میرے ساتھ ردو بار چلو تو یہ تیلم تمھارا۔"

خلت نے انگڑائی لی۔

"جہاں مجھے لڑائی بھڑائی کا موقع ملے وہاں میں ہر وقت جانے کو تیار ہوں۔" اس نے جیسے اونگھتے ہوئے کہا: "لیکن مجھے انعام کا لالچ نہ دو۔ ہم قازق لوگ لڑائی کا صلہ اپنے دشمنوں کی لاش سے وصول کرتے ہیں۔ چلو، میں اس شیخ الجبل کو جان سے مارنے کا کام اپنے ذمے لیتا ہوں۔ لیکن اب مجھے سونے دو۔ تمھاری کان کے پردے پھاڑنے والی آواز میری آنکھ نہیں لگنے دیتی۔"

جب توقتمش اور برکہ دونوں اسلحہ فروش کی دکان سے چلے گئے (توقتمش باہر کوئی سونے کی جگہ تلاش کرنے اور برکہ اپنے انتخاب کیے ہوئے گوشے میں سونے کے لیے) تو خلت بھی، شامی کی طرح، زور زور کے خراٹے لینے لگا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد شامی کے خراٹے رک گئے۔ اس نے خلت کو فرش پر دراز چھوڑ کر دروازے کا پردہ آہستہ سے ہٹایا اور دبے پاؤں باہر نکل گیا اور پھر سرپٹ دوڑنا شروع کر دیا۔

۳

خلت اور توقتمش کے لیے ایک دوسرے کا ساتھی بننا آسان نہ تھا لیکن برکہ نے بڑی ہشیاری سے کام لے کر ان میں کوئی خطرناک

جھگڑا نہ ہونے دیا۔ اگلے دن ایک کشتی استرا خان سے بحیرۂ خزر کے جنوبی ساحل کو جا رہی تھی۔ اور اس کشتی کے جس کیبن میں رود بار کے شیخ کی لڑکی سفر کر رہی تھی اس سے متصل ایک الماری دونوں تیغ آزماؤں کی مشترک آرامگاہ تھی۔

خلت اپنی خوشی سے کشتی میں سوار نہ ہوا تھا اس لیے اگلے دن صبح کو جب اس کا نشہ اترا تو اُسے اپنے فیصلے پر کچھ کچھ پشیمانی ہوئی۔ وہ برکہ کی مفتوں کو تو غالباً رد کر دیتا لیکن نمکین سمندر جسے وہ بحیرۂ کیسپین کے نام سے جانتا تھا، کے اس پار کی سیر کرنے کا شوق اسے کشتی میں کھینچ لایا تھا اس کے ساتھ اس کا گھوڑا بھی تھا، جس سے جدا ہونے کو وہ تیار نہ ہوا تھا۔

لڑکی نے بچے کھچے موتیوں اور توقتمش سے تھوڑا سا سونا لے کر، ان سے کشتی کا کرایہ ادا کیا تھا۔ وہ اپنے کیبن میں بند پڑی رہی، جہاں توقتمش اسے کھانا پہنچاتا رہا۔ قازق نے کشتی کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ اس کے ہم سفر ریشم کے چند شامی سوداگر ہیں۔ مگر ملّاح سب کے سب تاتاری ہیں۔ اس نے سب سے پچھلے اور سب سے اونچے عرشے کے ایک کونے پر قبضہ جما لیا اور جزیروں اور گزرتے ہوئے جہازوں کا تماشا دیکھتا رہا، خاص کر جب کشتی جنوب کا رُخ کرتے ہیں باب الابواب سے گزری تو اس نے اس مشہور بحری دروازے کا بڑے غور سے معائنہ کیا۔ توقتمش نے پہلے کبھی بحری سفر نہ کیا تھا۔ چنانچہ اس بچارے کا بُرا حال تھا اور

خلت اس کا یہ حال دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔

ایک دن جب ہوا بڑے زور سے چل رہی تھی خلت توقتمش کے پاس گیا جو اپنی پسند کی الماری میں پوستین پر لیٹا ہوا تھا۔

"او پاٹ چہرے والے!" خلت نے الماری کے اندھیرے حصے میں اس کے مقابل بیٹھ کر کہا۔ "تو نے تو ایسی صورت بنا رکھی ہے جیسے شیطان تیری آنتیں چبا رہا ہو۔ تو غرّانا تو خوب جانتا ہے مگر کیا منہ سے کچھ بول بھی سکتا ہے؟ سُن مجھے تجھ سے کچھ کہنا ہے مگر پہلے یہ بتا کہ ننھی برکہ کہاں ہے؟"

"کم نسل کُتّے! وہ اپنے کیبن میں ہے۔" تاتاری نے جواب دیا۔ اس وقت اس کا کسی سے بات کرنے کو جی نہ چاہ رہا تھا۔ "ایک شامی ٹھگ اسے ریشمی کپڑے دکھا رہا ہے۔ یہ سمندر کی بیماری بھی بڑی بُری بیماری ہے اور مجھے سمندر کے سفر کی عادت نہیں۔"

"مگر اس بیماری سے تُو مرے گا نہیں۔" خلت نے تلوار سے اپنے جوتے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "پہاڑی گیدڑ! تو بھی نرا احمق ہے۔ شاید مجھ سے بھی زیادہ احمق۔ تو اس لڑکی کے جال میں کیونکر پھنس گیا؟ معلوم ہوتا ہے تجھ پر اس کی گوری رنگت اور کالی آنکھوں کا جادو چل گیا ہے۔"

"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔" توقتمش نے غرّا کر جواب دیا۔ "اس نے تجھے اپنی جو کہانی سنائی ہے یہ بالکل سچ ہے۔ میرے آقا قراغائی خان

کو برکہ کے آنے کا کوئی علم نہ تھا۔ اس کا محافظ اور غلام سب اسے اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بچاری کو شرم تو بہت آئی، لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ جب اُسے اور کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کے ساتھ استرا خان چلوں اور اپنی فوج کا سردار بنانے کا وعدہ کیا۔ مگر اس نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ اس کی فوج کھاری سمندر کے اس پار ہے۔ پھر اس نے مجھ سے یہ عہد بھی لے لیا کہ میں اُسے اس کے خاندان کے لوگوں کے پاس پہنچاؤں گا۔ تو جانتا ہی ہے اس کی باتوں میں کتنا جادو ہے!"

"ہاں، یہ میں خوب جانتا ہوں۔" خلت نے کہا: "لیکن اس سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ میں تجھے جتنا احمق سمجھتا تھا تو اس سے بھی زیادہ احمق ہے۔ جس شہنشاہ کے پاس وہ ہمیں لے جا رہی ہے کیا تو نے کبھی اس کا نام سُنا ہے؟"

توقتمش نے سر ہلایا۔ پھر کہنے لگا۔

"ہمارے ملک میں کسی نے اس کا نام نہیں سنا۔ منگول تاتاری کہتے ہیں کہ ان کے جو پردادا ہلاکو خاں کے جھنڈے تلے لڑائیاں لڑا کرتے تھے انھوں نے ایک مرتبہ ایک ایسے شخص سے جنگ کی تھی جس کا نام شیخ الجبل تھا۔ انھوں نے اس کے ہزاروں سپاہی مار ڈالے تھے اور بہت سا مالِ غنیمت بھی ان کے ہاتھ آیا تھا۔ سنا ہے کہ اُنھوں نے اس کا قلعہ بھی جلا کر راکھ کر دیا تھا، جس کا نام الموت تھا۔ منگول تاتاری

نے مجھے الموت سے لوٹا ہوا، ایک خنجر بھی دیا تھا جس کی شکل بڑی عجیب تھی۔
"اگر شیخ الجبل کی طاقت ہلاکو خاں کے زمانے میں تباہ ہو گئی تھی"، خلت نے کہا، "تو وہ اب تک کیونکر موجود ہے! وہ خنجر تیرے پاس ہے؟"

تاتاری نے اپنی پیٹی کی طرف اشارہ کیا۔ خلت نے اس میں سے ایک لمبا سا خنجر کھینچ لیا جس کا دستہ بہت بھاری تھا۔ یہ خنجر کمائے ہوئے فولاد کا اور آگ کے شعلے کی طرح خمیدہ تھا۔ اس پر کچھ الفاظ کندہ تھے جو خلت کے لیے کوئی معنی نہ رکھتے تھے۔ خلت نے اسے اپنے لمبے دُبلے ہاتھ پر رکھ کر تولا۔

"سپاٹ چہرے والے!" خلت نے کہا، "میں نے ایسا خنجر پہلے بھی دیکھا ہے۔ اس کا وار بھرپور پڑتا ہے۔ ہاں یاد آیا میں نے اس طرح کے خنجر استراخان کے اسلحہ فروش کی دوکان میں دیکھے ہیں۔ تجھے وہاں کون لایا تھا؟"

ہمیں وہاں کوئی نہیں لایا تھا، ہم خود پہنچے تھے۔ شامی دکاندار نے ہم سے وہاں رات بسر کرنے کو کہا اور صرف کھانے کے دام طلب کیے ٹھہرانے کا کچھ معاوضہ نہیں مانگا۔"

"وہ شامی تاتاری زبان جانتا ہے؟"

"نہیں۔ برکہ نے اس سے اپنی زبان میں بات چیت کی تھی۔"

"برکہ نے تجھے اس شیخ الجبل کے بارے میں بھی کچھ بتایا؟"

"اس نے مجھے صرف ایک بار یہ بتایا ہے کہ اس کا خاندان شیخ الجبل

کے قبضے میں آ گیا تھا، اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس کا گھر الموت کے بہت قریب ہے۔" تو قتمش خاموش ہو گیا۔ پھر چند لمحے بعد بولا: "برکہ نے مجھ سے ایک بات اور بھی کہی تھی۔"

"تو وہ بات بتاتا کیوں نہیں؟ کیا خدا نے تجھے زبان نہیں دی؟"

"اس نے یہ کہا تھا کہ تمہاری خمیدہ تلوار شیخ الجبل کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔"

یہ کہہ کر تاتاری نے پوستین پر کروٹ بدل لی اور خاموش ہو گیا۔ خلت اس سے سوالات کرتے کرتے تھک گیا تو وہاں سے اٹھا اور برکہ کے کیبن کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ تو قتمش اتنا ذہین تو ہے نہیں کہ میرے سوالوں کے جواب اس نے خود گھڑ لیے ہوں، یا تو یہ سچ بول رہا ہے یا اسے سکھا پڑھا دیا گیا ہے۔ غرض خلت کی تسلی ہو گئی کہ لڑکی اور تاتاری کی کہانی چاہے کتنی ہی عجیب لگتی ہو مگر ہے ہر لحاظ سے سچی۔ پھر بھی چند باتیں ایسی تھیں جو اسے کھٹک رہی تھیں۔ مثلاً ایک تو یہ کہ ایک بلند مرتبہ تاتاری ایک عورت کی ملازمت کیوں کر رہا ہے؟ دوسری یہ کہ برکہ خلت کو اپنی ملازمت میں کیوں لینا چاہتی ہے۔ اور تیسری الجھن میں ڈالنے والی یہ بات کہ ایک طرف تو برکہ نے یہ کہا کہ شیخ الجبل تک رسائی ممکن نہیں دوسری طرف وہ اس کی تلاش میں پھر رہی ہے۔

یہ باتیں دل میں سوچتے ہوئے خلت نے برکہ کے کیبن کا دروازہ

کھٹکھٹایا۔ لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے کواڑوں کو کان لگا کر سُنا تو کسی سوتے ہوئے شخص کے سانس لینے کی آوازیں سنائی دیں۔

وہ برکہ سے باتیں کرنے کے ارادے سے گیا تھا اور یہ کام پورا کیے بغیر واپس آنے کو تیار نہ تھا۔ اس نے کواڑ کھولے اور اندر داخل ہوتا تھا کہ ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

برکہ اپنے نیلے لبادے پر چادروں شانے چت لیٹی تھی۔ اس کے سر کے بالوں کی کالی کالی لٹیں ایک ریشمی تکیے پر بکھری ہوئی تھیں آنکھیں بند تھیں اور چہرہ اتنا سفید نظر آ رہا تھا کہ خلت حیران ہو کر سوچنے لگا کہ جب یہ چہرہ اسے گلابی نظر آیا تھا اس وقت اُس کی آنکھوں نے دھوکا تو نہیں کھایا تھا۔

خلت کی آنکھیں ان دو خنجروں پر جم کر رہ گئیں جو برکہ کے نزدیک فرش پر دکھائی دے رہے تھے اور یہ لڑکی کے سر کے اتنے قریب تھے کہ اس کے بال ان میں اُلجھ گئے تھے، دونوں خنجر فرش میں گڑے ہوئے تھے ایک سر کے دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف۔ اور یہ آگ کے شعلوں کی طرح خمیدہ تھے۔

خلت نے فوراً اپنے اِردگرد نظر دوڑائی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس وقت یہاں اس کے اور برکہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اس نے سوچا برکہ کے پاس تو اس قسم کے خنجر ہیں ہی نہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ یہ کسی اور نے یہاں لا کر گاڑے ہیں۔ ریشمی تکیہ دیکھ کر اسے معاً شامی سوداگر

کا خیال آیا۔

وہ دبے پاؤں آگے بڑھا اور لڑکی کے اوپر جھک کر اس کا بغور معائنہ کیا۔ اس کا سانس دھیمے دھیمے مگر باقاعدگی سے چل رہا تھا۔ اور اس کے کپڑے بھی بے ترتیب نہیں تھے۔ خلت کو اطمینان ہو گیا کہ برکہ زندہ سلامت ہے اور سو رہی ہے۔ اب اس نے خنجروں کی طرف توجہ کی۔

اس نے خنجر لکڑی سے کھینچ کر نکالے اور انھیں بغل میں دبا کر دروازے کا رُخ کیا۔ باہر نکل کر اس نے دروازے کے کواڑ بھیڑ دیے اور عرشے پر پہنچا۔ وہاں اس نے شامی سوداگر کو تلاش کیا۔ کچھ کاروباری لوگ، جو پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے، جنگلے کے قریب اکڑوں بیٹھے تھے۔ شامی سوداگر ان میں بیٹھا تھا، اور جہاں خلت رُکا اس جگہ سے بہت قریب تھا۔ ان لوگوں میں سے کسی نے خلت کو نہ دیکھا کیونکہ سب سر جوڑے باتیں کر رہے تھے۔

خلت خنجروں کو بغل میں دبائے سوداگروں کی طرف بڑھا۔ اسے آتا دیکھ کر ان سب نے خاموشی سے اس کی طرف نظریں اٹھائیں۔

"کافر کتو!" اس نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یہ دو خنجر میں نے سیڑھیوں میں پڑے پائے ہیں، کس کے ہیں یہ؟ بولو!"

خلت کی آنکھوں نے سوداگروں کے گندمی چہروں کا سرعت سے جائزہ لیا۔ ان میں سے کسی نے اس معاملے سے کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی۔ اگر خلت کو یہ توقع تھی کہ خنجروں کا مالک بول اٹھے گا تو یہ توقع پوری نہ

ہوئی۔ شامی سوداگروں نے پھر اسی طرح آپس میں باتیں چیتیں شروع کر دیں۔

"اچھا یوں ہی سہی" خلت نے بلند آواز سے کہا "یہ میرے تو کسی کام کے ہیں نہیں"

اس نے خنجروں کو عرشے پر دے مارا۔ اس کی نظریں سوداگروں پر جمی ہوئی تھیں۔ ان کی گفتگو ایک لمحے کے لیے بھی نہ رُکی۔ لیکن خلت نے دیکھا کہ ان میں سے ایک شخص کی آنکھوں نے سُرعت سے خنجروں کا تعاقب کیا لیکن جب خلت نے اس شخص کو گھور کر دیکھا تو اس نے آنکھیں پھیر لیں۔

خلت کو یوں محسوس ہُوا کہ یہ شخص کچھ کچھ صُورت آشنا ہے۔ اس نے اپنے حافظے پر زور دیا تو معاً یاد آگیا۔ جس شخص نے خنجروں کو دلچسپی سے دیکھا تھا خلت، اسے استراخان میں دیکھ چکا تھا۔ اس شخص نے بھیس بدل رکھا تھا، مگر خلت تاڑ گیا کہ یہ وہی شامی اسلحہ فروش ہے جس نے برکہ اور توقتمش کو اپنی دکان میں ٹھہرایا تھا۔

خلت کا ہاتھ اپنی تلوار پر تھا۔ اس کے جی میں آئی بہ نوک شمشیر شامی سے دریافت کرے کہ وہ برکہ کے کیبن میں کیا کر رہا تھا۔ لیکن اگر شامی یہ مان لیتا کہ برکہ کے سر کے قریب خنجر اس نے گاڑے ہیں اور اس کے بعد خلت اسے قتل نہ کرتا تو شامی کا حوصلہ اور بڑھ جاتا۔ خلت کو اپنی یا اوروں کی زندگی کی تو کچھ پروا نہ تھی لیکن اسے شامی کو

جان سے مار ڈالنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہ آئی۔ اس نے سوچا بہتر یہی ہے کہ فی الحال اس مردود سے کچھ نہ کہا جائے صرف نگرانی کی جائے۔
پھر کچھ سوچ کر خلت آگے بڑھا اور خنجر عرشے پر سے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیے۔

۴

سالِ اسد میں بحیرۂ خزر کے آس پاس قحط پڑا اور اس کے جنوب کے نمک کے کھیتوں کو دھوپ نے سکھا کر سفید کر دیا۔ ان کھیتوں میں سے گزر کر سمرقند سے بغداد جانے والے کاروان جس راستے سے سفر کرتے تھے اس کے قریب چند ایک کے سوا تمام چشمے اور نالے خشک ہو گئے۔
کھیتوں کی سطح پر نمک کی جو پپڑیاں جم گئی تھیں ان پر دھوپ لپکتے ہوئے شعلوں کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ ان پپڑیوں کے درمیان کہیں کہیں کوئی چٹان بھی دکھائی دیتی تھی اور گرمی اس بلا کی تھی کہ سمندر کی ہواؤں سے بھی خنکی نہ ہوتی تھی۔ ابوالغازی کی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس سال کیا آدمی اور کیا اونٹ سب پیاسے مرے۔ یہ وہ سال تھا جس میں پیش گوئی کے مطابق قلعۂ الموت کے قریب دریائے شاہرود کا پانی خون سے لال ہونا تھا۔
ساحل کے نزدیک جو چند چشمے خشک نہیں ہوئے ان میں سے ایک

پر برکہ اور اس کے دو اسلحہ بردار، سامان لدے ہُوئے خچر سمیت آ کر رُکے۔ اسی وقت مشرق سے آتا ہُوا ایک کاروان بھی اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے وہاں رُکا۔

ساربان باری باری اپنے اپنے اونٹوں کو چشمے کے کنارے پر لے جاتے تاکہ وہ گھٹنوں کے بل جُھک کر چشمے کا پانی پئیں۔ برکہ یہ تماشا دیکھنے میں محو ہوگئی۔ خلت بہ ظاہر اس کے قریب یونہی کھڑا تھا لیکن دراصل سفید اور خاکستری کپڑے پہنے ہُوئے تاجروں اور اُن کے گرد محافظوں کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے بہت سے برکہ کی طرف دیکھ رہے تھے، جس نے چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا، لیکن خلت کی موجودگی کی وجہ سے کسی کو اس کے قریب آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

لڑکی نے آہستہ سے کہا "اے ابوالحرب! لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ جب آدمی خطرے کی زد میں ہو تو اسے ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیے ورنہ اس کی محنت اکارت جاتی ہے اور قسمت اس کا ساتھ نہیں دیتی۔ اصل میں تو اللہ نے ریت کے ذرّوں سے ہمارا نوشتۂ تقدیر پہلے ہی سے لکھ رکھا ہے اور ہم اپنی اپنی مقررہ راہ پر اسی طرح چلتے ہیں جس طرح پانی اپنی گزرگاہ میں بہتا ہے۔ اے قزاق! کیا تو اتنا ہی چالاک ہے جتنے اہلِ شہر ہوتے ہیں؟"

ان الفاظ میں تضحیک کا ایک پہلو بھی تھا، اس لیے خلت اس کی یہ بات سُن کر ہنس دیا۔

"ننھی چڑیا" اس نے کہا "میں نے بہت کچھ شر دیکھا ہے، لیکن ایسا شر کبھی نہیں دیکھا جو تلوار سے اس طرح نہ بھاگا ہو جس طرح لاحول سے شیطان بھاگتا ہے۔ مگر میں نے کسی عورت کی ملازمت کبھی نہیں کی۔"

"اب تجھے میری ملازمت بھی زیادہ دن نہیں کرنی پڑے گی۔ جب ہم پہاڑوں کی ترائی میں پہنچیں گے تو میں تجھے فارغ کر دوں گی اور اپنے ہم قوموں کے پاس چلی جاؤں گی، جو پہاڑی لوگ ہیں۔ اس کے بعد تو اور توقتمش دونوں آگے بڑھ جاؤ گے۔ الموت کے لوگ میری شکل پہچانتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں یا تو مر گئی ہوں یا اس وقت کسی کی لونڈی بنی ہوئی ہوں۔ وقت آنے پر وہ مجھے دیکھیں گے، لیکن ابھی نہیں۔ اس وقت تک، تو اور توقتمش دونوں قلعۂ الموت پہنچو جو یہاں سے دو دن کی مسافت پر اس ملک کے اندرونی حصّے میں کہیں واقع ہے۔"

خلت نے اپنے دُبلے پتلے ہاتھ کی اوٹ سے ملک کے اندرونی حصّے پر نظر دوڑائی۔ نمک کے کھیتوں کے میدان کے اُوپر لق و دق پہاڑیوں کا ایک جھرمٹ تھا جن کے بیچوں بیچ بڑے بڑے اونچے اونچے پہاڑ کھڑے تھے۔

"الموت کو راستہ کدھر سے جاتا ہے؟" خلت نے بات شروع کی تھی کہ برکہ نے غصّے سے اس کا بازو جھنجھوڑا۔

"اتنی اونچی آواز سے نہ بول صحرائی احمق! کیا تو یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم

ابھی دریائے والگا کے کنارے پر ہی ہیں؟ ارے! ہم شیخ الجبل کے علاقے میں داخل ہو چکے ہیں۔ میں نے تو تمتش کو جو کچھ بتایا ہے وہ تو بھی سن لے۔ جنوب کی سمت دو دن تک سفر کرنے کے بعد تم لوگ صوبۂ رودبار میں پہنچو گے۔ وہاں سامنے کی طرف دریائے شاہرود پہاڑوں سے اتر رہا ہوگا۔ اس علاقے میں تمھیں ایسے پہاڑی لوگ ملیں گے جو شیخ الجبل کے نام سے بیزار ہیں۔ اس لیے جب تک کسی ایسے مقام پر نہ پہنچ جاؤ جہاں دریائے شاہرود سانپ کی طرح کنڈلی مارتا ہے اس وقت تک شیخ الجبل کا نام زبان پر نہ لانا۔ دریا کے اُس طرف تمھیں ایک پہاڑ ملے گا جو ایسا معلوم ہوگا جیسے ایک کُتا تمھاری طرف منہ کیے گھٹنوں کے بل جھکا ہوا ہے۔ وہاں پہنچ کر تم یہ کہنا کہ تم شیخ حلن ابن شدّاح کی فوج میں بھرتی ہونے کے لیے آئے ہو۔ یہی وہ شخص ہے جسے شیخ الجبل کہتے ہیں۔"

غلت نے اپنا سر اس طرح ہلایا جیسے اس کی بات سمجھ گیا ہے اور اپنی تلوار کو تھپکی دی۔ مگر پھر ملامت آمیز لہجے میں کہنے لگا "نہیں، ننھی برکہ! تم نے مجھے جو باتیں بتائی ہیں وہ جھوٹی ہیں۔ تم نے کہا کہ تم اس شخص کی جان لینی چاہتی ہو جو تمھارے باپ کا قاتل ہے۔ میں نے سمجھا کہ یہ ایک واجب جھگڑا ہے اور پھر مجھے کھاری سمندر کے جنوب کی سرزمین دیکھنے کا شوق بھی ہے، اس لیے میں نے تمھاری مدد کا وعدہ کر لیا۔ مگر کیا تم یہ سمجھتی ہو، ننھّی چڑیا، کہ تم تنہا ایک طاقت ور سردار

سے لڑ سکتی ہو؟ جن سپاہیوں کا ذکر تم تو قتمش سے کرتی رہی ہو وہ کہاں ہیں؟ جہاں تک میرے کسی شیخ کے قلعے کے اندر گھسنے کا تعلق ہے کیا میرا دماغ پھرا ہُوا ہے کہ ایسی حرکت کروں۔"

برکہ پنجوں پر کھڑی ہو کر اُس کے اتنے قریب جُھک گئی کہ اس کے سانس کی گرمی خلت کو اپنے کانوں کے اندر محسوس ہونے لگی۔

اس نے کہا "میرے سپاہی پہاڑی لوگ ہیں، جو اُس وقت تک حملہ نہیں کرتے جب تک دشمن پیٹھ دکھا کر بھاگنا شروع نہیں کر دیتا۔ پھر انھوں نے یہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھا ہے کہ حلن ابن شدّاح کے دشمنوں کی کھال اُتار کر انھیں جلتی آگ پر الٹا لٹکا دیا جاتا ہے۔ الموت کے مالک کا مدِّ مقابل کوئی نہیں۔ لیکن کیا تو بھی جسے لوگ بھیڑیا کہتے ہیں، اس سے ڈرتا ہے؟"

"نہیں، ننھی چڑیا میں اس سے نہیں ڈرتا۔ صرف عورتوں کی زبانی کہانیاں سن کر میں اس سے کیسے ڈر جاؤں گا؟ تو مجھے یہ بتا کہ تیری تجویز کیا ہے۔ میں اس پر غور کروں گا۔ اس شیخ تک رسائی کس طرح ممکن ہے؟"

برکہ کہنے لگی۔ "حلن ابن شدّاح اپنے دشمنوں کی تلواروں سے محفوظ ہے مگر پھر بھی اس تک رسائی ممکن ہے۔ ایک وقت آئے گا جب تو اور تو قتمش دونوں بہت سے شمشیر زنوں کے سردار ہو گے۔ تو ہمارے لڑنے کے طریقے جانتا ہے نہ الموت سے واقف ہے اس لیے میں تجھے کیونکر بتا سکتی ہوں کہ میرے دل میں کیا ہے؟ البتہ میں قسم کھا کر کہتی ہوں

کہ بہت جلد حلن ابن شداح پر حملہ کیا جائے گا۔ تجھے میری بات کا اعتبار ہے یا نہیں؟"

"مجھے تیری بات کا اعتبار کیوں ہو؟" یہ کہتے ہوئے خلت نے اپنی مونچھ کو زور سے جھٹکا دیا۔ وہ اپنے جھگڑوں کو تنہا نبٹانے کا عادی تھا مگر اسے یہ بھی پسند نہ تھا کہ اندھا دھند کسی جگہ جا گھسے۔ تاہم لڑکی کے لہجے میں تحکّم تھا اس لیے خلت کو اس پر اعتماد کرتے ہی بنی۔

"اگر یہ شیخ طاقت ور اور عیار ہے تو ــــ"

"لیکن میں بھی تو ایک ایسی عورت ہوں جس پر ظلم ہوا ہے۔ مجھے ایک ایسے شخص کے پاس بے پردہ بھیجا جو میرا طلب گار نہیں تھا اور میرے باپ کو قتل کر دیا گیا تاکہ جن پہاڑی لوگوں کا وہ سردار تھا وہ حاکمِ الموت کے قبضے میں آجائیں۔" لڑکی کی آواز دھیمی تو تھی، لیکن شدتِ جذبات سے لرز رہی تھی اور اس کی وہ کالی آنکھیں جو نقاب کے اوپر سے قازق کو گھور رہی تھیں بخار کی سی حرارت سے چمک رہی تھیں۔

"حلن ابن شداح کو اپنے کرتوت کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ وہ اللہ کی نگاہ میں ملعون ہے۔ یہ الموت بہت بُری جگہ ہے۔ بہت ہی بُری۔"

"چہک! ننھی چڑیا، چہک!" خلت نے ہنس کر کہا "جب تک تیرا گلا نہیں کٹتا اس وقت تک جی بھر کر چہک لے۔ اس شیخ حلن کے ایک کارندے نے جو اس جہاز میں سفر کر رہا ہے تیرے سر کے قریب دو خنجر گاڑ دیے تھے۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ تو اب پھر کبھی نہ چہکے گی۔

—— تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ یہ آدمی کون تھا؟ وہی شامی جس نے تجھے برائے نام معاوضے پر اپنے گھر میں رات بسر کرنے کی اجازت دی تھی۔"

"بے وقوف قزاق!" برکہ اس بات پر اتنی ہنسی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ "جب تو میرے کمرے میں اس طرح دبے پاؤں آیا تھا جس طرح ایک ریچھ کانٹوں پر چلتا ہے۔ اس وقت تو شاید یہ سمجھ رہا تھا کہ میں سو رہی ہوں۔ وہ خبیث شامی جس کو یہ اُمید تھی کہ میں سوتی ہوں گی کیا تیرا یہ خیال ہے کہ میں نے اسے دیکھا نہیں؟ جا قافلے میں اس شامی کو ڈھونڈ اور پھر آکر مجھے بتا۔"

خلت نے نہایت احتیاط سے ان لوگوں کا جائزہ لیا جو کنوئیں کے گرد جمع تھے۔ گرد سواروں اور تاتاریوں میں، جن کے چہروں اور کپڑوں پر سمرقند سے آنے والے صحرائی راستے کی گرد جمی ہوئی تھی، اسے ایک شخص دکھائی دیا جس نے ایک سلیٹی لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور ایک کالی کلاہ پہن رکھی تھی۔ وہ سیدھا نہیں کھڑا ہُوا تھا۔ جب خلت نے اس پر نظر جمائی تو وہ ایک صندوق پر اور جُھک گیا اور کچھ ریشمی کپڑے اُٹھا کر ان کو دیکھنا شروع کر دیا تاکہ پہچانا نہ جائے۔ یہ شخص وہی شامی تھا۔ خلت کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی جیسے اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے اور تعاقب کرنے والوں کا شور قریب آرہا ہو۔ وہ ہڑبڑا کر ایک قدم آگے بڑھا، لیکن برکہ نے بازو پکڑ کر روک لیا۔

"یہ الموت کا فدائی ہے۔" اس نے سرگوشی کی "میں نے ان لوگوں

کے پاس حلن ابن شداح کے رفیقوں کے خمیدہ خنجر دیکھے ہیں۔ اس نے استراخان میں ہماری باتیں سن لی ہوں گی۔ اسی لیے الموت کے قانون کے مطابق ہمیں قتل کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے قافلے میں اور فدائی بھی ہیں۔"

"تو پھر اس سے پہلے کہ وہ ان فدائیوں سے بات کر سکے اس کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔" خلت بڑبڑایا لیکن برکہ نے اسے پیچھے کھینچ لیا۔

"میں نے کہا نہیں تھا کہ تو نرا احمق ہے؟" برکہ نے سرگوشی کی۔ "ذرا صبر کر! شامی کو اپنے کیے کا پھل مل کر رہے گا۔ تو ہے تو سچ مچ بے وقوف لیکن مجھے تجھ ہی جیسے منچلے اور سر پھرے آدمی کی ضرورت ہے جو میری چالوں کو نہ سمجھتا ہو۔ لکھنے والے لکھ گئے ہیں کہ اپنی قبر کسی نے نہیں دیکھی۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ شامی کی قبر یہیں کھدی ہوئی ہے۔ دیکھتا جا اور حرکت بالکل نہ کر۔"

خلت کھڑا دیکھتا رہا۔ شامی صندوقچے پر جھک گیا تھا۔ دو تین کرد اس کے پاس کھڑے دیکھ رہے تھے کہ صندوقچے میں کیا ہے۔ خلت نے دیکھا کہ اس گروہ میں توقتمش بھی ہے جو وہاں پہنچ کر خاموشی سے ان میں شامل ہو گیا ہے۔ وہ لوگوں کے بڑبڑانے کی پروا کیے بغیر آگے بڑھا اور تاجر کے عین سامنے جا کھڑا ہوا۔ شامی نے گردن اٹھا کر توقتمش کو دیکھا لیکن اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔

کردوں نے آنکھیں پھاڑ کر توقتمش کی طرف دیکھا اور پیچھے ہٹ

گئے، جیسے سمجھ گئے ہیں کہ کچھ ہونے کو ہے۔ شامی، جو ابھی تک توقمش کو گھور رہا تھا بلی کی طرح تیزی سے اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کا ہاتھ اس کے ریشمی لبادے میں چھپا ہوا تھا۔ توقمش نے غرا کر کچھ کہا اور ان ریشمی کپڑوں پر تھوک دیا جو شامی دیکھ رہا تھا۔

"دیکھ!" برکہ نے دھیمی آواز میں کہا "شامی کی قبر کھد چکی ہے اور وہ اسے نظر بھی آ رہی ہے۔"

توقمش نے اپنا پیلا اور تلوار کے زخموں سے داغ داغ چہرہ شامی کے چہرے میں گھسا دیا۔ اس کے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ ہر شخص بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ شامی مزید ضبط نہ کر سکا۔ اس نے ایک چیخ ماری اور اپنے ریشمی لبادے میں سے پستول نکال لیا۔

دفعتہً دو مضبوط بازو اس کے گرد حمائل ہو گئے۔ توقمش نے اُس پر اتنی تیزی سے حملہ کیا کہ اسے کچھ کرتے نہ بنی۔ تاتاری کے بھاری بھرکم جسم سے ٹکرا کر شامی زمین پر چاروں شانے چت گرا۔ اس نے بہت بل کھائے لیکن تاتاری نے اسے اپنے قابو سے نہ نکلنے دیا پھر اس نے اپنے کمر بند میں سے ایک خنجر نکالا۔ خلت نے دیکھا کہ یہ خنجر شعلے کی طرح خمیدہ ہے۔ توقمش نے شامی کو ایک ہاتھ سے دبائے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے خنجر اٹھا کر نہایت احتیاط سے پہلے اس کے پیٹ میں اور پھر سینے میں اتار دیا۔

پھر وہ اٹھا اور شامی کے ریشمی کپڑوں سے خنجر پونچھا۔ بدقسمت

شامی کے بازو اور ٹانگیں تھوڑی دیر تک زمین پر تڑپتی رہیں۔ پھر خلت نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ ابھی شامی کے بدن میں جان باقی تھی کہ کارواں کے بہت سے لوگ، جو لباس سے قرغیز سپاہی معلوم ہوتے تھے تو قتمش کے خنجر جیسے خنجر ہاتھوں میں لیے ہجوم کو چیرتے ہوئے، آگے بڑھے اور سب نے اپنے اپنے خنجر شامی کے بدن میں پیوست کر دیے۔ جب تک اس کا تڑپنا بالکل بند نہ ہو گیا خنجروں کے وار جاری رہے۔

قرغیزوں نے یہ کام ختم کر لیا تو مڑ کر تو قتمش کو ڈھونڈا لیکن گٹھیلے بدن کا تاتاری ہجوم میں غائب ہو چکا تھا۔ خلت سوچنے لگا اگر خنجر تو قتمش کے بجائے شامی کے ہاتھ میں ہوتا تو نتیجہ برعکس نکلتا۔ صاف ظاہر ہے کہ قرغیز سپاہی شامی کے ساتھی ہیں، اگرچہ انھیں اس کا علم نہیں۔ مختلف قوموں کے لوگوں کا یہ زبردست گٹھ جوڑ ایک عجیب ماجرا ہے۔ اس وقت اسے یہ خبر نہ تھی کہ بہت جلد اسے بہت سی اور باتوں پر بھی تعجب ہوگا، اور اس سے کہیں زیادہ تعجب، جتنا اب ہو رہا ہے۔

۵

برکہ غائب ہو چکی تھی۔ خلت اپنے گھوڑے کی باگ تھامے اسے ڈھونڈتا ہوا ہجوم میں سے گزر رہا تھا کہ تو قتمش سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور بار بردار خچر اس کے ساتھ ساتھ چل

رہا تھا۔

"سوار ہو جا!" اس نے کہا" اور میرے پیچھے پیچھے آ۔"

"وہ لڑکی کہاں ہے؟" خلت نے پوچھا۔ اسے تو قمتش کی ماتحتی پسند نہ آئی تھی۔

"تو جانتا ہی ہے کافر! کہ اُس نے ہم سے آگے جانے کو کہا ہے۔" تاتاری نے تیکھے پن سے کہا "یہ کہ ہمیں کیا کرنا ہے وہ بعد میں بتائے گی۔ چل! آگے چلیں!"

خلت نے کہا "ہم دونوں بے وقوف ہیں۔ تُو اس لیے کہ ایک بنی سنوری چھوکری کا غلام بن گیا اور میں اس لیے کہ ایک ایسی سلطنت کی تلاش میں چل کھڑا ہُوا ہُوں جس کا مجھے پتا تک نہیں ہے اور میں نے ایک ایسے شخص کے قتل کا بیڑا اُٹھا لیا ہے جس تک رسائی ناممکن ہے۔"

یکایک کاروان میں شور ہُوا جس سے خلت کی آواز دب گئی۔ لوگ ہڑبڑا کر اُٹھے اور سستاتے ہُوئے اونٹوں کی نکیلیں کھینچنے لگے۔ تاجر جو کھانا کھانے بیٹھ چکے تھے چیخنے چلّانے لگے اور غلام جو سر پر سامان اُٹھائے کھڑے تھے، گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

جدھر سے شور کی آواز آ رہی تھی تو قمتش ادھر ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ اتنے میں خلت نے اس کا شانہ ہلا کر کہا "وہ دیکھ!"

گرد و غبار کا ایک بادل جنوب کی جانب سے اُٹھ کر نمک کے صحرا پر پھیلتا جا رہا تھا اور چٹانوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتا معلوم

ہوتا تھا۔ یہ بادل بڑی تیزی سے ان کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ قازتق سمجھ گیا کہ یہ گھوڑوں کے سموں کا غبار ہے۔ پھر اس میں سے پگڑیاں اور نیزوں کی انیاں دکھائی دینے لگیں۔ گھڑ سوار سیدھ باندھ کر کاروان کی طرف آرہے تھے۔

"ڈاکو، توقتمش نے کہا "اب لڑائی ہوگی"۔

"معمولی سی ہوگی۔" خلت غرایا "کُرد سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے ہیں اور تمھارے ہم وطن بھی پریشان نظر آرہے ہیں۔ بچاروں کو کبھی تلوار یا کمان پکڑنے کا اتفاق نہیں ہوا نا!"

اور واقعی یہی ہو رہا تھا۔ تاتاری محافظ تو اپنے اپنے گھوڑوں پر جمے بیٹھے رہے لیکن تاجر لوگ حواس باختہ ہوکر دیوانہ وار ادھر ادھر بھاگنے دوڑنے لگے جس سے افراتفری اور بڑھی۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ اپنا مال متاع سمیٹ لیں۔ خلت نے حقارت سے ان لوگوں کی طرف سے نظر ہٹا کر آنے والے شہسواروں کی طرف دیکھا۔ اس نے انھیں گنا تو کل چالیس تھے۔ تعداد میں کارواں ڈاکوؤں سے تگنا تھا مگر اس کے باوجود کسی نے اپنی حفاظت کے لیے لڑنے کی کوشش نہ کی۔

تاجروں نے ہڑبڑا کر اپنی اپنی گانٹھیں کھولیں اور سب کپڑے نکال کر زمین پر پھیلا دیے۔ کوئی اونٹ اور کوئی خچر ایسا نہ تھا جس کی گانٹھیں اتار کر زمین پر نہ رکھ دی گئی ہوں اور انھیں کھول کر کپڑا زمین پر پھیلا نہ دیا گیا ہو۔ اس اثنا میں شہسوار آپہنچے اور لوگوں کو روندنے

ہُوئے ابتری پھیلانے لگے۔

ایک یونانی سوداگر نے غالیچوں کا ایک گٹھڑ اٹھا کر ایک سوار کے سامنے رکھ دیا۔ سوار نے اس کو گھُور کر دیکھا اور سوداگر کی پشت پر جو بھاری گٹھڑیاں تھیں اُن کی طرف اشارہ کیا۔ دوسرے سواروں نے گٹھڑیاں اُٹھا اٹھا کر کھولیں اور جھٹکے سے غالیچے نکال نکال کر زمین پر ان کی نو ڈھیریاں لگالیں۔

خلت نے دیکھا کہ یہ سوار مختلف نسلوں کے لوگ ہیں۔ اس نے ایرانی، کُرد، سرکیشین اور ترک تو پہچان لیے لیکن ایک نسل کے لوگوں کو نہ پہچان سکا۔ یہ سانولے رنگ کے تھے اور بھاری بھاری لبادے پہنے گھوڑوں پر یوں بیٹھے تھے جیسے ابابیل ہوا کی سواری کرتی ہے۔ کارواں کے قرغیز بھی آکر ان لوگوں میں شامل ہو گئے۔

ایک سوار نے ایک یونانی سے، جو دبکا بیٹھا تھا جلدی جلدی کچھ کہا۔ خلت کے کانوں میں لفظ "الموت" پڑا۔ اس کے بعد سوار نے نو ڈھیریوں میں سے تین ڈھیریاں اُٹھالیں اور انھیں خچروں پر لاد لیا۔ اور سوار بھی جو یہی کر رہے تھے اپنے اپنے کام سے فارغ ہو کر اس سے آملے۔ کارواں کے تاتاری محافظ تمام وقت اس طرح کھڑے رہے جیسے یہ سب کچھ پہلے بھی دیکھتے رہے ہیں اور ایسی باتوں کے عادی ہیں۔

گنتی کے چند آدمیوں نے کس طرح ایک پورے کارواں کو لوٹ لیا یہ دیکھ کر خلت کو جو تعجب ہُوا تھا وہ اس وقت تک دُور نہ ہوا جب

تک شہسوار نمک کا کھیت پار کر کے غائب نہ ہو گئے۔

"ان لوگوں سے تو پہاڑی ہی اچھے ہوتے ہیں" اس نے سوداگروں کی طرف دیکھ کر حقارت سے کہا اور اس طرح تھوکا جیسے ان کے منہ پر تھوکتا ہے۔ ادھر سوداگر روتے پیٹتے اپنا بچا کھچا سامان سمیٹ رہے تھے۔

یہ تھے وہ واقعات جن کی وجہ سے ایک قازق شہسوار رود بار کی پہاڑیوں میں پہنچا، جہاں ابوالغازی کے الفاظ میں کبھی کسی ایسے شخص نے قدم نہ رکھا تھا جو اللہ یا حضرت عیسٰی کو مانتا ہو۔ اس قازق شہسوار کے ہم رکاب ایک تاتاری بھی تھا جو اگر یہ حالات نہ ہوتے جو انھیں درپیش تھے تو اسے قتل کر کے زیادہ خوش ہوتا۔

ان کے بار بردار خچر جتنی رفتار سے چل سکتے تھے اتنی رفتار سے وہ دونوں چپ چاپ سفر کرتے رہے اور رات ہوتے نمک کے ان ذخیروں کے کنارے پہنچ گئے جنھوں نے ایران کے اس حصّے کو ایک جمی ہوئی جھیل بنا رکھا تھا۔

دونوں نے اپنے اپنے طریقے سے پڑاؤ ڈالا۔ ایک الاؤ کی جگہ دو الاؤ جلائے گئے۔ خلت نے جَو کی کچھ روٹیاں اور شراب نکالی اور جی بھر کر کھایا پیا۔ تو قتمش نے اپنی زین کے نیچے سے تھوڑا سا کچا گوشت نکالا اور عرق کے گھونٹ پی پی کر اسے نگل گیا۔ دونوں نے اپنے اپنے پائپ سلگائے اور اندھیرے میں چپ چاپ بیٹھ گئے۔

پہلے تو قمتش کا پائپ بجھا۔ خلت سمجھ گیا کہ تاتاری اُس وقت تک دھوئیں کے کش لگاتا رہا جب تک عرق کا نشہ اس پر غالب نہ آگیا۔ اور اب وہ سو گیا ہے۔ اس کے بعد وہ بھی سو گیا۔

اس کی نیند گہری تھی اور اس میں کوئی چیز مخل نہ ہوئی۔ البتہ پو پھٹنے کے قریب اسے یوں معلوم ہُوا جیسے بہت سے گھوڑے کے سُموں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ یہ آواز لگاتار اس کے کانوں میں آتی رہی یہاں تک کہ جب سورج کی کرنیں اس کی آنکھوں پر پڑیں تو وہ جاگ گیا۔ کچھ فاصلے پر اسے سواروں کے ایک دستے کے گھوڑوں کے سُموں کے نشان دکھائی دیے۔ اس نے سوچا غالباً کوئی کارواں گزرا ہے۔ لیکن یہ کاروانوں کا راستہ تو نہیں تھا۔ پھر اُسے یہ بھی یقین تھا کہ کل شام وہاں اس قسم کے نشان نہیں تھے۔ جب خلت نے تو قمتش کو جگایا تو وہ جمائیاں لیتا ہُوا اُٹھا اور بولا "کافر! تو مرد نہیں ہے بلکہ ایک ڈرپوک بُڑھیا ہے"۔

تھوڑی دیر بعد انھوں نے پھر سفر شروع کر دیا۔ جس راستے پر چل رہے تھے وہ رود بار کی پہاڑیوں کے دامن میں سے گزر کر اوپر کی طرف جاتا تھا۔ راستے کے دونوں طرف کھجور کے کچھ درخت اور کچھ خاردار جھاڑیاں تو تھیں مگر برگ و بار والے درخت کہیں نہ تھے۔ جدھر دیکھو چٹانیں ہی چٹانیں تھیں البتہ گھاس جہاں کہیں تھی اچھی تھی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ انھیں راستے میں گھوڑوں کی ٹولیاں ملیں جن میں سے ایک ایک ٹولی کی خبر گیری ایک ایک سوار کر رہا تھا۔

یہ سوار خلت اور اس کے ساتھی کو اس طرح دیکھتے جیسے سوچ رہے ہیں کہ خبر نہیں یہ دونوں کون ہیں۔

خلت اور توقتمش جدا جدا چلے جا رہے تھے اور آپس میں بات چیت بھی نہیں کر رہے تھے۔ خلت برکہ کے ان الفاظ پر غور کر رہا تھا جو اس نے چلتے وقت کہے تھے۔ اس نے تحکمانہ انداز سے بات کی تھی۔ وہ یقیناً کسی معمولی شیخ کی بیٹی نہیں تھی جو انسانوں کی نگاہوں سے دُور تنہائی میں زندگی بسر کرنے کی عادی ہو۔ اس کے علاوہ وہ منچلی بھی تھی۔ خلت سوچنے لگا کہ شاید یہ کسی پہاڑی قبیلے کی لڑکی ہے جس میں مرد عورت ساتھ ساتھ سواری کرتے ہیں۔

برکہ نے کہا تھا کہ وہ حلن ابن شدّاح کی سرزمین میں پہنچ چکے ہیں یعنی "رفیقوں" کے علاقے میں۔ لیکن خلت کو اب تک کوئی شہر یا قصبہ دکھائی نہ دیا تھا۔ البتہ پہاڑی راستوں پر، جہاں کارواں کبھی نہ آتے تھے، سینکڑوں گھوڑوں کے سُموں کے نشان ضرور نظر پڑے تھے۔ اور عجیب بات یہ تھی کہ یہ گھوڑے بھی سواروں کے بغیر ادھر ادھر پھر رہے تھے۔

جہاں تک توقتمش کا تعلق ہے، یہ ظاہر تھا کہ وہ اپنے دماغ کو ماحول پر غور کرنے کی تکلیف نہیں دے رہا ہے۔ وہ چل تو رہا تھا احتیاط سے لیکن اس کی توجہ باہر کی چیزوں پر نہ تھی۔ وہ آگے بڑھنے کی دھن میں تھا اور تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ یوں چلتے چلتے وہ

دونوں ایک چوڑے اور اُتھلے دریا کے کنارے پہنچے۔ اس کے کنارے کنارے چل کر وہ ایک وادی میں داخل ہوئے اور پھر جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے وادی زیادہ نشیبی ہوتی گئی۔

وہ سورج غروب ہونے تک چلتے رہے۔ کہیں کہیں انھیں آبشاروں سے ہٹ کر چلنا پڑا۔ دریا جہاں کہیں موڑ کھاتا وہاں اس کا پانی پایاب ہو جاتا اور ان کے گھوڑے تیرے بغیر اس میں سے گزر جاتے۔ آخر ایک موڑ سے گزرنے کے بعد خلت کا گھوڑا چلتے چلتے رک گیا۔

"شیطان کی ہڈیوں کی قسم!" وہ بولا "یہی تو ہے وہ جگہ جو برکہ نے بتائی ہے۔ دیکھ تو! کیا یہ ایک ایسے کتے کی طرح نہیں ہے جس کے اگلے پنجے دریا میں ہیں؟"

دریا ایک کمان کی طرح خم کھائے ہوئے تھا۔ یہ دونوں اس کمان کے ایک سرے پر کھڑے تھے اور خم کا اندرونی حصّہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ دریا کے اس پار ایک اونچی چٹان تھی جس پر جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں اور جو کئی سو فٹ چوڑی تھی۔ اس کی چوٹی پر درخت نہ تھے بلکہ پتھروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جس پر گھاس اُگ آئی تھی اور اس ملبے میں کہیں کہیں ستون بھی کھڑے تھے۔

چٹان کی چوٹی کے اردگرد ایک دیوار سی دکھائی دے رہی تھی جس کے پتھر بے ترتیب سے انبار معلوم ہوتے تھے تاہم خلت نے اندازہ کر لیا کہ کسی زمانے میں چٹان کی چوٹی پر ایک قلعہ تھا جو ایک اچھے خاصے

قصبے کے برابر تھا۔ یہ چٹان ایک ایسے کتے سے مشابہ تھی جو بیٹھا ہوا ہو۔ اس کا آگے کو نکلا ہوا حصہ کتے کا سر معلوم ہوتا تھا اور دونوں طرف کی ابھری ہوئی لکیریں کتے کے پنجوں سے ملتی تھیں۔

"یہاں تو کوئی الموت و لموت ہے نہیں، تو تمش!" خلت نے غصے سے غرا کر کہا "ہم سچ مچ بدھو ہی ہیں۔ اس ننھی چڑیا برکہ نے ہم دونوں کو خوب پھانسا ہے۔"

"ٹھہر جا کافر!" تو تمش نے گھوڑے سے اترتے ہوئے جواب دیا "اس نے یہ کہا تھا کہ ہمیں کتا دریا میں بیٹھا ہوا ملے گا۔ یہ وہی کتا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ بہتر یہی ہے کہ ہم یہاں رک جائیں اور دیکھیں کہ آگے کیا ہوتا ہے۔"

"اچھا، چلو رک جاتے ہیں۔" خلت نے ہنس کر جواب دیا "اور دیکھتے ہیں کہ یہ کتا کوئی قبیلہ جنتا ہے یا نہیں!"

۶

خلت کے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کے منہ سے اتفاقاً نکلے ہوئے یہ الفاظ سچ ثابت ہوں گے۔ ابھی سورج پہاڑ کی سب سے پرے کی چوٹی کے پیچھے چھپا ہی تھا اور اس بلند سطح پر رات کو جو سردی پڑتی تھی اس نے ان دونوں کو اپنی لپیٹ میں لیا ہی تھا کہ انھوں نے ایک ایسا نظارہ دیکھا جس سے ان کی رگوں میں خون تیزی سے

دوڑنے لگا۔

خلت تونتمش سے کچھ دور زمین پر لیٹا تھا۔ تونتمش خراٹے لے رہا تھا۔ خلت اس چٹان کی چوٹی کے کھنڈروں سے سورج کی روشنی غائب ہوتی دیکھ رہا تھا۔ اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے دریا کے اس پار سے آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ اس نے کان لگا کر سنا تو یہ گانوں اور نعروں کی آوازیں معلوم ہوئیں۔ پچھلی رات اس نے جو بے سوار گھوڑے دیکھے تھے ان کا خیال کر کے وہ سوچنے لگا کہ کہیں اس کے کان دھوکا تو نہیں کھا رہے۔

آوازیں اس طرح آ رہی تھیں جیسے کوئی دروازہ کبھی کھلتا ہے کبھی بند ہوتا ہے اور آوازیں اس میں سے آ رہی ہیں۔ خلت پہاڑی زندگی کا عادی نہ تھا اس لیے بازگشت کی آوازوں میں جو خاص قسم کی گمک ہوتی ہے اس سے واقف نہیں تھا۔ اس نے ایسا محسوس کیا جیسے جو کچھ سنائی دے رہا ہے یہ گانوں اور نعروں کی آوازیں ہیں جو سامنے کی چٹان کے دھرا اندریوں گونج رہی ہیں جیسے دیو یکے بعد دیگرے انھیں دہرا رہے ہیں۔

خلت نے اپنا پائپ سلگایا اور خود کو دھتکارا کہ احمقوں کی طرح خواب دیکھ رہا ہے پھر ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا اور دریا پر چھائی ہوئی تاریکی کو غور سے دیکھنے لگا، نعرے اس طرح جیسے اس کا منہ چڑا رہے ہیں اور بھی صاف سنائی دینے لگے۔ خلت کی ریڑھ کی ہڈی میں جھرجھری

دوڑ گئی اور اس کا جبڑا لٹک گیا۔ اس نے جھنجھلا کر اپنا سر زور سے ہلایا، اس بات کی تصدیق کرنے کے لیے کہ وہ جاگ رہا ہے یا سو رہا ہے!

دریا کے اس پار چٹان پر روشنیوں کا ایک ہجوم نظر آ رہا تھا۔ یہ روشنیاں تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔ شور بھی بڑھتا گیا۔ دریا کے کنارے پر مشعلیں حرکت کر رہی تھیں۔ ان کی روشنی میں اسے برچھوں اور کمانوں سے لیس انسانوں کا ایک انبوہ دکھائی دیا۔ یہ انبوہ پانی کے چھینٹے اڑاتا ہوا پایاب دریا کو عبور کر رہا تھا۔

خلت کو دکھائی دیا کہ مختلف نسلوں کے لوگ ہیں جو پگڑیاں باندھے اور لبادے اوڑھے ہوئے ہیں اور اسی طرح تیر و کمان سے مسلح ہیں جس طرح وہ لوگ تھے جنھوں نے کارواں کو لوٹا تھا۔ جب انبوہ اس کے قریب آ پہنچا تو اس نے توقتمش کو جھنجوڑا اور خود اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تلوار نکال کر تیار ہو جا" اس نے بڑبڑا کر کہا "یہ لوگ کھیلنے کودنے کی غرض سے نہیں نکلے ہیں!"

انبوہ کے کئی سرداروں نے خلت اور توقتمش کو دیکھ لیا اور ان کو گھیرے میں لے لیا۔ مشعلوں کی روشنی ان کے چہروں پر ڈالی گئی اور چند لمحے کے لیے نعرے رک گئے کیونکہ انبوہ کے سب لوگ خلت اور اس کے ساتھی کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان میں سے ایک شخص

نے، جو دُبلا پتلا سا سانولی رنگت کا اور زردوزی کے کام کا سفید چوغہ پہنے اور اسی رنگ کی کلغی دار پگڑی باندھے تھا کسی ایسی زبان میں جس سے خلت واقف نہ تھا، کچھ کہا۔

"بھائیو!" خلت نے بڑے تپاک سے ہنس کر کہا، کیونکہ خطرے کے قرب سے اس کا دل خوشی کے مارے اُچھلنے لگتا تھا "کیا تم میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو قازقوں کی بولی بولتا ہو؟ خلت جسے بھیڑیا کہتے ہیں، تم لوگوں سے بات کرنی چاہتا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد ایک گندے سُندے قبائلی کو پیچھے سے دھکیل کر زردوز چوغے والے کے قریب کھڑا کر دیا گیا۔

"تو یہاں کیوں آیا ہے؟" قبائلی نے جو کُرد معلوم ہوتا تھا، ٹوٹی پھوٹی رودسی زبان میں پوچھا "جلدی بول! کیونکہ داعی کوچ کے لیے بے تاب ہیں۔"

خلت نے جواب میں کہا: "میں رودبار میں یا الموت میں، جو بھی اس جگہ کا نام ہے، اس شخص کے پاس آیا ہوں جسے شیخ الجبل کہتے ہیں۔ تیرا نام کیا ہے؟"

کُرد کے چہرے پر عجیب سے خوف کے آثار نمودار ہوئے۔

"کیا تو آقائے الموت شیخ حلن ابن شدّاح کے پاس آیا ہے؟ میرا نام ابا کباش ہے۔ آقائے الموت سے تجھے کیا کام ہے؟"

"اس کافر سے کہہ کہ ہم رفیقوں میں شامل ہونے آئے ہیں جو کسی

قانون کے پابند نہیں۔" تو قتمش نے کہا۔ لیکن خلت نے اسے اشارے سے چپ کر دیا۔

"ابا کباش، ہمیں شیخ حلن ابن شدّاح کے پاس لے چل! یہ ہم اسی کو بتائیں گے کہ ہمیں اس سے کیا کام ہے۔" خلت نے کُرد سے کہا "ہم وہ لوگ نہیں کہ آقا کے بجائے اس کے غلاموں سے بات کریں۔"

طلائی اور نقرئی کام کی پوشاک والا سردار مضطرب ہو رہا تھا اس نے ابا کباش سے غصے سے کچھ کہا۔ ابا کباش دبک گیا۔ چند تیر اندازوں نے انھیں حلقے میں لے لیا اور ہجوم آگے بڑھا۔ ایک مشعل کُرد کے حوالے کر دی گئی جس نے اشارے سے خلت کو اپنے پیچھے پیچھے آنے کو کہا۔ خلت اور تو قتمش اپنے گھوڑے ایک نوکر کی نگرانی میں چھوڑ کر ابا کباش کے پیچھے پیچھے دریا کی طرف چلے۔ پانی زیادہ تیز نہیں بہہ رہا تھا، اور بہ مشکل ان کے گھٹنوں تک پہنچتا تھا۔

"قزاق! داعی کی خواہش یہ ہے کہ تجھے الموت میں داخل ہونے دیا جائے۔ تجھے کام کیا ہے۔ اگر تو مجھے بتا دے گا تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیرا دوست بن جاؤں گا۔ تیرے یہاں آنے کا کوئی نہ کوئی اہم سبب ہو گا۔" کُرد کا تیل چپڑا ہوا سر قازق کے سر سے جُڑ گیا "کوئی اشارہ ہی دے دے۔"

"چھدری ڈاڑھی والے ابا کباش! اگر داعی نے تجھے ہمیں راستہ

دکھانے پر مقرر کیا ہے تو بس راستہ دکھا، باتیں نہ کر۔"

کُردنے دوستی کی جو پیش کش کی تھی خلت کو اس پر اعتبار نہ تھا اس لیے وہ چوکس رہا اور یہ دیکھتا رہا کہ وہ اسے کہاں لیے جا رہا ہے۔ انھوں نے شاہرود کو پار کیا اور اس کے پرلے کنارے کے دھندلکے میں داخل ہوئے۔ اب خلت کی سمجھ میں آیا کہ داعی کے پیرو پہاڑ سے یکایک کیونکر نمودار ہو گئے تھے۔

سایوں میں چھپے ہوئے کچھ غار تھے جو دریا کے پانی نے چٹان کو گھس گھس کر بنائے تھے۔ یہ غار پہاڑ کے اندر دُور تک چلے گئے تھے۔ جب وہ چھینٹے اُڑاتے پایاب دریا کو عبور کر رہے تھے، جس کے پانی کی گہرائی ہر لمحہ کم ہوتی جا رہی تھی تو مشعل کا عکس پانی کی تاریک سطح پر چمک رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک خشک چٹان پر پہنچے۔ یہاں ایک غار تھا جس کی خلت کو چھت نہ دکھائی دی۔

ابا کباش نے بے صبری سے اس کا بازو کھینچا۔ وہ آگے بڑھے اور پھر اوپر چڑھنے لگے۔ خلت نے دیکھا کہ اب وہ ایک ایسی چٹان پر ہیں جو انسانی ہاتھوں کی بنی ہوئی ہے۔ وہ ایک کشادہ زینے پر چڑھ رہے تھے۔ ہر سیڑھی ایک قدم اونچی تھی اور زینہ اتنا چوڑا تھا کہ اس کے دونوں طرف جو ستون تھے وہ مشعل کی روشنی میں بہ مشکل دکھائی دے رہے تھے۔

خلت نے ابھی پچاس سیڑھیاں گنی تھیں کہ ابا کباش دانت نکوستے

ہوئے رُک گیا۔ اس نے مشعل کو سر سے بلند کر کے ایک مربّع پتھر کی طرف اشارہ کیا جو سیڑھیوں کی چٹانی چھت میں جڑا ہُوا تھا۔ اس پتھر پر کچھ سطریں کندہ تھیں جن کی زبان سے خلت واقف نہیں تھا کُنگی اور اس جگہ سیل ہونے کی وجہ سے وہ کالی پڑ گئی تھیں۔

"یہ ہے الموت کا دروازہ، اے قزاق" گُرد نے ہنس کر کہا "اور اس پر یہ الفاظ کندہ ہیں کہ "خدا کی مدد سے دنیا کے حاکم نے قانون کے بندھن ڈھیلے کر دیے ہیں۔ سلام ہو اس پر۔"

خلت خاموش رہا۔ اسے یہ توقع نہ تھی کہ پہاڑ کے قلب میں اس قسم کا کوئی غار ہو گا۔ دریا کی تاریک اور مرطوب فضا اسے افسردہ کیے دے رہی تھی۔ اس نے آگے نظر ڈالی تو اسے ایک چوڑی اور اونچی گزرگاہ دکھائی دی۔ یہ گزرگاہ دریا نے غالباً کسی گذشتہ قرن میں بنائی تھی جب اس کی سطح یہاں تک اونچی تھی۔ لیکن اسے چوڑا کرنے اور اس کی دیواروں کو گھس کر ہموار کرنے کا کام انسانی ہاتھوں نے کیا تھا۔ خلت نے دیکھا کہ توقمتش گرد و نواح کا جائزہ لے رہا ہے، حیرت کے مارے اس کی ترچھی آنکھیں اس کے جھرّیوں دار پیلے چہرے میں سے باہر نکلی پڑتی ہیں۔

"چلو! آگے چلیں! ابا کباش نے کہا۔ وہ ان دونوں کے سناٹے میں آجانے سے لطف اُٹھا رہا تھا۔ شیخ الجبل اوّل کے زمانے میں الموت کا یہ دروازہ نہ تھا۔ الموت اب بہت کچھ بدل گیا ہے۔ اب

یہ گویا پہاڑ کے اندر گھس گیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پرانا الموت تباہ ہو گیا تھا۔"

"ہاں" توقتمش بول اٹھا" اسے ہلاکو خاں نے تباہ کیا تھا۔"

کُرداس کی طرف تعجب سے گھورتا رہ گیا۔

"چلو!" اس نے آہستہ سے کہا اور ان کے آگے آگے پتھریلی گزرگاہ کا رخ کیا۔

خلت اکباش کے عین پیچھے تھا۔ وہ جس گزرگاہ میں چل رہے تھے اس میں سے اور گزرگاہیں بھی نکلتی تھیں۔ ان میں وقتاً فوقتاً گڑگڑاہٹ اور گانوں کی آوازیں گونجتی تھیں۔ کبھی کبھی کوئی آدمی جو برچھی سے مسلح ہوتا، آگے بڑھ کر ان کا جائزہ لیتا۔ تیز ہوا چل رہی تھی، جو باہر ہوا گرم ہونے کے باوجود ٹھنڈی تھی۔

کچھ دیر بعد خلت نے دیکھا کہ اب وہ گزرگاہ کے اندر نہیں ہیں مشعل کی روشنی دیواروں پر نہیں پڑ رہی تھی اور پتھروں کی سلوں کی سیڑھیاں با ترتیب ہو گئیں تھیں وہ اب کسی ایوان میں تھے۔ یکایک اور بہت سی مشعلیں نمودار ہو گئیں اور انسانی آوازیں بھی آئیں جو بالکل صاف سنائی دے رہی تھیں۔

وہ ایک الاؤ کے قریب پہنچے جس کے گرد بہت سے مسلح سپاہی لیٹے ہوئے تھے۔ خلت نے ان کے لباس سے اندازہ کیا کہ یہ لوگ فرغیز ہیں اور شراب کے نشے میں چور ہیں۔ صرف دو ایک نے نظر

اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور وہ بھی بے توجہی سے۔ وہ ابا کباش کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے بہت سے الاؤوں کے قریب سے گزر کر پتھر کے ایک تنگ زینے پر پہنچے جسے چڑھ کر چٹانی کمروں سے پرے چلے گئے۔ یہاں ایک دیو قامت ترک نے ابا کباش سے کچھ بات کی اور پھر انھیں گزرنے کی اجازت دے دی۔

"ہم رشید الدین سے بات کریں گے۔" کُرد نے سرگوشی کی "وہ حلن ابن شدّاح کا منجّم ہے۔ ہاں اب بتاؤ کس مقصد سے آئے ہو میں تمھاری مدد کر سکتا ہوں۔"

توقتمش کی کمر سے سکّوں کی جو تھیلی بندھی ہوئی تھی اس پر کُرد کی نظر لالچ سے بار بار پڑ رہی تھی۔ توقتمش کا ہاتھ تھیلی پر تھا اور وہ کچھ کہنے ہی کو تھا کہ خلت نے سر کے اشارے سے منع کر دیا اور ان کا رہبر کھسیانی ہنسی ہنس کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ خلت اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے دیکھا کہ سیڑھیاں مڑ کر اور اوپر تک چلی گئی ہیں۔ اس سے اندازہ کیا کہ اس وقت وہ دریا کی تلہٹی سے کئی سو فٹ اوپر چڑھ چکے ہیں۔

پھر وہ زینے سے ہٹ کر ایک ایسے گول کمرے میں پہنچے، جس میں بڑے خوب صورت آرائشی پردے اور قالین لٹکے ہوئے تھے بہت سے روغنی لیمپ اس کمرے کو منوّر کر رہے تھے۔ اوپر کی طرف سے ہوا کا ایک گرم جھونکا آیا تو خلت کی نگاہ اوپر اُٹھ گئی۔ اس

نے دیکھا کہ چھت کے وسط میں ایک مدوّر شگاف ہے جس میں سے آسمان کا ستاروں جڑا مخملی گنبد دکھائی دے رہا ہے۔

سانولے رنگ کے جن لوگوں کی نسل کا اندازہ خلعت نہ کر سکا تھا ان میں سے دو، جو طلائی اور زرّیں لباس والے داعی کے ہم شکل تھے۔ دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ وہ زرہیں پہنے اور برچھیوں کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ آبنوس کی ایک چھوٹی سی میز پر بہت سے چرمی کاغذ اور ایسے اوزار رکھے تھے جو قازق کی نظر سے پہلے کبھی نہ گزرے تھے۔ فرش کے وسط میں شطرنج کی بساط بچھی ہوئی تھی اور دو آدمی بیٹھے شطرنج کھیلنے میں مصروف تھے۔

ان میں سے ایک نے کلغی دار پگڑی اور چمکیلی سفید عبا پہن رکھی تھی۔ خلعت پہچان گیا کہ اباکباش نے جس شخص کو داعی کہا تھا یہ بھی ویسا ہی شخص ہے۔ دوسرے نے ٹوپی پہن رکھی تھی اس کی عبا خاکستری رنگ کی تھی جس کا پٹکا ندارد تھا۔ اس نے خلعت پر ایک نظر ڈالی خلعت نے دیکھا کہ اس کا چہرہ دبلا پتلا اور اس کی عبا کی طرح خاکستری رنگ کا ہے۔ اس کی آنکھیں سیاہ اور پاس پاس تھیں۔ اس کے ہونٹ لٹکے ہوئے اور پیلے پیلے سے تھے۔

"اے رشید الدین!" اباکباش نے کہا "یہ ہیں وہ دو آدمی جو ابھی ابھی آئے ہیں اور جن کے آنے کی خبر میں نے بھیجی تھی۔ قازق گستاخ ہے، دوسرا نرا احمق ہے۔"

۷

ابوالغازی کی تاریخ میں رشید الدین کا تذکرہ خلافت بغداد و دمشق کے ایک مدبّر کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ وہ ایرانی النسل تھا اور نجوم اور رمل میں ماہر تھا۔ اسے مولانا جلال الدین رومی کا کلام ازبر تھا اور کئی زبانوں سے بھی واقف تھا، جن میں روسی اور تاتاری بھی شامل تھیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ الموت کے کتب جانے کی جو کتابیں ہلاکو خاں کی دست بُرد سے بچ گئی تھیں وہ سب کی سب اس کے پاس تھیں۔ ابوالغازی نے لکھا ہے کہ رشید الدین، جو خداداد قابلیت اور پُراسرار شخصیت کا مالک تھا، قرآن شریف کی تضحیک کیا کرتا تھا مگر اپنی حکمت سے کسی کو فیض نہ پہنچاتا۔ اس نے چند اشعار لکھ کر ایران و عرب کے تاجداروں کو بھیجے تھے، جن سے ان کو رنج ہی ہُوا تھا۔ اس لیے یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی کہ کالے علم کا یہ ماہر عجیب و غریب اور زبردست بدی کے اس مرکز میں آ پہنچا تھا۔

رشید الدین نے نو واردوں کی طرف دیکھے بغیر ایک مہرہ احتیاط سے اُٹھا کر دوبارہ بساط پر رکھا۔ داعی نے بھی، جو لاڈوں کے آس پاس لیٹے ہُوئے آدمیوں کی طرح نشے میں چُور دکھائی دے رہا تھا، ایسا ہی کیا۔ خلت کو شطرنج سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لیے وہ بساط کی

بجائے شطرنج کھیلنے والوں بالخصوص رشیدالدین پر نظریں جمائے سیاہ۔ پیلے ہونٹوں والا نجومی آنکھیں آدھی بند کیے بساط کی طرف متوجہ تھا اور بے حرکت بیٹھا تھا۔ اس کی خاکستری عبا اتنی ساکت تھی کہ اس سے اس کے سانس لینے تک کے آثار ظاہر نہیں ہو رہے تھے مگر جب وہ بولا تو اس کی گہری اور سریلی آواز نے خلت کو چونکا دیا۔

"قزاق! تمھارا کوئی خدا ہے؟"

اباکباش اُسے جلدی جلدی اشارے کر رہا تھا، لیکن اس نے وہ اشارے نہ دیکھے۔

"ہاں رشیدالدین" اس نے گھمبیر آواز میں جواب دیا۔ "میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں۔ میرے مذہب نے مجھے اس کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ وہ مجھے شر سے بچاتا رہے گا۔"

"شر؟" رشیدالدین نے کہا اور ایک جڑاؤ مہرہ ایک خانے سے اُٹھا کر ایک اور خانے میں رکھ دیا۔ "یہ دنیا شر ہی کی دنیا ہے لیکن جب کوئی ولی اس کی مٹی کو چھُو دیتا ہے تو کندن بن جاتی ہے لیکن ولی کس نے دیکھے ہیں؟ تم اپنا مذہب المموت میں لانا چاہتے ہو؟"

"نہیں رشیدالدین" خلت نے اپنا ایک بازو دوسرے پر آڑا رکھ کر جواب دیا۔ "میں تلوار لے کر آیا ہوں جسے حلن ابن شدّاح کی کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میرا مذہب میری ذاتی چیز ہے۔ یوکرین میں میرے جو قبیلے والے ہیں انھوں نے مجھے نکال باہر کیا ہے

اور میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ لوگ کہتے ہیں حلن ابن شدّاح کو شمشیر زنوں کی ضرورت ہے۔"

"اور تمھارا نام خلت ہے، خلت بھیڑیا"؟ منجم نے پوچھا "تمھیں الموت کا دروازہ کیونکر ملا؟"

خلت یہ دیکھ کر کہ منجم کو اس کا نام معلوم ہے بھونچکا رہ گیا۔ لیکن معاً اسے یاد آیا کہ وہ ابا کباش کو اپنا نام بتا چکا ہے۔

"الموت کے ایک جتھے نے بحیرۂ خزر کے قریب ایک کارواں کو لوٹا تھا۔ ہم" خلت نے جلدی سے سوچ کر کہا "ان سواروں کے پیچھے پیچھے پہاڑوں تک آ پہنچے اور بڑے دروازے کے قریب کھڑے ہو گئے۔"

رشید الدین خاموش رہا اور اس کی نظر شطرنج کی بساط پر جمی رہی۔

"تم بحیرۂ خزر پار کر کے آئے ہو استراخان سے؟" اس نے زیرِ لب کہا "ٹھیک ہے، تم اسی راستے آئے ہو گے۔ ایک خشکی کا راستہ بھی ہے جس سے کارواں آتے جاتے ہیں۔ یہ کارواں ہمارا شکار ہیں۔ سوداگروں کا جو مال قلماق تاتاریوں کے ہاتھوں سے بچ جاتا ہے اس کا ایک حصّہ ہم چھین لیتے ہیں۔ تم نے استراخان میں کسی شامی اسلحہ فروش کو دیکھا تھا؟"

"ہاں، اس کے ڈاڑھی تھی۔ ہم اسی کے ہاں ٹھہرے تھے۔ اسی نے ہمیں بتایا کہ شاید حلن ابن شدّاح کو ہماری تلواروں کی ضرورت ہو۔"

رشید الدین نے نہایت آہستہ سے اپنے حریف کا ایک مُہرہ بساط سے اٹھا لیا۔

"اور تمہارا یہ ساتھی کون ہے؟"

"میں ایک تاتاری سوار ہُوں جس کی اپنے کنبے سے لڑائی ہوگئی ہے۔" توقتمش نے اجڈپن سے کہا "میں قانونوں سے تنگ آگیا ہوں جنابِ عالی، اور میں ——"

"قانون بڑے پیچیدہ ہیں تاتاری —— اگر تمہارا کوئی دشمن ہو تو اسے مار ڈالو۔ اگر تمہارا کسی چیز کو جی چاہتا ہے تو وہ لے لو۔ بس یہی تو کام کے قانون ہیں، ہے نا؟ الموت میں تم ہر قانون سے آزاد ہوگے سوائے رفیقوں کے قانونوں کے۔ تاتاری! تمہارے کمر بند میں ناتاگائی کا بُت ہے؟" رشید الدین نے اب تک آنکھ اُٹھا کر توقتمش کی طرف نہ دیکھا تھا۔ "اسے نکال کر زمین پر پھینک دو۔"

توقتمش سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے متذبذب حالت میں خلت کی طرف دیکھا اور پھر اپنے کمر بند سے کپڑے کی ایک چھوٹی سی مورتی نکال کر، جو ایک گڑیا کی طرح رنگ برنگی تھی، پتھروں پر پھینک دی۔ خلت نے دیکھا کہ مُورتی پھٹی پرانی ہے۔ اسے یہ گمان بھی نہ تھا کہ توقتمش بتوں کی پُوجا کرتا ہے۔

"تھوکو اس پر!" رشید الدین نے نرمی سے کہا۔

توقتمش نے بڑبڑا کر اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کا جُھرّیوں دار

چہرہ پسینے سے شرابور ہو گیا اور اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ ابا کباش کی عیار آنکھوں میں تضحیک کی چمک آ گئی۔

"استرا خان کے اسلحہ فروش نے تمھیں بتایا ہو گا کہ الموت ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جن کا کوئی خدا ہے۔" رشید الدین نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "یہاں ایک ایسی ہستی ہے جو سب سے بڑی ہے اور ہم سب اس کے خادم ہیں۔ لیکن ہمارا "عقد" یہ کہتا ہے کہ کوئی ایسا شخص جو ہم میں سے نہیں ہے ہماری مہموں پر نہ جائے۔ سوچ لو، خلت! اور فیصلہ کر لو! اس اثنا میں ــــ"

منجم نے ابا کباش سے کسی اور زبان میں کچھ کہا۔ ابا کباش کمرے کے ایک کونے میں گیا، جہاں غالیچوں اور کپڑوں کا ایک انبار تھا۔ اس نے ایک لمبا اور سفید کپڑا چنا اور لا کر خلت کے آگے رکھ دیا۔ پھر اپنے موٹے موٹے ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

"قزاق کو بتا دو کہ یہ کپڑا کس کام کے لیے ہے۔" رشید الدین نے کہا۔

"یہ کپڑا" گُرد نے سرگوشی کی "کفن ہے خلت۔" "اگر تم یہ اقرار نہ کرو گے کہ تمھارا کوئی خدا نہیں ہے تو ہو سکتا ہے منجّم اپنے آدمیوں کو بلا کر اُن سے یہ کہے کہ تمھیں مار کر یہ کفن پہنا دیں۔ تمھارے دوست نے جو کچھ کیا ہے تم بھی وہی کرو۔ میں تمھیں نیک مشورہ دے رہا ہوں۔

تم ایک ایسی جگہ ہو جہاں تمھاری زندگی خنجر کے ایک وار سے ختم ہو سکتی ہے۔ تمھاری تلوار کسی کام نہ آئے گی۔"

خلت نے دھڑکتے ہوئے دل سے کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔ دونوں زرہ پوش تاتاری اس کی طرف خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ اس کو ایسا محسوس ہوا جیسے دیوار کے پوشیدہ حصّوں میں اور آدمیوں کی دُھندلی دُھندلی شکلیں بھی دکھائی دے رہی ہیں۔ اگرچہ رشیدالدین بہ ظاہر بے پروا نظر آ رہا تھا، تاہم خلت کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس کی ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے۔

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا۔

رشیدالدین کی طرف دیکھے بغیر وہ کپڑوں کے انبار کے پاس گیا اور ان میں سے ایک اور کفن اٹھایا اور اسے لا کر پہلے کفن کے برابر رکھ دیا۔ ابا کباش اسے گھور گھور کر دیکھتا رہا۔ داعی کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور اس کا ہاتھ اپنے کمر بند میں اُڑسے ہوئے خنجر پر پہنچ گیا۔ خلت نے اپنی خمیدہ تلوار نکالی اور سفید کپڑوں کے ڈھیر کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

"ابا کباش! رشیدالدین کو بتا دو کہ یہ دوسرا کفن کس کے لیے ہے!"

"کیا؟" کُرد بڑبڑایا "کیا کہا تم نے؟"

"کُتّے! یہ اس آدمی کے لیے ہے جو مجھے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

خلت نے غرّا کر جواب دیا۔

منجم کوئی ردِّ عمل ظاہر کیے بغیر بساط پر جھکا رہا۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے بے خبر ہے اور ابا کباش کے الفاظ بھی اس نے نہیں سنے ہیں۔ مگر اور لوگ منجّم کی طرف دیکھ رہے تھے اور سب خاموش تھے۔ یکایک رشید الدین نے اپنا سر اُٹھایا اور اپنے زرد ہونٹ بھینچ لیے۔

"احمق!" اس نے مسکرا کر کہا "صحرا کے گاودی! یہ روس نہیں ہے یہاں صرف ایک قانون ہے اور ایک ہی سزا۔ یعنی قتل۔ دیکھ!"

اس نے زرہ پوش تاتاریوں میں سے ایک کو ہاتھ سے اشارہ کیا تاتاری آگے بڑھنے لگا لیکن پھر کانپتا ہُوا پیچھے ہٹ گیا۔

"سپاہی! جا! اپنی جان دے دے!" رشید الدین نے آہستہ سے کہا۔

تاتاری پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ پھر اس نے بے کسی سے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ خلت نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ اپنے کمر بند کی طرف جا تو رہا ہے مگر بُری طرح کانپ بھی رہا ہے۔

"خدائی!" منجّم نے نرمی سے کہا "اس روسی کو دکھا کہ ہمارا قانون کیا ہے؛ تجھے رفیق کی قسم! اپنی جان دے دے!"

سپاہی کی خوف سے چیخ نکل گئی اور اس کا برچھا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گیا۔ پھر اس کا دایاں ہاتھ اس کے کمربند سے اُٹھا۔ اس میں ایک خنجر تھا، شعلے کی طرح خمیدہ، جو پلک جھپکتے میں اس کے گلے میں گھُپ گیا۔ صرف خنجر کا دستہ اس کی ٹھوڑی کے نیچے دکھائی دیتا رہا۔ وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا جسم ذرا دیر تڑپا پھر ساکت ہو گیا۔ اس کا ایک ہاتھ جو خون میں شرابور تھا شطرنج کے مُہروں پر آپڑا تھا۔

کمرے میں لمحہ بھر خاموشی رہی جسے توقمش نے توڑا۔ وہ خلعت کی طرف ایک قدم بڑھا۔

"تو اور میں بھائی بھائی ہیں۔" اس نے غُرّا کر کہا "تجھے جو خطرہ پیش آئے اس میں مَیں بھی شریک ہُوں۔"

رشید الدین، جس نے سپاہی کی موت پر خوشی ظاہر کرتے ہُوئے چین کا سانس لیا تھا، بکھرے ہُوئے مہروں کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کچھ ہُوا ہی نہیں۔ داعی کچھ بکتا ہُوا اٹھا۔ چند لمحے تک کسی نے حرکت نہ کی۔ ابا کباش مبہوت کھڑا اس خون کا نظارہ کر رہا تھا جو تاتاری کے سر کے نیچے جمع ہو رہا تھا۔

۸

منجم، ظاہراً شطرنج کے مہروں کو دوبارہ خانوں میں رکھنے کی کوشش

سے اُکتا کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ خلعت اس کا سراپا دیکھ کر دل ہی دل میں حیران رہ گیا۔ اس کی کمر کمان کی طرح خمیدہ تھی اور سر آگے کو جھکا ہُوا اور مچھلی کے پیٹ کی طرح زرد تھا جس کی زردی کو کھوپڑی پر منڈھی ہوئی لال ٹوپی نے اور بھی نمایاں کر دیا تھا۔ اس کی خاکستری عبا فرش تک پہنچتی تھی۔ اس کی حرکات و سکنات میں ایک دھیمی پھرتی تھی۔

"تم نے دیکھا" وہ یوں بولا جیسے کچھ بھی نہیں ہُوا "یہ ہے الموت کی قسم — اطاعت — اور —"

یہ کہتے ہُوئے اس نے کفن کو پاؤں سے ایک طرف سرکا دیا۔ پھر ایک فیصلہ کُن لہجے میں ابا کباش سے کہا۔

ان مسخروں کو ضیافت خانے میں لے جاؤ اور کھلاؤ پلاؤ۔ دیکھو ان کا بال بھی بیکا نہ ہونے پائے۔"

اس نے ایک داعی کو اشارہ کیا اور ایک پس گوشے سے باہر نکل گیا۔ تو قتمش نے اپنے ماتھے کا پسینہ پُونچھا اور سپاہی کی لاش کو پاؤں سے چھُوا۔

"رشید الدین تمھیں مروائے گا نہیں۔" گُردنے گرمجوشی سے کہا۔ "اسے ایک معجزہ سمجھنا چاہیے کیونکہ تم دونوں نرے احمق ہو۔ تمھیں اس جان بخشی کے لیے میرا ممنون ہونا چاہیے۔ میں نے تمھیں صحیح مشورہ دیا! دیا یا نہیں؟"

تو قتمش نے اس کی طرف شک کی نظروں سے دیکھا۔ اسے اپنی

جان سلامت رہنے کا کچھ زیادہ یقین نہیں تھا لیکن خلت نے اس کے کان میں کہا کہ رشید الدین انھیں مردانا چاہتا تو اسے ان کے ساتھ یہ کھیل کھیلنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہوسکتا ہے منجم نے ان کی سلامتی کے بارے میں جو ہدایت دی ہے نیک نیتی سے دی ہو۔ اس صورت میں بہتر یہی ہے کہ ہم ضیافت خانے میں چلے چلیں۔ اس کمرے میں اڑے رہنے سے فائدے سے زیادہ نقصان کا احتمال ہے۔

چنانچہ دونوں جنگ آزماؤں نے نمائشی خوشنودی سے تلواریں میانوں میں ڈال لیں اور ابا کباش کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ کئی خالی کمروں میں سے گزر کر وہ ایک بالاخانے پر پہنچے جہاں سے الموت کا ضیافت خانہ دکھائی دیتا تھا۔ خلت نے جو کچھ دیکھا وہ اس کے سان گمان میں بھی نہ تھا۔

ایک بار پھر ان کے چہروں کو گرم ہوا لگی۔ ابا کباش نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ اونچی چھت کے وسط میں ایک مربع شگاف تھا جس میں سے تاروں کی روشنی اندر آرہی تھی۔ نئے چاند کی روشنی نے کمرے کے وسیع فرش پر ایک روپہلی چادر بچھا رکھی تھی۔ توتمش اس منظر کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اور بڑبڑانے لگا۔

شروع شروع میں تو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کسی پہاڑی پر بیٹھے کسی لشکر کے پڑاؤ کا نظارہ کر رہے ہیں۔ نیچے فرش پر درجنوں الاؤ جل رہے تھے اور درمیانی خلا میں سینکڑوں روغنی لیمپ جا بجا روشن تھے، ان

کے ارد گرد لوگ لیٹے ہوئے تھے جن کے آگے چھوٹی چھوٹی میزوں پر بھورے شرابیں اور کھانے چنے ہوئے تھے۔ اس بڑے سارے کمرے میں سے آوازوں کی بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔ خلت کو یوں لگا جیسے کسی چھتّے کے آس پاس شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔

باتوں کی آوازیں کھانے پینے کے شور میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ جس سنگین بالاخانے پر وہ کھڑے تھے اس کے ساتھ ساتھ اور میزوں پر لیمپ رکھے تھے۔ لاتعداد کالے کالے انسان کھانے پینے کی چیزیں لا لا کر ان میزوں پر چن رہے تھے اور خالی رکابیاں اور پیالیاں اُٹھا اُٹھا کر لے جا رہے تھے۔

"یہ غلام ہیں"۔ کُرد نے کہا "رفیق کے قیدی۔ چلو ہم لوگ بھی ایک میز پر بیٹھ جائیں۔ یہ رات میرے لیے بڑی مبارک ہے جس میں میری تم لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے کیونکہ اب تمہارے ساتھ میں بھی جنّت الموت میں جاؤں گا۔"

خلت نے کُرد کے آخری جملے پر کوئی توجہ نہ دی۔ لیکن بعد میں یہ جُملہ اسے رہ رہ کر یاد آیا۔ وہ بہت بھوکا تھا اس لیے تو قتمش کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ گیا اور اس پر جو روٹیاں اور بُھنا ہُوا گوشت رکھا تھا وہ کھانا شروع کر دیا مگر ہاتھ روک کر کھایا۔ توقتمش نے اتنے ضبط سے کام نہ لیا بلکہ ہر چیز شپا شپ ہڑپ کرنے لگا۔

کھاتے میں خلت نے ضیافت خانے کا جائزہ لیا۔ اسے یوں لگا

جیسے حاضرین پر اس طرح غنودگی سی طاری ہے جیسے ان سب نے کوئی نشہ آور چیز پی رکھی ہے یا وہ خوشی سے مست ہیں۔ لیمپوں کی روشنی میں ان کے چہرے سفید دکھائی دے رہے تھے۔ وہ میزوں کے ارد گرد ایک دوسرے کے اوپر پڑے ہوئے تھے۔

قازق کے نزدیک شراب پینا تو گناہ نہ تھا مگر ان لوگوں کے سفید چہروں اور بے حرکت جسموں میں کوئی ایسی بات تھی جس نے اس کے بدن میں سنسنی پیدا کر دی۔ وہاں ایک ایسی بُو بھی پھیلی ہوئی تھی جو ناخوشگوار تھی۔ گیلی گیلی مُشک کی سی بُو نیچے کے بڑے کمرے سے اُٹھ اُٹھ کر آرہی تھی جو جانوروں کی بدبُو سے مشابہ تھی۔ فرش پر میووں کے انبار لگے ہوئے تھے۔

"اب" کُرد نے شراب کی چُسکی لیتے ہوئے کہا "حلن ابن شدّاح اپنی زیارت کرائے گا۔ وہ ضیافت خانے میں ہر رات آتا ہے اور ہم اس کا جامِ صحت پیتے ہیں۔ پی! او غلت! پی! تم خوش قسمت ہو کہ زندہ ہو کیونکہ رشید الدین ایک زہریلا ناگ ہے۔"

"یہ رشید الدین کون ہے؟" خلت نے شراب کا پیالہ ہاتھ سے رکھتے ہوئے پُوچھا کیونکہ اسے شراب اچھی نہ لگ رہی تھی۔

"وہ نبیِ اعظم یعنی آقائے الموت کا مشیر اور حکیم ہے۔ سارے یونانیوں اور دنیا بھر کے درویشوں کے پاس جتنا کالا علم ہے اس کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔ وہ ستارہ شناس ہے اور فال نکال کر بتاتا ہے

کہ کب کوئی مہم شروع کرنی چاہیے۔ کہتے ہیں دنیا کے ہر شہر میں اس کے خادم موجود ہیں۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ جادو کی ریت کے ذریعے ہر چیز کا پتا چلا لیتا ہے۔" اباکباش کی زبان اس کی عقل سے زیادہ تیز چل رہی تھی "ایران اور تاتار میں کوئی بات ایسی نہیں ہوتی جس کا اسے علم نہیں ہوتا۔"

خلت پر ایک عجیب سی سرخوشی طاری ہو رہی تھی۔ ہر چند اس نے شراب تھوڑی ہی سی پی تھی لیکن اس کو چکر آ رہے تھے اور بدن نڈھال ہوتا جا رہا تھا۔ شراب کا اثر اس کی آنکھوں پر بھی ہو رہا تھا کیونکہ جب اس نے ضیافت خانے پر نظر ڈالی تو اسے یوں لگا کہ جیسے وہ پہلے سے بڑا اور روشن تر ہو گیا ہے۔ اس نے دیکھا کہ توقتمش پر نیم بے ہوشی کا عالم طاری ہے۔

یوں خلت پر الموت کے ضیافت خانے میں اس عجیب و غریب بدی کا سایہ پڑا جو وہاں چھائی ہوئی تھی اور اسے اس فتنے کا علم ہوا جس نے اس مقام کو ساری دنیا سے اس طرح علیحدہ کر رکھا تھا جیسے اس پر خدا کی لعنت ہے۔

خلت نے صورتِ حال پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ اس نے جو کردار اپنے لیے پسند کیا ہے وہی ادا کرنا چاہیے۔ اگر وہ کسی طرح اباکباش سے پیچھا بھی چھڑا لیتا تو سنتریوں کی نظر بچا کر دریائی زینے سے بھاگ نکلنا ممکن نہ تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس پر اور توقتمش پر

رشید الدین کے جاسوسوں کی نظر ہے۔ اس کے علاوہ اسے الموت کی انوکھی دنیا کو دیکھنے کا اشتیاق بھی پیدا ہو گیا تھا، جو اس کے لیے ایک چیستان تھی۔ ایک تاتاری نے منجم کے ایک اشارے پر جان دے دی تھی اور اباکباش، جو خود ایک بے غیرت اور ذلیل انسان تھا آقائے الموت کا نام لیتے وقت خوف و دہشت سے تھرّا اٹھتا تھا۔ خلت کے دل میں اس قسم کے خیالات پیدا ہو رہے تھے کہ حلن ابنِ شدّاح کون ہے؟ اور الموت پر اس کو اتنا اقتدار کیوں حاصل ہے؟

اتفاق ایسا ہُوا کہ خلت جس شخص کی تلاش میں یہاں آیا تھا اور جسے مارنے کا اس نے حلف اٹھایا تھا اس سے بہت جلد ملاقات بھی ہو گئی۔

ضیافت خانے میں باتوں کی بھن بھن یکایک رُک گئی اور اباکباش نے خلت کا کندھا جھنجھوڑا۔

"دیکھو!" اس نے سرگوشی کی "وہ ہے حلن ابنِ شدّاح! اب وہ ان لوگوں کا انتخاب کرے گا جو آج جنت میں جائیں گے۔ تم لوگ الموت میں نو وارد ہو اس لیے ممکن ہے کہ وہ تمھیں منتخب کر لے۔ اگر ایسا ہُوا تو میں بھی اوروں کی نظر بچا کر تمھارے پیچھے پیچھے جنت میں داخل ہو جاؤں گا۔ دعا کرو کہ اس کی نگاہِ انتخاب تم پر پڑ جائے کیونکہ جنت میں داخل ہونا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔"

ضیافت خانے کے اس طرف، سنگین بالا خانے میں، خلت کو

مشعلیں لیے ہوئے داعیوں کا ایک جھرمٹ دکھائی دیا جس کے وسط میں ایک دراز قد آدمی کھڑا تھا۔ اس نے داعیوں کا سا لباس پہن رکھا تھا مگر سر پر پگڑی نہ تھی بلکہ ایک لبادہ تھا جو کچھ اس طرح لٹکا ہوا تھا کہ اس کا چہرہ نہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کے شانے بہت چوڑے تھے اور ہاتھ جو ٹیکے پر رکھے ہوئے تھے موٹے تھے۔ اباکیاش نے اسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

حلن ابن شداح ان لوگوں کے درمیان جو بالاخانے میں کھانے پینے میں مصروف تھے چلتا پھرتا دکھائی دیا تو ضیافت خانے میں باتوں کی بھن بھن یکایک ایک نعرے میں تبدیل ہو گئی:

"رحمت ہو اس پر جس نے تمام قانون معطل کر دیے ہیں، جو عقد کا مالک ہے اور سرداروں کا سردار، نبیوں کا نبی، شیخ الشیوخ، بابِ جنّت کا کلید بردار ہے۔"

جب وہ قریب آیا تو اباکیاش اس طرح چلّانے لگا جیسے اُسے وجد آ گیا ہے۔ وہ گھٹنے ٹیک کر ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گیا۔ خلت نے دیکھا کہ حلن ابن شدّاح نے ایک شخص کو اشارہ کیا۔ وہ شخص یکایک اٹھا اور داعیوں کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اباکیاش نشے میں ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح فازق نشے میں ہوتے ہیں۔ خود خلت پر بھی غنودگی سی طاری تھی، تاہم اس کا دماغ کام کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس شور و غل سے توقتمش جاگ اٹھا ہے اور دو زانو بیٹھا

جھوم رہا ہے۔

حلن ابنِ شدّاح ان دونوں کے سر پر آکر کھڑا ہو گیا اور خلت کو گمان گزرا کہ ایک داعی نے اس کے کان میں کچھ کہا ہے۔ قازق نے اس کے لبادے سے ڈھکے ہوئے چہرے پر بڑے اشتیاق سے نظر جما رکھی تھی کیونکہ وہ آقائے الموت کا چہرہ اچھی طرح دیکھنا چاہتا تھا مگر اسے صرف اتنا دکھائی دیا کہ ایک سانولا سا طباقی چہرہ ہے جس کی آنکھوں کی سفیدی بہت نمایاں ہے۔ اس کو خیال گزرا کہ اس نے اس وضع قطع کے چہرے اس سے پہلے کہیں اور بھی دیکھے ہیں، لیکن یہ یاد نہ آیا کہ کہاں دیکھے ہیں۔ حلن ابن شدّاح کی صورت دیکھ کر بھی اس پر ویسا اثر ہوا جو ضیافت خانے کی ناخوشگوار بو اور اباکباش کی چُھپا جلیبی آنکھوں کا ہوا تھا۔ حلن ابن شدّاح نے اس کو اور توقتمش کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

خلت نے اپنے ساتھی کو اُٹھا کر کھڑا کر دیا، لیکن اسے محسوس ہوا کہ شراب نے اس کی اپنی توانائی بھی سلب کر لی ہے۔ چند ہاتھ، جو غالباً غلاموں کے ہاتھ تھے، اسے سہارا دے کر داعیوں کے پیچھے پیچھے لے چلے۔ سب لوگ ضیافت خانے سے نکل کر ایک ایسی گزرگاہوں میں سے گزرے جو خلت کو صاف دکھائی نہ دے رہی تھیں۔ مشعلوں کی روشنی غائب ہو گئی اور سب طرف خاموشی چھا گئی، جیسے میٹھی میٹھی موسیقی نے توڑا۔ خلت کا سر ایک عجیب طریقے سے چکرا رہا تھا اور

اسے یوں لگا جیسے وہ اندھیرے میں اضطراری طور پر آگے بڑھا چلا جا رہا ہے۔ اس اندھیرے میں موسیقی گونج رہی تھی۔ اس کی صدائے بازگشت ویسی ہی تھی جیسی اُن آوازوں کی جو اس نے الموت کی گزرگاہوں میں پہلی بار داخل ہونے پر سُنی تھیں۔

۹

خلت نے اپنے سے سوال کیا کہ اگر یہ خواب ہے تو وہ شرابِ سرخ جو اس کے گلے میں اُتری ہے اس کا ذائقہ کیوں محسوس ہو رہا ہے اور اگر خواب نہیں ہے تو ایک چٹان سے اس سُرخ شراب کا چشمہ کیوں پھوٹ رہا ہے؟ اور اس کے سرخ دھارے پر دھوپ کیوں چمک رہی ہے حالاں کہ وہ اس وقت الموت کی زیرِ زمین گزرگاہوں میں ہے۔

اس نے خیال کیا کہ یہ خواب ہی ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہتی ہوئی شراب کے نزدیک ایک پہلو پر لیٹا ہے اور اس کا چہرہ دھوپ سے تپ رہا ہے۔ جب کبھی اس کا شراب پینے کو جی چاہتا وہ اُٹھ کر بیٹھے بغیر ہاتھ بڑھا دیتا اور ایک لڑکی جس کے سر اور سینے پر پھولوں کے گجرے تھے آگے بڑھ کر جام پیش کر دیتی۔ خلت کو بڑی سخت پیاس لگ رہی تھی اور شراب بھی بہت نفیس تھی۔ اس لیے اس نے خوب پی۔

پھر اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے وہ لڑکی اس کے برابر بیٹھی ہے۔ اس کے ہاتھوں کے ناخن اور پاؤں کے تلوے سُرخ تھے۔ اس نے ایسی لڑکی پہلے کبھی نہ دیکھی تھی، اس کے سر کے بال بھی سرخ تھے۔ جب وہ انھیں چہرے پر سے ہٹاتی تو ان میں سورج کی کرنیں چمکتیں۔ اس کے بالوں میں کوئی خوشبو بھی لگی ہوئی تھی جس طرح سمرقند کی طوائفوں کے بالوں میں لگی ہوتی ہے اور یہ خوشبو بڑی خوش آئند تھی۔

موسیقی کی آواز رہ رہ کر کانوں میں آتی۔ اُس نے نتھنے پھُلا کر سُوں سُوں کی۔ کیونکہ اسے نرم آوازیں پسند نہ تھیں۔ اسے شراب بھی پُوری طرح پسند نہ آئی تھی کیونکہ وہ بہت زیادہ میٹھی تھی مگر اُسے دُھوپ اچھی لگ رہی تھی البتہ اتنا ہوش نہیں تھا کہ اپنے سے یہ پوچھے یہ دھوپ کہاں سے آ رہی ہے۔

پھر اس کا منظر بدلا۔ اب خلت نے اپنے کو ایک کشتی میں غالیچوں پر لیٹا ہُوا پایا۔ یہ کشتی ایک نہر میں بہہ رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ چینی کے بنے ہُوئے کوشکوں تلے سے گزرتی جن میں جھالرین لگی ہوئی تھیں اور جن پر ہاتھی دانت کا کام تھا۔ ان کوشکوں میں لڑکیاں کھڑی تھیں جو ہنس ہنس کر اس پر پھُول برساتیں۔ ان میں سے ایک لڑکی کا چہرہ برکہ کے چہرے سے مشابہ تھا۔ خلت کو یقین ہو گیا کہ یہ خواب ہی ہے۔

اس نے ایک چیز اور بھی دیکھی جو اُسے یاد رہی —— کھجور کے درختوں کے ایک جھُنڈ میں نوخیز لڑکے ہنستے ہنساتے، شور مچاتے، ایک

دوسرے پر پھلوں کی بارش کرتے ہوئے دوڑ بھاگ رہے تھے۔ اگرچہ فضا میں ایک خوشگوار سی گرمی تھی، تاہم خلت کو بڑی تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اپنی تلوار گھٹنوں پر رکھے ایک کھجور کے درخت کے سائے میں بیٹھا تھا۔ یہاں موسیقی بہت دھیمی سنائی دے رہی تھی۔ اسے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پوری طرح جاگ رہا ہے۔ ہوا میں گرد و غبار بالکل نہ تھا۔ کھردری سنگین دیواروں کے درمیان سے آسمان دکھائی دے رہا تھا اسے خیال آیا کہ اس نے اس قسم کی سنگین دیواریں پہلے بھی اس وقت دیکھی ہیں جب وہ اور توقمتش دریائے شاہرود کے کنارے کھڑے الموت کی سگ نما چٹان کو دیکھ رہے تھے۔

اس خواب میں بھی خلت کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی طبیعت بگڑ رہی ہے۔ اس نے سرخ بالوں والی دوشیزہ کو اشارے سے اپنے پاس بلایا کیونکہ اسے پیاس لگ رہی تھی مگر وہ قریب آنے کے بجائے دور بھاگ گئی، غالباً اس کی تلوار دیکھ کر۔ خلت کو بہت غصہ آیا کیونکہ اس سے پہلے تو وہ اسے شراب پلا رہی تھی اور اس کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ برسوں سے یہی کام کرتی آ رہی ہے۔

پھر اُسے الموت کے منجم رشید الدین کی خاکستری عبا اپنے قریب دکھائی دی۔ رشید الدین کا سفیدہ چہرہ اسے گھور رہا تھا۔ خلت ہڑبڑا گیا۔ رشید الدین کی بہت دھیمی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"تو کہاں ہے؟"

"خلت اتنا تھکا ہوا تھا کہ اس نے پہلے تو کوئی جواب نہ دیا پھر کہا۔
"مجھے معلوم نہیں۔"
"تو جنت میں ہے اور حلن ابن شنداح کی مہربانی سے یہاں لایا گیا ہے۔ یہ بات بھولیو نہیں!" اور خلت یہ بات سچ مچ نہیں بھولا۔ بعض اور چیزیں بھی اسے یاد رہیں۔ مثلاً نیلے نیلے گنبد، جن میں سانولی رنگت کے مرد نہا رہے تھے، اور کھجور کے درختوں کے جھنڈ، جن میں جگمگاتے ہوئے پروں کے طائر اڑتے پھر رہے تھے اور حسین لڑکیوں کے جھرمٹ جو ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گاتی ہوئی چل پھر رہی تھیں اور اس دوران میں موسیقی ایک لمحے کے لیے بھی نہ رکی تھی۔
خلت نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ خواب ہے تو جو عجیب و غریب شراب میں نے پی ہے اس کا ذائقہ اب تک میری زبان پر کیوں ہے اور دھوپ کی تپش سے اب تک بدن کیوں جل رہا ہے۔ مگر پھر اس نے فیصلہ کیا کہ نہیں یہ خواب ہی ہے، مگر یہ خواب تھا اتنا مزیدار کہ اسے اس سے بیدار ہونا برا معلوم ہوا۔
جب وہ جاگا تو اس نے اپنے کو ایک ایسی جگہ پایا جو تاریک اور مرطوب تھی اور جس میں شراب کی تلچھٹ کی بو رمی ہوئی تھی۔ خلت احتیاط سے اٹھا اور اس نے ہاتھ بڑھا کر آس پاس کی چیزوں کو ٹٹولا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ اس کے ارد گرد کوئی گول گول سی گیلی گیلی سی چیز ہے۔ اسے اپنے قریب ایک شخص کا جسم پڑا ہوا ملا جسے اس نے اس

کے مخملی چوغے اور نوکدار خود سے پہچان لیا۔ یہ توقتمش تھا جو بڑے زور زور سے خراٹے لے رہا تھا۔

"چپٹے منہ والے اُٹھ! نجس جانور کے بچے! اُٹھ! اس نے توقتمش کو جھنجھوڑ کر کہا "ہم اب جنت میں نہیں ہیں بلکہ میرا تو خیال ہے شراب کے مٹکے میں ہیں۔"

توقتمش جاگ گیا اور طوعاً و کرہاً اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یہ تُو ہے کافر؟" اس نے پُوچھا اور ایک انگڑائی لی "میں سینکڑوں بار بدمست ہُوا ہوں لیکن اتنا کبھی نہیں ہُوا۔ شیطان کی قسم، میں نے ایسی شراب پہلے کبھی نہیں پی۔ چل تھوڑی سی اور پئیں۔"

"تو پھر تُو بھی خواب ہی دیکھ رہا تھا" خلت نے کچھ سوچتے ہُوئے کہا "کیا تجھے بھی برکہ دکھائی دی تھی؟"

"برکہ؟ نہیں تو! لیکن اس نے یہ کہا ضرور تھا کہ یہاں ملے گی۔ وہ خواب نہیں تھا کافر! کیونکہ دھوپ نکلی ہوئی تھی اور بہت سے لوگ کھا پی رہے تھے۔ کیا رشید الدین نے تجھے نہیں بتایا کہ یہ جنت ہے؟ مجھے وہاں کئی اور تاتاری بھی ملے۔ انھوں نے بھی مجھے بتایا ہے کہ یہ کیا جگہ ہے۔"

"کیا ان تاتاریوں نے بھی رشید الدین کے کہنے پر اپنے معبود کی توہین کی تھی؟ اور اس جنت کے بارے میں ان کا خیال کیا تھا؟"

یہ بات سُن کر وہ منظر توقتمش کی آنکھوں تلے پھرنے لگا جب

رشید الدین نے اس سے مطالبہ کیا تھا کہ اپنے معبود کی توہین کرے۔ غصّے کے مارے اس کی زبان سے بات نہ نکلی۔ صرف غرّا کر رہ گیا۔

"تو نرا بدھو ہے! ہمارے نصیب اچھے ہیں کہ ہم زندہ ہیں۔ میرے ساتھی کہتے تھے کہ جو ئی الموت میں آتا ہے اسے حلن ابن شدّاح کے حکم سے جنت میں داخل ہونے کی اجازت اسی حالت میں دی جاتی ہے جب وہ اس کے قابل سمجھا جاتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص رفیقوں میں شامل ہو کر لڑائی میں مارا جائے تو وہ بھی جنت میں جاتا ہے مگر یہ سراسر جھوٹ ہے۔ انسان میں رُوح کہاں ہوتی ہے؟"

خلت خاموش رہا لیکن اس نے دل میں سوچا کہ اس معمّے کا حل اس کے ہاتھ آگیا ہے۔ حلن ابن شدّاح کی طاقت اس کے پیروؤں کی شہوت پرستی پر مبنی ہے۔ کسی عام آدمی کا تو ذکر ہی کیا ہے ابا کباش جیسا خرانٹ آدمی بھی یہ خیال کرتا ہے کہ حلن ابن شدّاح کے ہاتھ میں جنت کی کنجی ہے۔ اس نے خود سے کہا۔ ممکن ہے مجھے پوری بات معلوم نہ ہو لیکن الموت کے فتنے کا راز اسی میں مضمر ہے۔

۱۰

چند دن تک دونوں جنگ آزما جو ایک دوسرے کے دشمن مگر مشترک مقصد کی وجہ سے ایک دوسرے سے وابستہ ہو گئے تھے، الموت کے نہاں خانوں کی تفتیش کرتے رہے۔ دن کے وقت ضیافت خانے،

رشید الدین کے گول کمرے اور دوسرے محلوں میں دھوپ چھن چھن کر آتی، لیکن رات کو ان میں صرف قمقموں اور مشعلوں کی روشنی ہوتی۔ کمرے بے شمار تھے اور ہر ایک اتنا بڑا تھا کہ اس میں سو آدمیوں کی گنجائش تھی۔ خلت نے بہت سی چیزیں دریافت کیں جن میں رفیقوں کا خزانہ بھی شامل تھا۔

چیدہ چیدہ تاتاری اور عرب ایک خاص علاقے کی حفاظت پر مقرر تھے۔ ان محفوظ کمروں میں اس نے داعیوں اور دوسرے برگزیدہ لوگوں کو، جنھیں داعی الکبیر کہتے تھے، جاتے دیکھا۔ اس نے قیاس کیا کہ ان کمروں میں حلن ابن شداح اور اس کے درباری رہتے ہیں اور انھیں میں وہ خزانہ بھی ہے جو خراج کی صورت میں دنیا کے مختلف حصوں سے آئی ہوئی دولت پر مشتمل ہے۔

الموت کے مخفی کمروں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا، سوائے زینوں اور دریا کے، جن پر ہر وقت پہرا رہتا تھا۔ وقتاً فوقتاً مسلح آدمی اور مختلف ملکوں کے ایلچی اندر آتے اور باہر جاتے دکھائی دیتے۔ لیکن ان سب کی کڑی نگرانی کی جاتی۔ دریائی زینے کا راستہ قلعے کے پرانے آدمیوں مثلاً ابا کباش کرد کے سوا اور کسی کو معلوم نہ تھا۔

اس نے یہ پتا چلایا کہ غلام ایک دریائی زینے کے راستے ہی نہیں ایک اور راستے سے بھی کھانا لاتے ہیں اور الاؤ دں کے لیے لکڑی بھی اسی راستے سے لائی جاتی ہے۔ الموت کے جنگ آزما جنھیں فدائی کہتے

تھے داعیوں کے زیر نگرانی اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے رہنے کے کمرے شیخونوں اور کاروانوں سے حاصل کیے ہوئے مالِ غنیمت سے بھرے پڑے تھے۔ ہر فدائی ریشمی کپڑے اور ہیرے جواہرات پہنتا تھا۔ ان کے نگراں فدائی ان کی طرف صرف اس وقت توجہ کرتے جب کسی مہم پر جانے کا فیصلہ کیا جاتا۔

یہ سب خلت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر اس کے علاوہ اور بہت کچھ باتونی ابا کباش کی زبانی بھی معلوم کیا۔ ابا کباش نے تو تمش سے جوئے میں کچھ رقم جیت لی تھی اس لیے ترنگ میں آکر اس کا باتیں کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ غلام دریا کے اس پار سے کھانا لاتے ہیں اور اسے چھینکوں میں رکھ کر ایک دیوار کی منڈیر تک پہنچاتے ہیں۔ اس دیوار کی وجہ سے کوئی قلعے سے باہر نہیں جا سکتا۔ ابا کباش جب سے الموت میں آیا تھا ایک دن بھی باہر نہ گیا تھا پھر بھی اس نے شیخ کی سلطنت کے بارے میں جو ایک طرف سمرقند سے حلب تک اور دوسری طرف استراخان سے بصرے تک پھیلی ہوئی تھی بہت کچھ معلومات حاصل کر لی تھی۔ شیخ کے قاتلوں سے لوگ اتنا ڈرتے تھے کہ بہت سے شہر الموت کو چپ چپاتے خراج ادا کر دیتے۔

یہ تو ٹھیک تھا کہ خلفاء کے پاس الموت سے زیادہ فوجیں تھیں لیکن حلن ابن شداح کی طاقت اس کے پیروؤں کے خنجر تھے۔ جب ایک بار کسی کی جان لینے کا فیصلہ کر لیا جاتا تو وہ قتل ہونے سے

بچ نہ سکتا تھا۔ اور یہ فیصلہ بہت سے لوگوں کے بارے میں کیا جاتا تھا۔

"تو دریائی زینوں کے سوا باہر جانے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے؟" خلت نے پوچھا۔ اس نے ابا کباش کی باتیں بڑی توجہ سے سنی تھیں۔

ابا کباش نے حیرت سے اُسے گھورا اور سر ہلا کر بتایا کہ اور کوئی نہیں ہے۔

"کون ایسا احمق ہے جو یہاں سے جانا چاہے گا؟" اس نے کہا۔ "خوش قسمت ہیں ہم لوگ جو یہاں ہیں۔ ایک خلیفہ تھا جو عراق سے گھڑسوار فوج لے کر آیا۔ جب اس نے ہم پر حملہ کیا تو ہم نے پہلے تو اس کی فوج پر پتھروں اور اینٹوں کی بارش کی اور پھر قلعے کے باہر نکل کر اس پر ٹوٹ پڑے اور شاہرود کا پانی خون سے لال ہو گیا۔"

"ہو گیا ہو گا!" تو قتمش نے غصّے سے کہا۔ "مگر عراقیوں سے بہتر جنگجو تو دنیا میں پیدا نہیں ہوئے۔ تمھیں ہلاکو خان کے شہسوار یاد ہیں؟"

"نہیں، میں نے ان کا نام کبھی نہیں سُنا۔" کہتے ہوئے ابا کباش نے عجیب سی نظروں سے تاتاری کی طرف دیکھا مگر خلت ابا کباش کی توجہ اس کی طرف سے ہٹانے کے لیے ہنس دیا۔

"ایک اور شخص بھی تھا جس نے ہماری مخالفت کی۔ ابا کباش نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ الموت کے آس پاس کے پہاڑی لوگوں کا ایک سردار تھا۔ ہم نے اس کا پیٹ چاک کر دیا اور اس کی آنتیں نکال کر باہر پھینک دیں۔ اس کی ایک لڑکی تھی جو آفت کا پرکالہ

تھی۔ رشید الدین نے اسے خوب ٹھکانے لگایا۔"

"کیونکر؟" خلت نے بے پروائی سے پوچھا۔ وہ تاڑ گیا کہ یہ لڑکی بڑی بکرکہ ہے۔

"ہوشیاری سے، بڑی ہوشیاری سے!" کُرد نے ہنس کر ہاتھ ملتے ہُوئے کہا۔ "اس نے حلن ابن شدّاح سے یہ حکم دلوادیا کہ اسے ایک تاتاری سردار سے شادی کرنے کے بھیج دیا جائے۔ تاتاری سردار نے کبھی اس کی صُورت دیکھی تھی نہ اس کا نام سُنا تھا۔ اُدھر لڑکی تاتاری سردار کے پاس بھیجی گئی، ادھر ہم لوگوں نے بوڑھے سردار کو مار کر اس کے قبیلے کو تتّر بتّر کر دیا۔"

"یہ تو رشید الدین نے واقعی بڑی زبردست چال چلی" کہہ کر خلت نے توقتمش کی پسلی میں اتنے زور سے گھونسا مارا کہ گٹھیلے جسم کے جنگ آزما کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اور اباکباش سے پوچھا "پھر اس تاتاری سردار کے ہاتھوں لڑکی کا کیا حشر ہُوا؟ تم کو تو اوروں سے بہت زیادہ باتیں معلوم ہیں۔ اباکباش! ہاں تو اس کا کیا بنا؟"

"مگر مجھے اس لڑکی کے بارے میں کچھ زیادہ باتیں معلوم نہیں۔" کرد نے ہنستے ہُوئے جواب دیا "ایک غلام کی زبانی سنا ہے کہ وہ استراخان میں دیکھی گئی ہے، اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک کارواں کے ہاتھ بطور کنیز بیچ دی گئی ہے، اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں۔"

"وہ غلام جس سے تم نے یہ باتیں سنی ہیں، کیا وہ الموت میں رہتا ہے؟" توقتمش نے پوچھا۔ اس کی بے صبری حد سے بڑھتی جا رہی تھی۔

"گدھے! اور کہاں رہتا ہوگا؟" اباکباش نے کہا۔ "اور اب تم یہ بھی پوچھو گے کہ اسے اس لڑکی کا حال معلوم کیونکر ہوا؟"

"نہیں یہ پوچھ کر کیا کرے گا!" خلت نے فوراً کہا۔ "توقتمش الموت کی طاقت کا اندازہ نہیں لگا سکا ہے۔ یہ احمق ہے۔ تم اور میں دونوں زیادہ سمجھ دار ہیں۔"

پھر ایک رات ایسا ہوا کہ جب خلت ضیافت خانے سے واپس آ رہا تھا اور اس کا سر الموت کی عجیب و غریب شراب کے اثر سے چکرا رہا تھا ایک کنیز نے اس کے قریب آ کر اس کے کان میں کہا۔ "بالا خانے کے پرلے سرے کے پاس ایک گھنٹے بعد۔" اور جاتے وقت اس کے ہاتھ میں کچھ تھما دیا۔ خلت نے دیکھا تو وہی نیلم تھا جو برکہ نے اسے دکھایا تھا۔

اس نے یہ بات توقتمش کو نہ بتائی اور مقررہ وقت سے پہلے ہی اباکباش سے پیچھا چھڑا کر ادھر روانہ ہو گیا۔ چنانچہ وہ سنگین بالا خانے سے گزر کر ایک تاریک گوشے کے قریب پہنچا۔ اس کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ غلام ضیافت خانے سے جا چکے تھے اور فدائی حسن ابن صبّاح کے باہر آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ خلت ایک ایسی جگہ کھڑا ہو گیا جہاں اس پر کسی کی نظر نہ پڑ سکتی تھی اور انتظار کرنے لگا۔ وہ اس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک مشعلیں نہ آ گئیں۔ داعیوں کے حلقے میں

گھبرا ہُوا حلن ابنِ شدّاح نمودار ہُوا۔ کسی نے خلت کی عبا کا دامن پکڑ کر کھینچا۔

"میرے پیچھے پیچھے آؤ۔" یہ برکہ کی ملائم آواز تھی "اور اتنی بے ہنگم چال سے نہ چلو۔"

خلت نے دیکھا کہ اس حکم کی تعمیل آسان نہیں۔ برکہ کے پاس روشنی نہ تھی۔ جب وہ مخفی کمروں اور چٹانی گزرگاہوں میں سے گزر رہے تھے تو کبھی کبھی کسی شمع کی روشنی میں خلت کو اس کے عبا کی جھلک دکھائی دے جاتی۔ خلت کا دماغ تو کام کر رہا تھا، لیکن اس پر ایک سرخوشی سی چھائی ہوئی تھی۔

برکہ ایسی گزرگاہوں سے گزری جن میں لوگ بہت کم تھے۔ جو لوگ وہاں نظر آئے وہ سب غلام تھے۔ برکہ اسے غلاموں کی بستی کے درمیان سے نکال کر لے جا رہی تھی۔ یہاں وہ پہلے کبھی نہ گیا تھا۔ وہ ایسی غلام گردشوں میں سے گزرے جو کہیں کہیں اتنی تنگ تھیں کہ آڑے ہو کر چلنا پڑتا۔ جا بجا دیواریں آتی تھیں جن میں سے دماغ پریشان کر دینے والی بدبو پھوٹ رہی تھی۔ آخر وہ ایک ایسی غلام گردش میں سے گزرے جو الموت کے مخفی کمروں سے حلن ابنِ شدّاح کی جنت کو جاتی تھی۔ خلت ٹھٹک گیا اور بھونچکا ہو کر دیکھنے لگا۔ اس کا سر پھٹا جا رہا تھا۔ چودھویں کا چاند اس کے سر پر چمک رہا تھا اور ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں سے کھیل رہی تھی۔ کھجور کے درختوں کی ٹہنیاں ہولے ہولے ہل رہی تھیں۔ اسے پاؤں

تلے گھاس محسوس ہوئی اور اس نے جو پرندے پہلے بھی دیکھے تھے ان میں سے ایک کھجور کے درختوں کے سائے میں سے نکل کر سامنے آیا۔

برکہ نے غصّے سے اس کا بازو جھنجھوڑا۔

"بے وقوف! خنزیر کھانے والے!" اس نے سرگوشی کی۔ "کیا تو کوئی مسخرا ہے جو ان عجیب چیزوں کو اس طرح حیرت سے تک رہا ہے؟"

ہوا سے ایک فوارے کے چھینٹے اڑ کر خلت کے منہ پر لگے۔ ان چھینٹوں میں اصفہان کے گلاب کی خوشبو تھی۔ فوارے کے نیچے ایک نہر تھی۔ خلت کو یاد آیا کہ یہ نہر اس نے پہلے بھی دیکھی ہے۔ اس میں ایک کشتی تھی جو کنارے سے زنجیر سے بندھی ہوئی تھی۔ پانی میں چاند کا عکس جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ ادھر خلت کا سر چکرا رہا تھا۔

"یہ ہے حلن ابن شدّاح کی جنت۔" اس نے لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "جہاں میں اس کی مہربانی سے آیا تھا۔ یہ بات مجھے رشید الدین نے بتائی تھی۔"

برکہ نے آنکھ اُٹھا کر خاموشی سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی عبا سرک کر نیچے آ رہی۔ اس کے کالے کالے بالوں کے لچھّے اس کے دونوں شانوں پر لہرا رہے تھے اور اس کی سفید گردن کے اوپر چھوٹے سے دہانے کے ہونٹ حقارت سے بل کھا رہے تھے۔

"بودے گاودی!" وہ خلت کو جھنجھوڑ کر چلّائی۔ "تجھ سے تو توتمش بدرجہا بہتر ہے۔"

"تو قسمتی نشے میں چُور ہے ننھی چڑیا! میرا صرف سر چکرا رہا ہے جو ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ تو یہ خواب نہیں ہے؟ تم الموت میں کیونکر آ پہنچیں ننھی برکہ؟"

جواب دینے کی بجائے لڑکی خلت کو، جو اپنے سر کے چکروں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا، کھینچ کر نہر تک لے گئی اور وہاں لے جا کر اُسے کشتی میں بٹھا دیا۔ کشتی کو کنارے سے ہٹا کر وہ پانی میں چپّو چلاتی رہی یہاں تک کہ کشتی دھندلکے میں جا پہنچی مگر اس نے اب بھی ہاتھ نہ روکا۔ بلکہ اسے چپکے چپکے کنارے کے لگواں لگواں کھیتی رہی۔ اتنے میں خلت نے جو چت لیٹا ہُوا تھا یہ دیکھا کہ ایک پل کا سایہ ان پر پڑ رہا ہے۔

"نہیں،" اس نے نیم غنودگی کے عالم میں کہا۔ "وہ ستارے بہت اچھے تھے۔ چلو پھر انھیں کو دیکھیں۔ اب ہم کہاں ہیں؟ تم مجھے یہاں کیوں کر لے آئیں؟"

برکہ آ کر خلت کے سر کے قریب بیٹھ گئی اور اس کے تپتے ہوئے ماتھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے اپنی عبا اپنے جسم کے گرد کس کر لپیٹ لی، ٹھوڑی دونوں ہاتھوں پر ٹکا کر بیٹھ گئی اور پانی میں چاند کے عکس کا نظارہ کرنے لگی۔

"مردوں کو عورتوں سے زیادہ ہوشیار ہونا چاہیئے۔" اس نے نرمی سے کہا۔ "لیکن یہاں ایک کمزور لڑکی، جھوٹے نبی کی جنت کی ایک حُور تمھیں انگلی پکڑ کر چلا رہی ہے۔ لوگ تو کہتے تھے اے ابوالحرب تو بڑا

کائیاں ہے۔ سُن بہت جلد ایک خونریز لڑائی ہونے کو ہے جس سے شاہرود کا پانی ایک بار پھر لال ہو جائے گا۔ تونے کبھی صحرائی بھیڑیوں کو پہاڑی گیدڑوں کی تکا بوٹی کرتے دیکھا ہے؟ بھیڑیا کہلانے والے کیا تونے کبھی بھیڑیوں کے غول کے ساتھ شکار کیا ہے؟ نہیں! تیرے تو دانت توڑ دیے گئے ہیں!

"یہ جھوٹ ہے ننھی چڑیا۔" خلت نے غصّے سے غرّا کر کہا۔ "مجھے ایک گھوڑا لا دے اور تلوار چلانے کا موقع دے دے! پھر دیکھ میں ان بدکار فدائیوں کو کیسا مزا چکھاتا ہوں۔ آخ تھُو! یہ جگہ تو بدکاری کا اڈا ہے۔ مجھے الموت سے باہر نکلنے کا راستہ بتا۔"

"اور تونے حلن ابن شدّاح کا سر کاٹنے کا جو حلف اُٹھایا تھا" برکہ نے پوچھا۔ "وہ کیا ہُوا؟"

خلت خاموش رہا۔ یہ سچ تھا کہ وہ یہ کام کرنے کا حلف اُٹھا چکا تھا اور اسے انجام دینا عزت کا معاملہ تھا۔

"اسی طرح" اس نے دل گرفتہ ہو کر کہا۔ "تونے بھی تو یہ کہا تھا کہ تونے ایک منصوبہ بنا رکھا ہے۔ وہ منصوبہ کیا ہے؟ مجھے وہ منصوبہ بتا! تونے اسے اپنے دماغ میں کیوں بند کر رکھا ہے؟ میرے ساتھ سیدھی طرح چل۔ حلن ابن شدّاح کو جان سے مارنے کا طریقہ کیا ہے۔ وہ طریقہ بتا دے پھر دیکھ کیا ہوتا ہے!"

"میں اتنے طاقت ور آدمی کو کیونکر جان سے مار سکتی ہُوں؟" برکہ نے

ہولے سے ہنس کر کہا۔" قرآن شریف میں آیا ہے کہ اللہ کافروں کی تدبیروں کو کمزور کر دیتا ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص بدی کا بیج بوتا ہے اسے اس کا پھل بھی ملتا ہے۔ یہ ہیں خدائی حکمت کے وہ الفاظ جن سے رشیدالدین کو بغض ہے۔ الموت پر تباہی اسی طرح آئے گی۔ جس طرح بادلوں سے پانی برستا ہے۔ جس طرح سانپ کے دانتوں سے زہر نکلتا ہے، اور حلن ابنِ شدّاح ـــــ"

"حلن ابن شدّاح تو۔" خلت نے منہ بند کیے کیے ہنس کر کہا۔ "ڈھونڈے نہیں ملتا۔"

اچانک اس نے برکہ کی کلائی پکڑلی۔ پانی میں چاند کا جو مدوّر عکس پڑ رہا تھا اس کے نزدیک ایک عمامہ پوش سر دکھائی دے رہا تھا۔ ایک موٹا تازہ آدمی، جس کے ہاتھ میں گھوڑے کی گردن کے برابر چوڑی تلوار تھی، پانی میں سے نمودار ہوا۔ خلت اپنی تلوار سنبھالتا ہوا کہنی کے بل اُٹھا اسی کے ساتھ کشتی خاموشی سے پیچھے کی طرف چلنے لگی اور کھجور کے درختوں کے نیچے جو نہر تھی اس کے پل سے گزر گئی۔

" یہ ایک خواجہ سرا تھا۔ یہ لوگ اپنی جنت کی مخلوق کی حفاظت کرتے ہیں۔" برکہ نے سرگوشی کی۔ "میں نے انھیں کئی بار دیکھا ہے کیونکہ میں بھی تو اس جنت کی ایک حُور ہوں۔ یعنی جب جی چاہتا ہے اس کی حُور بن جاتی ہوں۔ کچھ دن پہلے جب تم یہاں آئے تھے تو میں نے تمھیں دیکھا تھا۔ سنو۔" اس کا لہجہ بدل گیا۔ "تمھیں میرا کام کرنا ہو گا اور وہ کام کرنے

کا وقت قریب آ رہا ہے۔"

خلت نے اس طرح سر ہلایا جیسے اقرار کرتا ہے۔ رات کی تازہ ہوا نے اس کے دماغ سے زہریلے نشے کا اثر کچھ کچھ دُور کر دیا تھا۔

"میں تمھیں الموت کے مخفی کمروں میں واپس لے جاؤں گی۔ غلاموں کی بستی کے راستے سے۔ ہم اس وقت الموت کی چوٹی پر ہیں۔ یہاں حلن ابن شدّاخ نے، خدا اسے غارت کرے، اپنے پیروؤں کو دھوکا دینے کے لیے ایک پرانے قلعے کے کھنڈروں پر ایک نئی جنت بنائی ہے۔ جو کچھ اس نے اور رشید الدین نے بنایا ہے یہ سب جادو کا کھیل ہے۔ جو لوگ یہاں آتے ہیں انھیں ایک زہریلی شراب پلائی جاتی ہے۔ اس میں جو زہر ہے وہ کیا ہے، یہ میں نہیں جانتی۔ مگر میں نے یہ زہر چکھا ضرور ہے استغفر اللہ۔ بہت ہی بُری چیز ہے۔"

خلت نے بڑبڑا کر اس کی بات سے اتفاق کیا۔

"اس زہر کا راز رشید الدین ہی جانتا ہے۔" برکہ نے پھر کہنا شروع کیا۔ "فدائیوں کو یہ زہریلی شراب دن رات پلائی جاتی ہے تا آنکہ انھیں موت کا کوئی خوف نہیں رہتا۔ یہ چیز انھیں حلن ابن شدّاخ کا غلام بنا دیتی ہے۔ خیران کا انجام قریب ہے۔ وہ اُدھر سے آ رہا ہے۔" اس نے جس طرف اشارہ کیا خلت کو وہ شمال کی سمت معلوم ہوئی۔ "اور اتنی ہی تیزی سے آ رہا ہے جتنی تیزی سے باز جھپٹتا ہے۔"

"یہ ایک اور معمّا ہے برکہ!" خلت بڑبڑایا۔ "تم نے باز کہاں دیکھا ہے؟"

"وہیں جہاں تم نے دیکھا ہے قزاق!" برکہ نے ہنس کر کہا۔ "اور تو قمش تو بازوں سے شکار بھی کر چکا ہے۔ میں نے باز وہاں دیکھے ہیں جہاں فدائیوں کی بوٹیاں اڑانے کے لیے تلواریں تیز کی جا رہی ہیں، یعنی قلماق تاتاریوں کی سرزمین میں، کھاری سمندر کے شمال میں۔ الموت پر جو قیامت آئے گی وہ قیامت کبریٰ ہوگی اور منکر نکیر، جو قبر میں مُردوں کا حساب لیتے ہیں، ان کے کام میں خاصا اضافہ ہو جائے گا۔"

خلت ہنسا۔ "یہ ایک اور معمّا! جب تاتاری شہسوار ایران میں فاتحانہ داخل ہُوئے تھے اس کو تو کئی پُشتیں گزر چکی ہیں!"

"ابوالحرب! اس معمّے کا حل تمھاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ کیا میں اتنی حسین نہیں ہوں جتنا طفلس کا کوئی گلزار موسم بہار میں ہوتا ہے۔ کیا میرے بال کسی ملک کی کملی کی طرح کالے نہیں ہیں؟ کیا میرا رنگ شبنم سے بھیگے ہُوئے ایلوے کی طرح سفید نہیں ہے؟" برکہ نے اپنے خوشبو میں بسے ہُوئے بال خلت کے قریب کر دیے، جس پر خلت ہڑبڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ "تم اگر اندھے ہو تو دوسروں کی تو آنکھیں ہیں۔ اللہ کو یہی منظور ہے کہ میرا کھویا ہُوا وقار بحال ہو اور الموت تباہ ہو۔"

"کیا تاتاریوں نے الموت پر حملہ کر دیا ہے؟" خلت نے خوشی کے مارے اپنی مونچھ چبا ڈالی۔ "یہ تو تم نے بڑی اچھی خبر سنائی۔"

"خاموش رہ احمق!" برکہ نے سانس روک لیا۔ پھر بولی۔ "بیس ہزار شہسوار کھاری سمندر کے کنارے کنارے الموت کی طرف آ رہے ہیں۔ وہ

راستے میں لُوٹ مار کے لیے رکیں گے نہیں۔ دیکھنا! کیسے زوردں کی لڑائی ہوگی۔ میرا باپ نبی کے قدموں میں بیٹھ کر اس کا نظارہ کرے گا اس کا دل باغ باغ ہو جائے گا۔ میں بیس ہزار قلماق شہسواروں پر الموت کا بڑا دروازہ کھولوں گی، وہی دروازہ جس سے گزر کر لوگ ضیافت خانے میں جاتے ہیں، جہاں سے میں روز رات کو باندی بنی ہوئی کھانا لاتی ہوں۔ میں تجھے بتاتی ہوں ابوالحرب! کہ تجھے کیا کرنا ہوگا۔"

برکہ بولتے بولتے خاموش ہوگئی اور ایک لمحے کان لگائے سنتی رہی حلن ابن شدّاح کی جنت بالکل خاموش تھی اور صرف لمبی دموں والے پرندے ادھر ادھر اُڑ رہے تھے۔

"آج سے تیسری رات اے ابوالحرب!" برکہ نے سرگوشی کی۔ "وہ داعی جو دریائی زینے کا محافظ ہے دوسرے پہر اپنے سنتری بدلے گا۔ تُو اور تو قمش دونوں جا کر سنتریوں میں مِل جانا۔ میں تجھے ابا کباش کے ساتھ دیکھ چکی ہوں۔ وہ ایک ذلیل انسان ہے۔ اسے رشوت دے دینا کام ہو جائے گا۔ دستور کے مطابق دو سنتری دروازے کے باہر، دریا میں کھڑے رہتے ہیں۔ اس رات یہ دونوں سنتری خلت اور تو قمش ہونے چاہئیں یہ ہے تیرا کام۔ اس کے بعد تجھے اور تو قمش کو ایک ایک گھوڑا مل جائے گا۔ اس اثنا میں تجھے رشیدالدین سے دُور رہنا چاہیئے۔"

"ہاں، ہاں۔" خلت نے اس کی بات پر غور کرتے ہوئے کہا۔ "رشیدالدین کی نگاہ سے اوجھل ہی رہنا چاہیئے۔"

۱۱

ابوالغازی کی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب سالِ اسد ختم ہونے لگا۔ تو حلن ابنِ شدّاخ کے خزانے میں ان شہروں سے، جو اس کے باجگذار تھے بہت دولت آئی مگر کھاری سمندر کے کنارے کے شمالی علاقے سے خراج وصول نہ ہُوا۔ نہ وہاں سے سوار آئے۔ ابوالغازی کا کہنا ہے کہ شمال میں طوفان اُٹھ رہا تھا، آندھی کے جھکڑوں کی طرح تند و تیز، جو راستے میں آنے والی ہر چیز کو تہس نہس کر ڈالتے ہیں لیکن اس طوفان کی آہٹ الموت میں نہ ہوئی، وہ شخص جو اپنے آپ کو نبی کہتا تھا اس کو اس کی مطلق خبر نہ ہوئی۔ فدائیوں کے ضیافت خانے میں کسی نے اس کی آہٹ نہ سنی۔ حکیم فرزانہ رشیدالدین کو اپنے کالے علم کے باوجود اس کا پتا نہ چلا۔

برکہ سے ملنے کے ایک دن بعد خلت نے، جو اس معاملے پر بڑی شدت سے غور کر رہا تھا۔ اباکباش کو تلاش کیا۔ وہ ضیافت خانے کے فرش پر سو رہا تھا۔ خلت نے اسے جگایا۔

"میں حلن ابنِ شدّاخ کو خود اپنی زبان سے ایک خبر سنانی چاہتا ہوں۔" اس نے دوزانو بیٹھ کر اور پائپ سلگا کر کہا۔ "مگر صرف اسی کو سناؤں گا اور کسی کو نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے بھاری انعام دے گا۔"

اباکباش کی جمائیاں بند ہو گئیں اور اس کا جھرّیوں دار چہرہ ایک چالاک لومڑی کے چہرے جیسا نظر آنے لگا۔

"حلن ابن شدّاح تم سے ملاقات نہیں کرے گا خلت! وہ الموت کے چند پرانے آدمیوں کے علاوہ جن میں سے ایک میں بھی ہوں اور کسی سے ملاقات نہیں کرتا۔ مجھے آقائے الموت تک رسائی حاصل ہے۔ مجھے بتا دو کہ تمھارا پیغام کیا ہے، میں وہ پیغام اس تک پہنچا دوں گا۔ تم تو عقل مند آدمی ہو خلت! اور گنے چنے لوگوں میں سے ہو۔ باقی سب لوگ تو بے عقل ہیں۔"

خلت جانتا تھا کہ ابا کباش جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے اپنا پائپ منہ سے نکال کر اس پر نظر جماتے ہوئے سر ہلایا۔

"مجھے جو خبر آقائے الموت کو دینی ہے وہ کسی اور کی زبانی نہیں دی جا سکتی۔ وہ مجھے اس کا بڑا بھاری انعام دے گا۔ تم کو اتنا بھاری انعام کیونکر مل سکتا ہے؟"

"نہیں۔" کُرد نے اس کی بات کی تردید کی۔ "مجھے تم سے بھی زیادہ بھاری انعام ملے گا۔ مجھے وہ خبر بتا دو۔ ہم دونوں انعام میں شریک ہو جائیں گے۔"

خلت نے دانت نکوسے۔ پھر کچھ دیر تک وہ ایک مشاق کھلاڑی کی سی چابکدستی سے اپنے ساتھی کی بڑھتی ہوئی رازجوئی سے کھیلتا رہا۔ ابا کباش موعودہ انعام کی رقم بڑھاتا گیا۔ اسے یقین تھا کہ قازق کو اس معاملے سے گہری دلچسپی ہے۔

"اچھا تو پھر۔" خلت نے آہستہ سے کہا۔ "تم یوں کرو کہ آقائے الموت کے پاس جاؤ اور جو خبر تمھیں دیتا ہوں وہ اسے پہنچاؤ۔ مگر صرف آقا

کو سنانا اور کسی کو ہرگز نہ سنانا۔ یہاں آدمی کو جو کچھ مل جائے غنیمت ہے۔ تمھیں جو حاصل ہوگا اس کی قیمت تمھیں یہ ادا کرنی پڑے گی کہ میرے دل میں جو منصوبہ ہے اس پر عمل درآمد میں مجھے مدد دوگے۔ میرا منصوبہ ایک ایسی لڑکی سے تعلق رکھتا ہے جسے حلن ابن شدّاح چاہتا ہے کہ ہر قیمت پر اس کے سامنے حاضر کیا جائے۔"

"میں اپنے عہد کی قسم کھاتا ہوں۔" کُرد نے خوشی خوشی کہا۔ "ایک فدائی کے عہد کی قسم۔ اب تم مجھے وہ خبر سنا دو۔ میں اسے حلن ابن شدّاح تک پہنچا دوں گا۔"

خلت نے سر ہلایا اسے یقین تھا کہ کُرد جو کچھ کہہ رہا ہے وہی کرے گا البتہ اس میں شک کی گنجائش تھی کہ آیا وہ حلن ابن شدّاح کو یہ بھی بتا دے یا نہیں کہ اسے یہ خبر کس سے ملی ہے۔ خلت کو کامل یقین تھا کہ اگر خبر اہم نکلی تو اباکباش اس کی داد خود لینی چاہے گا اور یہی خلت چاہتا تھا۔

"حلن ابن شدّاح سے کہنا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "کہ خلت قازق کو، جسے لوگ بھیڑیا کہتے ہیں، یہ پتا چلا ہے کہ برکہ، یعنی وہ ایرانی لڑکی جسے رشیدالدین نے رودبار سے باہر بھیج دیا تھا، الموت میں موجود ہے۔ یہ ہے وہ خبر جو مجھے حلن ابن شدّاح کو دینی ہے۔ وہ جاننا چاہے گا کہ وہ لڑکی کہاں ہے لیکن تم خاموش رہنا۔ میں اور تم، اس کو حلن ابن شدّاح کے پاس لے جائیں گے اور اگر تم میری مدد کرو تو یہ کام ہو سکتا ہے۔"

کُرد فوراً روانہ ہوگیا۔ اس نے تارزق کی بات کی اہمیت کا اندازہ کرکے یہ تاڑ لیا کہ یہ خبر سن کر آقائے الموت کو بہت خوشی ہوگی چنانچہ جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا ضیافت خانے سے چل دیا۔ ادھر خلت نے بھی اتنی ہی تیز چال سے اس کا تعاقب کیا۔ وہ خود اندھیرے میں رہا لیکن کُرد کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ چنانچہ جب ابا کباش اس چکّر دار زینے پر چڑھنے لگا جو رشید الدین کے کمرے کو جاتا تھا تو اس نے خلت کو نہ دیکھا۔ لیکن خلت نے اسے دیکھا اور بیرونی ایوان کے قریب کھڑا ہوکر انتظار کرنے لگا۔ اگر ابا کباش نے مڑکر دیکھا ہوتا تو جہاں وہ گیا وہاں ہرگز نہ جاتا۔ لیکن اس نے مڑکر نہ دیکھا اور خلت اطمینان سے انتظار کرتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک قرغیز چکّر دار زینے سے آہستہ آہستہ اُترا۔ خلت نے اسے روک کر پوچھا کہ آیا اس نے اس کُرد کو دیکھا ہے جس کا نام ابا کباش ہے۔"

اس نے کہا۔ "ہاں۔ میں نے ابا کباش کو دیکھا ہے۔ وہ منجم کے کمرے میں گیا ہے ..... ان دونوں نے کچھ باتیں کی تھیں۔ میں نے ان کی باتیں سننے کی کوشش کی مگر نہ سُن سکا کیونکہ گفتگو کسی اور زبان میں ہو رہی تھی جس سے میں واقف نہیں۔"

خلت نے قرغیز سے کہا کہ رشید الدین بڑا خطرناک آدمی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ حسن ابن صبّاح سے اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ گفتگو کرتا ہے، نیز اسے حسن ابن صبّاح کا قرب بھی حاصل ہے۔"

مگر قرغیز نے اس سے بھی زیادہ شدّومد سے اس کی تردید کی۔ اس نے کہا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ رشیدالدین حلن ابن شدّاح سے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ گفتگو کرتا ہے۔ البتہ رشیدالدین کتابیں پڑھا کرتا ہے اور کالاعلم بھی جانتا ہے۔ قرغیز کو ان باتوں کا علم اس لیے تھا کہ وہ منجم کے منتخب فدائیوں میں سے تھا۔

زینے کی ایک سیڑھی پر خلت مڑا تو اس نے رشیدالدین کی جگہ اباکباش کو روبرو پایا۔ اباکباش متعجب ہو کر رُک گیا۔

"سنو" اس نے ادھر ادھر دیکھ کر سرگوشی کی۔ "میں نے ابھی حلن ابن شدّاح کو تمھارا پیغام نہیں پہنچایا ہے۔ اس کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں رشیدالدین نے روک لیا اور مجھ سے کہا کہ قازق کو بلا کر لاؤ۔ لیکن دیکھو تمھیں جو کچھ معلوم ہے وہ رشیدالدین کو نہ بتانا۔ تمھیں بھاری انعام دلوانا میرا ذمہ ہے۔ میں قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں۔ ہمیں چاہیئے کہ لڑکی کو ڈھونڈ نکالیں۔ اگر تم جانتے ہو کہ یہ کام کیونکر کیا جا سکتا ہے تو مجھے بتاؤ۔ یہ کام کیا جائے گا اور ضرور کیا جائے گا۔ پھر سن لو! — رشیدالدین کو کچھ نہ بتانا۔

خلت نے کُرد کے الفاظ کو اپنے ذہن میں تول کر یہ اندازہ کرنے کی کوشش کی کہ ان میں کتنی سچائی ہے۔ اسے ان میں بہت کم سچائی معلوم ہوئی۔ وہ منجم سے ملنے کا خواہشمند نہ تھا تاہم فوراً بڑی اکڑ تکڑ سے اور اپنے پاؤں سیڑھیوں پر دھم دھم مارتے ہوئے زینہ چڑھنے لگا۔

منجم کے گول کمرے میں پہنچ کر وہ رُک گیا۔ رات کا وقت تھا اور آرائشی پردوں سے مزیّن دیواروں پر شمعوں کی روشنی پڑ رہی تھی۔ رشید الدین چرمی کاغذ کے پلندوں اور ایسے اوزاروں پر جو خلت نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے، جھکا ہُوا تھا۔ اس کے سامنے فرش پر ستاروں کے نقرئی مثلّث رکھے تھے جن پر نقش و نگار بنے ہُوئے تھے۔ یہ مثلّث ایک دائرے کی صورت میں رکھے تھے۔ اس دائرے کے اندر ایک تھیلا دھرا تھا۔ رشید الدین چپ چاپ بیٹھا ہاتھ گھٹنوں پر باندھے سامنے کی طرف گھُور رہا تھا۔ کمرے کی دیواروں پر جو ریشمی پردے لٹکے ہُوئے تھے ان پر بہت سے مناظر منقوش تھے۔ خلت نے فوراً پہچان لیا کہ یہ حلن ابن شدّاح کی جنت کے مناظر ہیں۔

"بیٹھ جا قزاق!" رشید الدین نے دھیمی مگر گہری آواز میں کہا۔ "میرے سامنے بیٹھ اور میری طرف دیکھتا رہ!"

منجم کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ خلت نے ان میں جھانکا مگر اسے کچھ پتا نہ چلا کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ کمرے میں رشید الدین اور خلت کے سوا اور کوئی نہ تھی۔ خلت نے اپنے دل میں کہا کہ کوئی اور بھی ہوتا تو اچھا ہوتا۔ وہ گھبرا رہا تھا اور اپنے پائپ کو کش کھینچے بغیر چُوس رہا تھا۔

"تاریکی یعنی منکر کے مقام میں" رشید الدین نے کہا۔ "کوئی ستارے نہیں، انسان جیتے جی ستاروں کو تو دیکھ سکتے ہیں، البتہ ایسے بہت کم ہیں

جو ستاروں کے اسرار سے واقف ہیں۔ میں نے انھیں الموت سے دیکھا اور ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ کیوں فراق۔ تیرے ملک میں بھی ستارہ شناس لوگ ہوتے ہیں؟"

"نہیں" خلت نے جواب دیا۔ "ہم لوگ ستاروں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

رشید الدین ستاروں کے مثلثوں کے دائرے کو کچھ سوچتے ہوئے دیکھتا رہا، پھر اپنے پیلے لیکن بہت صاف ستھرے ہاتھوں سے ایک پرکار اٹھا کر ان کے درمیانی فاصلے ناپے۔

الموت میں ہم نے ایرانیوں کی آئینی کتابوں اور مادیوں کے قانونی ضابطوں کو جلا دیا ہے۔ وہ بہت پرانے ہو چکے تھے۔ قدامت کی گرد کوئی تبرک تو نہیں۔ پرانے قوانین میں ایسی کون سی بات ہے جو انھیں لوگوں کے دلوں میں پتھر کی لکیر بنا دیتی ہے؟ ایک نبی نے کہا ہے کہ جو شخص دانت کے بدلے دانت توڑے وہ حق بجانب ہے مگر ایک اور نبی کا کہنا ہے کہ جو شخص اپنے فائدے کی خاطر کسی اور کو نقصان پہنچاتا ہے اس پر عذاب نازل ہوگا۔ ان دونوں باتوں میں سے کونسی سچی ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" خلت نے جواب دیا۔

"قانون یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرے تو مقتول کے بھائی بند اسے قتل کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے الموت کے باہر کی دنیا میں اکثر دیکھا ہے کہ لوگ کسی وجہ کے بغیر ایک دوسرے کو قتل کرتے

ہیں۔ لیکن الموت میں کوئی قتل بلاوجہ نہیں ہوتا۔"

خلت کی آنکھوں تلے اس تاتاری کے خودکشی کرنے کا منظر پھرنے لگا جس کو اسی جگہ جہاں رشیدالدین اس وقت بیٹھا تھا، بلاوجہ اسی کے ہاتھ سے قتل کرایا گیا تھا مگر وہ خاموش رہا۔

"دیکھ!" منجم نے کہا۔ پھر پرکار ایک طرف رکھ کر تھیلا اٹھایا۔ اس کا منہ کھول کر اسے الٹ کر دونوں ہاتھوں سے دائرے کے اوپر تھام لیا اور پھر ٹیڑھا کر کے ریت کی ایک پتلی سی دھار ستاروں کے درمیان خالی جگہ میں گرائی جہاں چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں بن گئیں۔ پھر اس نے تھیلا ایک طرف رکھ دیا اور ان ڈھیریوں کو غور سے دیکھنے لگا۔

"ستاروں کے بھی قانون ہیں۔" رشیدالدین نے پرکار سے ریت پر بہت ہی آہستہ آہستہ دائرے بناتے ہوئے کہا۔ "اور میں ان سے واقف ہوں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ حکمت کا حاصلِ جمع صفر ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے کہ حسن وہی ہے جو لوگوں کو مسحور کر دے۔ ستارے انسانوں کی بدکاریوں اور بیہودگیوں کا تماشا دیکھتے ہیں۔ جو شخص ستاروں کا علم رکھتا ہے وہ ان سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ لے میں تجھے بتاتا ہوں کہ مجھے تیرے بارے میں کیا معلوم ہوا ہے۔"

"ہاں، بتا!" کہہ کر خلت نے اپنی گھنی بھوؤں تلے سے رشیدالدین کی طرف دیکھا۔

رشیدالدین جادوگر تھا اور خلت کا عقیدہ تھا کہ جادوگروں کا اعتبار

نہیں کیا جا سکتا۔ کیا منجم اس سے شطرنج کے مہرے کی طرح کھیل رہا ہے؟ ابا کباش نے رشید الدین کو کیا بتایا ہے؟ خلت نے نہ ستاروں کی طرف توجہ کی نہ ریت کی طرف بلکہ منجم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انتظار کرنے لگا کہ وہ آگے کیا کہتا ہے۔

"تو یوکرین کی سرزمین سے آیا ہے خلت!" منجم نے کہا۔ "تو اکیلا تھا۔ استراخان میں تیری توقمتش سے ملاقات ہوئی۔ استراخان میں ایک فدائی بھی تھا جو اب مر چکا ہے۔ تو اور یہ گیدڑ توقمتش تم دونوں نے اس کی چھت کے نیچے قیام کیا۔ پھر تم دونوں اس کے ساتھ ایک جہاز پر سوار ہوئے۔ جہاز پر فدائی کو قتل کر دیا گیا۔ بھیڑیا بھوکا تھا، ہونہہ! میں نے ستاروں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ جہاز پر تم لوگوں کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ وہ تمھارے ساتھ الموت نہیں آئی؟"

خلت نے کوئی جواب نہ دیا۔ رشید الدین ریت کو ہلاتا رہا۔

"وہ لڑکی ایسی لڑکی نہیں ہے جسے بھول جانا آسان ہو۔ تو اسے نہیں بھولا۔ تیرا گیدڑ مدہوش ہے۔ لیکن تو عقل کی بات کان دھر کر سن سکتا ہے۔ وہ لڑکی الموت میں موجود ہے اور اسے ڈھونڈ نکالنا ممکن ہے۔ مگر یہ کام کوئی ایسا شخص ہی کر سکتا ہے جو اسے جانتا ہو اور اسے ہزاروں کنیزوں میں پہچان لے۔"

خلت نے اپنے پائپ کی راکھ جھاڑی۔ اس نے آنکھ کے ایک گوشے سے دیکھا کہ اس کے پیچھے پردوں کو حرکت ہوئی ہے۔ وہ خوب جانتا تھا کہ

رشید الدین کا مخفی کمرہ پُر خطر مقام ہے۔ یہ زرد رُو منجّم لوگوں کی جانوں سے بھی ایسے ہی کھیلتا ہے جیسے جادو کی ریت سے کھیل رہا ہے۔ خلت بے حرکت بیٹھا منتظر رہا۔

اور جو کچھ ہونے کو تھا وہ بجلی کے کوندے کی طرح ظہور میں آیا۔ ایک شعلہ بھڑکا اور ریت چھت کی طرف اچھلی۔ خلت کی آنکھوں اور منہ میں بارود کا دھواں اور بدبو گھس گئی۔ اس کا چہرہ جلنے لگا اور وہ آنکھیں جھپکتا اور ہانپتا ہُوا تیورا کر زمین پر بیٹھ گیا۔

"بھیڑیا صحرا کا خوگر ہے۔" منجّم نے خُرخُر کرتی ہوئی بلی کی سی آواز میں کہا۔ "لیکن الموت میں آگیا ہے، جو گیدڑ کا آشیانہ ہے۔ یہ بہت بری بات ہوئی ہے۔ اور لڑکی بھی غائب ہے۔ شاید اسے ڈھونڈ نکالنا ممکن ہے۔"

بارُود کے دھوئیں کے چھٹتے ہُوئے بادلوں میں سے رشید الدین کا چہرہ خلت کو گھُور رہا تھا۔ خلت کی آنکھوں سے تکلیف کے مارے آنسو نکل رہے تھے۔ اس نے وہ آنسو پونچھے، پھر جلدی جلدی صورتِ حال پر غور کیا۔ ظاہر تھا کہ رشید الدین برکہ کا متلاشی ہے۔ حلن ابنِ شدّاح اس کی بھاری قیمت دینے کو تیار ہو گا کیونکہ وہ خطرناک بھی ہے اور اَور لڑکیوں سے مختلف بھی۔

"ہاں۔" اس نے کھانستے ہُوئے کہا، کیونکہ شعلے اس کا منہ جھلس رہے تھے۔ "اُسے ڈھونڈ نکالنا ممکن ہے۔"

کل سب فدائی حلن ابن شدّاح کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ ان

میں وہ لڑکی بھی ضرور ہوگی۔ میں تجھے شام سے پہلے بلاؤں گا۔ اگر تو نہ آیا تو خدائی تیری ہڈیاں ایک ایک کر کے پتھر دل سے توڑ دیں گے یا تیری پیٹھ کی کھال کھینچ لیں گے۔"

خلت، آداب بجا لائے بغیر فرش سے اُٹھا۔

"کیا ستاروں کا میرے لیے کوئی اور پیغام بھی ہے؟" اس نے پوچھا۔

رشید الدین آنکھیں آدھی میچ کر ایک طویل لمحے تک خلت کو دیکھتا رہا اور بار بار دکی راکھ پر ستاروں کے دائرے میں پرکار سے دائرے بناتا رہا۔ ادھر خلت دل ہی دل میں اپنے کو کوستا رہا کیونکہ رشید الدین کی آنکھوں میں ایک حریف کی سی کیفیت تھی۔ خلت نے اپنے کو خواہ مخواہ منجم کی توجہ کا مرکز بنا لیا تھا۔

گول کمرے سے نکل کر خلت نے اباکباش کو ڈھونڈ نکالا اور اس سے یہ وعدہ لیا کہ اگلی رات اسے اور تونتمش کو سنتریوں میں شامل کیا جائے گا کیونکہ ان سنتریوں کو الموت کی جنت میں داخل ہونے کا خصوصی حق حاصل تھا۔ اس سے یہ کام کرانے کے لیے ضروری تھا کہ اسے یہ یقین دلایا جائے کہ برکہ کو ضرور ڈھونڈ نکالا جائے گا۔ اباکباش نے ایک بار پھر وعدہ کیا کہ خلت کو بھاری انعام ملے گا۔ خلت نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ شخص بڑا چرب زبان ہے اور وعدے کرنے میں بھی بڑا مشاق ہے۔

اس کے بعد خلت تونتمش سے ملا اور حلن ابن شداح کے باغ میں جو کچھ ہوا تھا اس کی صرف اتنی کیفیت اس سے بیان کی جتنی اسے

بدمست ہونے سے روکنے کے لیے ضروری تھی۔ یہ کام کر چکنے کے بعد خلت ضیافت خانے کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا اور اپنی تلوار نکال کر گھٹنوں پر رکھ لی۔ وہ سان کا پتھر ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا چنانچہ اس پر تلوار کی دھار تیز کرنی شروع کر دی۔ آس پاس کے لوگ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے، خاص کر اس لیے کہ وہ بے سُری آواز میں گنگنا بھی رہا تھا۔

رشید الدین اپنے سیمیں ستاروں کے دائرے پر بیٹھا بارود کی راکھ پر شکلیں بناتا اور ان کی نوک پلک درست کرتا رہا۔ اس کا چہرہ اضطراب کی تصویر بنا ہوا تھا۔

۱۲

دیوان یعنی رفیقوں کے اجتماع کا وقت آیا اور حلن ابن شدّاد کے حجروں کے کواڑ کھل گئے۔ اس کے پیرو جوق در جوق آئے۔ ایران کے کوہستانی، صحرائے قرغیز کے باشندے اور سلطان السلاطین یوسف کے ینی چری۔ اس مجمع میں رشید الدین کے جاردگر بھی تھے، سفید چوغے پہنے اور سرخ کمربند باندھے ہوئے اور ان کے ساتھ طلائی اور سفید عبائیں پہنے ہوئے داعی بھی تھے۔ ان میں خلت بھی تھا اور قرغیز سردار ابا کباش بھی جو سائے کی طرح خلت کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

یہ ہجوم بڑی خاموشی سے قدم بڑھا رہا تھا۔ خلت نے حیران ہو کر قرغیز سے اس کی وجہ دریافت کی۔ جواب ایک بغلی گھونسے کی صورت

ہیں ملا۔

"تو نرا احمق ہے،" قرغیز سردار نے غصّے سے کہا۔ "عجیب چیزیں دیکھ کر گدھے کی طرح رینک رہا ہے۔ ہم اس وقت شدنہ کے گونجنے والے کمروں میں سے گزر رہے ہیں جو علاؤالدین نے بنائے تھے۔ سن!" اور اس نے اونچی آواز سے کہا۔ "آئے۔"

اس آواز کی بازگشت فوراً غلام گردشوں میں گونجی۔ خلعت اور قرغیز کے آس پاس کے جو لوگ تھے انھوں نے قرغیز کو بُری طرح گھُورا اور زیرِ لب کوسا بھی۔ خلعت نے دیکھا کہ غلام گردشوں کی چھتیں اونچی اور گنبد نما ہیں اور ان کے ستون پتھر کے ہیں۔

"کہتے ہیں" قرغیز نے اپنے اس تجربے سے خوش ہو کر سرگوشی کی "کہ رشید الدین کے زمانے سے پہلے، جب رفیق اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے یہ حجرے عبادت کے لیے مخصوص تھے اور یہاں ایک کلمے سے ہزار کلمے پیدا ہوتے تھے۔"

"اور اب؟"

"اب ہم اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔"

قرغیز لوگوں کے کنپٹیاں مار مار کر راستہ بناتا ہوا آگے بڑھ کر خلعت کے ساتھ ایک ایسی جگہ تک جا پہنچا جہاں سے دیوان کا پورا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ایک بڑے کمرے کے وسط میں ابن سدراح کھڑا تھا۔ وہ اپنے لمبے قد اور لبادے سے، جس نے اس کے چہرے کو ڈھک رکھا تھا

نمایاں نظر آرہا تھا۔ اس کے اردگرد چند ایسے لوگ تھے جو بھاری بھاری پگڑیاں باندھے اور زر دوزی کے کام کی سبز عبائیں پہنے ہوئے تھے۔ خلت سمجھ گیا یہ کہ سب داعیانِ کبیر یعنی آقائے الموت کے سفیر ہیں۔ رشید الدین آقا کے پہلو میں کھڑا تھا۔

یہ سب لوگ ایک ایسی زبان میں نیچی آواز سے گفتگو کر رہے تھے جس سے خلت واقف نہ تھا۔ غالباً وہ بازگشت کے اندیشے سے اونچی آواز میں باتیں نہیں کر رہے تھے۔ خلت نے ہجوم کا جائزہ لیا۔ یکایک اس کی نگاہ ایک جگہ رُک گئی۔ داعیوں کے گروہ میں رشید الدین سے دو قدم کے فاصلے پر، اپنے نیلے لبادے کو اپنے دُبلے پتلے جسم پر لپیٹے ہوئے برکہ کھڑی تھی۔ اس کے کالے کالے بال لبادے کی ایک تہہ کے نیچے چھپے ہوئے تھے، اور بھوری بھوری آنکھیں لمبی لمبی پلکوں کے سائے میں سے رفیقوں کے مجمعے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ جب خلت کی آنکھوں سے چار ہوئیں تو بے تعلقی سے آگے بڑھ گئیں۔ پھر بھی خلت کا احساس یہی تھا کہ برکہ نے اسے دیکھ لیا ہے۔

وہاں اور کوئی عورت نہیں تھی۔ خلت نے دیکھا کہ بہت سے لوگوں کی نگاہیں برکہ پر بار بار پڑ رہی ہیں۔ اس نے قرغیز کا کندھا چھُوا۔ "کیا لوگ اس عورت کے بارے میں کچھ کہہ سُن رہے ہیں؟" خلت نے آہستہ سے پوچھا۔ قرغیز سردار تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر اُس نے جواب دیا۔ "ہاں! یونہی باتیں بنا رہے ہیں، یہ عورت

ایک پہاڑی سردار کی بیٹی ہے۔ قیراغائی خان سے شادی کے لیے اس کے پاس بھیجی گئی تھی۔ یہ بھی ایک لطیفہ تھا، کیونکہ قیراغائی خاں کے رفیقوں سے اچھے تعلقات نہیں ہیں۔ عورت کہتی ہے کہ اسے جہیز کے بغیر بھیج دیا گیا تھا۔ اب وہ جہیز طلب کرنے آئی ہے۔"

"اسے جہیز ملے گا یا نہیں؟"

"کیا شیر اپنے مارے ہوئے شکار کو چھوڑ دیا کرتا ہے؟ نہیں قزاق! تو بڑا ناسمجھ ہے! حلن ابن شدّاخ ایسے کھیل نہیں کھیلا کرتا۔ سردار کی بیٹی کنیزوں میں داخل کی جائے گی۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔"

"لیکن قانون تو یہ نہیں ہے!"

"الموت میں ایک ہی قانون ہے اور وہ ہے حلن ابن شدّاخ کا حکم۔ ایک اور قانون یہ بھی ہے کہ ہر زیادتی کا بدلہ خمیدہ خنجر کے ذریعے لیا جائے۔"

خلت نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ اور جو کچھ سنا تھا اس پر غور کرتا رہا۔ اس نے خود سے پوچھا تو کیا رشید الدین نے حسبِ وعدہ برکہ کو ڈھونڈ نکالا ہے یا برکہ اپنی خوشی سے حلن ابن شدّاخ کے حضور میں آئی ہے؟ کیا وہ اس شخص کی مکاری اور ستم کیشی کو بھول گئی جس نے اسے بے عزت کیا تھا؟ غالباً اس لڑکی کی خودداری نے اسے دادخواہی پر مجبور کر دیا ہے، اس امید پر کہ اسے جہیز دیا جائے گا۔ لیکن خلت کو یقین تھا کہ برکہ کے باپ کو جس طریقے سے قتل کیا گیا وہ اسے ہرگز نہ

بھولی ہو گی۔ خلت مردوں کی باتوں کے معاملے میں تو دانشمند تھا لیکن اس لڑکی کا دل اس کے لیے ایک سربستہ راز تھا۔ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑا کر تو فنمش کو تلاش کیا لیکن تاتاری کا کہیں پتہ نہ تھا۔

ادھر رشید الدین برکہ سے باتیں کر رہا تھا۔

خلت نے فرغیز سے پوچھا "منجّم نے لڑکی سے کیا کہا ہے؟"

"بڈھا بڑا کائیاں ہے" فرغیز نے کہا۔ "اس نے جادو کا علم وہاں سیکھا ہے جہاں بابل کے دوزخ میں مردک اُلٹا لٹکا ہُوا ہے۔ اس نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ اس جیسی حسین صُورت اور دلکش قد و قامت کی لڑکی کو جہیز کی کیا ضرورت ہے؟"

برکہ نے، جو خطرے سے بے پروا معلوم ہو رہی تھی، اپنا سیاہ سر اٹھایا اور تیز آواز میں جواب دیا جس سے گونجیں پیدا ہوئیں۔

"ارے! اس کی زبان تو بڑی دراز ہے۔" فرغیز نے کہا۔ "کہتی ہے اس کے حُسن نے قیراغائی خان کے دل پر وہی اثر کیا تھا جو ہوا آگ پر کرتی ہے۔ خان اسے چاہتا تھا لیکن خود اس نے خان کی بیوی بننا گوارا نہ کیا کیونکہ حلن ابن شدّاح نے اس کے ساتھ جو دھوکا کیا تھا اس کی وجہ سے اس کا سر شرم سے جُھک گیا تھا۔ اس لیے اب وہ آقائے الموت سے جہیز مانگنے آئی ہے۔ اس کے باپ کے مرنے کے بعد آقائے الموت ہی اس کا والی وارث ہے۔"

دیو ہیکل حلن ابن شدّاح برکہ کی طرف مڑا اور خلت کو کان ہلانے والی

ایک عجیب آواز سنائی دی۔ وہ ایک بار پھر اپنے دل میں حیران ہو کر سوچنے لگا کہ یہ دیوقامت اور بلند آواز شخص کس قسم کا آدمی ہے!

"حلن ابن شدّاخ" قرغیز نے سرگوشی کی۔ "یہ کہہ رہا ہے کہ برکہ الموت کی ملکیت ہے۔ وہ الموت واپس آگئی ہے اور اب اسے یہیں رہنا ہوگا۔"

خلت کے ذہن میں الموت کی جنت کا نقشہ تازہ ہو گیا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ ہجوم میں جو فدائی تھے ان کی آنکھیں لڑکی کے نازک بدن کو دیکھ کر، جس کے خطوط اس کے نیلے لبادے میں سے ظاہر ہو رہے تھے اتنی چمک کیوں رہی تھیں!

"لڑکی نے دادرسی چاہی ہے؟" خلت نے پوچھا۔ "یہ دادرسی ہونی چاہیئے۔"

"نہیں ہونی چاہیئے۔" قرغیز نے بے پروائی سے کہا۔ "اس کا باپ حلن ابن شدّاخ کے حکم سے قتل کیا گیا تھا اس لیے اس کا اعتبار کیونکر کیا جا سکتا ہے؟"

خلت خاموش رہا کیونکہ برکہ کی آنکھیں اس کی آنکھوں سے ملی تھیں۔ ان میں تشویش تھی جو خطرے کی اطلاع دیتی تھی۔ اس کی نظر آہستہ آہستہ رشیدالدین کی طرف گئی اور لوٹ آئی، ایک بار نہیں، دو بار۔ خلت نے دیکھا کہ منجم کمرے سے باہر جانے کے لیے مڑا ہے۔

خلت نے اپنے دل میں کہا کہ شیخ کی لڑکی سچ مچ بہادر اور خوددار ہے۔ وہ اس کی آنکھ کے اشارے کی تعمیل میں قرغیز سے پیچھا چھڑا کر رشیدالدین

کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

رشید الدین روشنی کا انتظار کیے بغیر جلدی جلدی ایک غلام گردش میں چل دیا۔ خلت نے اس کا تعاقب کیا مگر اس کے اتنے قریب نہ رہا کہ وہ مڑ کر دیکھے تو اسے پہچان لے۔ تھوڑی دیر بعد دونوں رک گئے۔

غلام گردش میں سے ایک آواز آئی جو، معلوم ہوتا تھا بہت قریب سے آئی ہے۔

"آدمی کو چاہیے" یہ برکہ کی آواز تھی "کہ جب خطرہ اس کا راستہ روکے کھڑا ہو تو ہوشیاری اور دانائی سے کام لے۔ ورنہ اس کی محنت اکارت جائے گی"

خلت نے حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ اس لمحے یہ بھول گیا تھا کہ علاؤالدین کی غلام گردشوں میں آواز گشت کرتی ہے۔

۱۳

رشید الدین نے سیدھے اس چکر دار زینے کا رخ کیا جو اس کے حجرے کو جاتا تھا۔ خلت، جو منجم کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ زینے کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔ اس سے آگے جاتا دیکھے جانے کے خطرے میں پڑے بغیر ممکن نہ تھا۔ اور خلت یہ نہیں چاہتا تھا کہ منجم اسے دیکھے۔ اسے یقین تھا کہ رشید الدین کے آدمی اس کی نگرانی کر رہے ہیں اور قرغیز سردار رشید الدین کے حکم سے ہی دیوان میں اس کے ساتھ گیا تھا۔

ضروری تھا کہ خواہ کسی قیمت پر بھی ملے مگر اس رات اسے اپنا کام کرنے کا پورا موقع مل جائے۔

خلت کو خیال گزرا کہ غالباً رشید الدین کا ماتھا ٹھنک گیا ہے۔ الموت کا جادوگر قلعے کے تمام حالات اور واقعات سے اپنے آپ کو کسی نہ کسی طرح ضرور باخبر رکھتا ہے۔ اس کے مخبر ہر جگہ موجود ہیں۔ بوکہ اور خلت دونوں زیر نگرانی ہیں۔ لیکن توقمش کہاں ہے؟

خلت نے گول زینے کے نچلے سرے کے قریب زیادہ دیر انتظار نہ کیا۔ جس گول حجرے میں رشید الدین کے خاص ملازم رہتے تھے اس تک پہنچنے کے اور راستے بھی تھے۔ قازق نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر ایک راستہ معلوم کر ہی لیا۔ یہ ایک گزرگاہ تھی جو اوپر کی طرف جاتی تھی۔ جدھر خلت کو جانا تھا اُدھر گزرگاہ میں کوئی روشنی نہ تھی۔ چنانچہ خلت اس گزرگاہ میں چل پڑا اور چلا چل ایک پردے کے قریب پہنچ گیا جو اس کے خیال میں منجم کے حجرے کو گزرگاہ سے علیحدہ کرتا تھا۔ پردے کے اُس طرف سے آوازیں آ رہی تھیں۔

خلت نے پردے کا ایک سرا اٹھا کر حجرے میں نظر دوڑائی۔ وہاں شمعوں کی روشنی اتنی تیز تھی کہ لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھیں چُندھیا گئیں اس کے بعد اسے یہ دکھائی دیا کہ حجرے میں بارہ آدمی بیٹھے ہیں جنھوں نے جادوگر کے پیروؤں کی سُرخ و سفید وردی پہن رکھی ہے مگر ان میں رشید الدین نہ تھا۔ ان لوگوں نے ایک آدمی کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا جو

اوندھا پڑا تھا۔ اور یہ آدمی توقمش تھا۔

اس کی عبا اور قمیض اُتار لی گئی تھیں۔ دو فدائی اس کے بازو دبائے بیٹھے تھے۔ توقمش کا سینہ سُرخ ہو رہا تھا اور وہ اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے اُسے بڑی سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ اس کا سانس لمبی اور ٹوٹتی ہوئی ہچکیوں کی شکل میں چل رہا تھا۔ ہر ہچکی سے اس کا بدن سر سے پاؤں تک ہل جاتا تھا۔

ایک فدائی نے جو ایک لمبا تڑنگا چیچک رُو تاتاری تھا بھورے رنگ کی تھوڑی سی مٹی توقمش کے سینے پر رکھی۔ خلت نے پہچان لیا کہ یہ وہی مٹی ہے جس سے اس کا چہرہ اس وقت جُھلسا تھا جب وہ رشید الدین کے رُوبرو بیٹھا تھا۔

خلت پردے کو جھٹکے سے ہٹا کر کمرے میں داخل ہُوا۔ فدائیوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ وہ غالباً یہ سمجھے کہ رشید الدین کا کوئی آدمی ہے جو گزرگاہ میں تعینات تھا لیکن توقمش نے نظریں اٹھائیں تو خلت کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی آگئی۔ خلت نے دیکھا کہ توقمش کی پیشانی پسینے سے شرابور ہے اور اس کے منہ سے خون نکل رہا ہے۔

چیچک رُو تاتاری نے تھوڑا سا بھورا سفوف اُٹھا کر اس کے سینے پر بُرک دیا۔ ایک اور آدمی نے اسے ایک مشعل تھما دی۔ اب خلت کی سمجھ میں آیا کہ اس کے ساتھی کو اذیت دی جا رہی ہے۔ توقمش رشید الدین کے ستم کا نشانہ بنا ہُوا تھا۔

خلت فدائیوں کے قریب گیا اور اس نے جھک کر توقتمش کا معائنہ کیا۔ اب اسے معلوم ہوا کہ تاتاری کے سینے پر جو عجیب سی سرخی اس نے دیکھی تھی وہ کیا تھی۔ اس کے پھیپھڑوں کے اوپر کھال کی دھجیاں اڑا دی گئی تھیں اور بارود اُن کے اُوپر رکھ کر اسے جلایا جا رہا تھا۔ خلت کا ہاتھ اپنی تلوار کی طرف بڑھا لیکن درمیان ہی میں رُک گیا۔ فدائی پورے ایک درجن تھے اور ہر ایک مسلح اور ہٹا کٹا تھا۔ تلوار نکالنے کے معنی یہ ہوتے کہ دس آدمی اس پر بیک وقت ٹوٹ پڑتے۔

خلت کو توقتمش سے کوئی محبت نہ تھی۔ لیکن اسی کمرے میں توقتمش اپنی تلوار کھینچ کر اس کے دوش بدوش کھڑا ہُوا تھا اور پھر انھوں نے ایک ہی رکابی میں نان و نمک بھی کھایا تھا۔ توقتمش اس اذیت کو اس بہادری سے برداشت کر رہا تھا جو اس کا دین و مذہب تھی۔ اذیت سہنے والے کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ خلت اس کے نزدیک جُھک گیا۔

"خان اُوردو قیراغائی خان کو" پھٹے ہُوئے ہونٹوں میں سے آواز آئی "بتا دینا۔ خون کا بدلہ خون ہے۔ ہم نے ایک ساتھ روٹی کھائی ہے اور نمک بھی اور ایک ہی بوتل سے عرق پیا ہے۔ اسے ضرور بتانا"

قارق نے سر ہلا کر وعدہ کیا۔ توقتمش اس سے یہ کہہ رہا تھا کہ وہ قیراغائی خان کو جو اس وقت اپنے شہسواروں کو ساتھ لیے الموت پر چڑھائی کر رہا ہے یہ بتا دے کہ توقتمش نے کس بہادری سے اذیتیں برداشت کی ہیں تاکہ وہ انتقام لے۔ توقتمش کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ اب

اسے زندہ رہنے کی کوئی امید نہ تھی۔

"یہ کتا کیا بھونک رہا ہے؟" اس فدائی نے جو مشعل تھامے ہوئے تھا اور توقتمش کے الفاظ سننے کی کوشش کر رہا تھا، خلت سے پوچھا۔ خود اس کی بولی ددغلی سی تاتاری تھی جسے وہ تتلا کر بول رہا تھا۔ "اسے سچی بات اگلنی پڑے گی۔ رشیدالدین کا حکم یہ ہے کہ نہ بتائے تو اسے الٹا لٹکا دیا جائے۔"

خلت نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "اس کا تو دماغ خراب ہو چکا ہے۔ کیا بات اگلوانی چاہتے ہو؟"

اس نے کھاری سمندر کے کنارے ایک شامی فدائی کے سینے میں خنجر گھونپا تھا۔ اس وقت شیخ کی لڑکی برکہ بھی وہاں موجود تھی۔ اس زرد احمق کو یہ بتانا ہوگا کہ آیا اس نے فدائی کو برکہ کے حکم سے قتل کیا تھا؟ توبہ! اس کی کھال آدمی کی کھال ہے یا بیل کی! اس کا گوشت تو سور کے گوشت کی طرح ہے جس پر کسی چیز کا اثر ہی نہیں ہوتا۔"

"تو اس نے کچھ نہیں بتایا؟"

"نہیں"۔ رشیدالدین نے خود بھی اس سے سوالات کیے لیکن اس نے گالیاں بکنے کے سوا اور کچھ نہ کہا۔

خلت نے توقتمش کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اس کی زرد کھال کالی پڑ گئی تھی اور پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں سُرخ ہو گئی تھیں اور آدھی بند تھیں۔ منہ حقارت سے بگڑا ہوا تھا اور نکیلے دانت

جانور کے دانتوں کی طرح منہ کے باہر نکلے ہوئے تھے۔ خلعت کو یقین تھا کہ توقتمش ہتھیار نہیں ڈالے گا۔ اس کے دل میں اس شخص کے لیے جو اذیتوں کے باوجود اپنا راز ظاہر نہیں کر رہا تھا، محبت اُمڈ آئی۔ کیونکہ وہ خود بھی اسی طرح کا انسان تھا اور اسی لیے لوگ اسے بھیڑیا کہتے تھے۔

"ہاں" اس نے غرا کر کہا۔ "خون کا بدلہ خون ہے۔ یہی الموت کا قانون بھی ہے۔ قیراغائی خان کو تمھارا پیغام پہنچا دیا جائے گا۔"

توقتمش نے فوراً آنکھیں کھول دیں جس سے خلعت سمجھ گیا کہ توقتمش نے اس کے الفاظ سن لیے ہیں۔

"تم کیا کہہ رہے ہو؟" فدائی نے پوچھا۔ قیراغائی خان کون ہے؟"

توقتمش کی گٹھیلی انگلیاں اپنے جلّادوں کے ہاتھوں تلے اینٹھنے لگیں۔ اس نے ایک اور فدائی پر خون ملا جھاگ تھوکا۔

"ہاں اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ "قیراغائی خان! پانچ ہزار برچھوں کا سردار! ایک سو جھنڈوں کا مالک!

خلعت نے توقتمش کی بات کاٹ کر فدائی سے کہا۔ "وہ ایک شخص ہلاکو خان نامی کا ذکر کر رہا ہے جس نے الموت کو تباہ کیا تھا۔ جاؤ رشیدالدین کو بتا دو اور اسے اور اذیت نہ دو، کیونکہ اس شخص کو بتانے کے قابل کوئی بات معلوم نہیں ہے۔"

فدائی نے خلعت کو شبہے کی نظر سے دیکھا۔

"نہیں" اس نے غصّے سے جواب دیا۔ "تو چاہتا ہے کہ ہم کُتے لٹکا

دیے جائیں؟"

یہ کہہ کر اس نے بارود کو مشعل دکھا دی۔ ایک شعلہ اٹھا، گوشت کے جلنے سے بُو پیدا ہوئی۔ تو تمش کا جسم تشنج سے لرزنے لگا، پھر وہ ڈھے گیا اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

بارود کے شعلوں اور دھوئیں کی آڑ لے کر خلت پیچھے ہٹا اور زینے کی طرف چل دیا۔ زینے پر پہنچ کر وہ اس وقت تک رُکا جب تک زمین دوز قلعے کے اندرونی دروازے تک نہ جا پہنچا، جہاں ایک داعی اپنے آدمیوں کو دریائی دروازے کی پاسبانی کے لیے جمع کر رہا تھا۔

جب خلت زینے سے اُتر کر دریائے شاہرود کی چوکی پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کا ساتھی ڈاڑھی والا قرغیز سردار ہے۔

قلعۂ الموت کے اردگرد پہرے کی بیرونی چوکی چٹانوں کے ایک چھوٹے سے جھرمٹ میں دروازے سے کئی سو قدم دُور دریا کے بیچوں بیچ تھی۔ دریا اتنا پایاب تھا کہ آدمی پانی میں چل کر چٹانوں تک پہنچ سکتے تھے۔ قرغیز آگے آگے چل رہا تھا۔

ابھی آدھی رات نہیں ہوئی تھی۔ چمکتے دمکتے چاند نے شاہرود کو، جو رود بار کی چٹانی بلندیوں میں فیتے کی طرح بَل کھاتا ہُوا بہ رہا تھا، روشن کر رکھا تھا۔ الموت ایک سیاہ تودے جیسا دکھائی دے رہا تھا اور بدی کی جو دنیا اس میں پنہاں تھی اس کے زندہ ہونے کی کوئی علامت نظر نہ آتی تھی۔ پہاڑیوں سے آنے والی ہوا نے خلت کے چہرے کو تھپتھپایا

اس نے ایک گہرا سانس کھینچا، کیونکہ غاروں کی بدبو سے اس کا جی متلانے لگا تھا۔

"تم اور میں" قرغیز نے چٹانوں کی ایک، کگر پر بیٹھ کر خلت سے کہا کیونکہ اس نے خوب شراب پی رکھی تھی۔ "باہر کی چوکی پر پہرہ دیں گے۔"

"ہاں" خلت نے کہا "تم اور میں۔"

دریا پر چاندنی کی رو پہلی دھند چھائی ہوئی تھی۔ خلت نے اس دھند کے پردے میں سے جھانکنے کی کوشش کی۔ برکہ نے ان سے کہا تھا کہ تم اور زتوفتمش باہر کی چوکی پر پہرہ دینا۔ کسی نامعلوم سمت سے قیراغائی خان کے شہسوار الموت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ خلت جانتا تھا کہ اگر حملہ اچانک نہ کیا گیا تو قلعہ فتح کرنا ممکن نہ ہوگا۔ البتہ یہ ہوسکتا تھا کہ تاتاری اچانک حملہ کر دیں اور قلعے کے دروازے تک پہنچ جائیں۔ برکہ نے کہا تھا کہ قلعے میں داخل ہونے کا ایک ہی راستہ ہے۔ اور وہ راستہ یہی تھا۔ لیکن اچانک حملہ اس صورت میں کامیاب ہوسکتا تھا جب قرغیز سردار سے پیچھا چھڑایا جائے۔ اس نے شراب تو بہت زیادہ پی رکھی تھی، لیکن پھر بھی چوکنا تھا۔ فازق کی کوئی حرکت اس کی نظر سے چھپی نہ رہ سکتی تھی۔

خلت نے نہایت، خاموشی سے ایک، چھوٹی سی شیشی نکالی اور اس میں سے ایک سفید سفوف کی تھوڑی سی مقدار اپنی ہتھیلی پر لی۔ پھر اس نے یوں ظاہر کیا جیسے یہ سفوف پھانکنے کو ہے۔ قرغیز آگے کو جھکا۔

اس کے چہرے پر چمک سی آ گئی۔

"تمھارے پاس ـــ" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہاں" خلت نے دوستانہ انداز سے آہستہ سے کہا۔ "آؤ! ان چٹانوں پر آرام سے وقت گزارنے کا کچھ سامان کر لیں۔ کیا رفیقوں کی روٹی کھانا اور شدرنہ کی شراب پینا منع ہے؟ لو!"

قرغیز نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ شدرنہ کی شراب رفیقوں کو کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ اکثر ملتی رہتی تھی۔ لیکن حشیش کا خاص سفوف، جس سے جنت کے روشن خواب آتے تھے اور دماغ مسرت سے اونگھنے لگتا تھا، جو الموت کے لوگوں کی روحوں میں شقاوت اور ان کے ہاتھوں میں خنجر زنی کی فولادی قوت پیدا کرتا تھا۔ وہ آقائے الموت کی خاص خاص مہموں کے موقعوں پر یا داعیوں کو بھاری رشوتیں دے کر مل جاتا تو مل جاتا، ورنہ اور کسی صورت دستیاب نہ ہوتا تھا۔ خلت نے اس حشیش کا راز اباکباش کی بڑ سے معلوم کیا تھا۔

اس نے اپنے حصّے کی حشیش چپکے سے شیشی میں واپس ڈال لی۔ مگر اباکباش کو تھوڑی سی کھلا دی۔ اسے معلوم تھا کہ قرغیز بعد میں اور مانگے گا اور اس کے پاس حشیش تھوڑی ہی ہے۔

۱۴

تھوڑی دیر بعد خلت اکیلا پہرہ دے رہا تھا۔ قرغیز اس کے قریب

چٹان پر لیٹا ہوا تھا اور آپ ہی آپ باتیں کر رہا تھا، کیونکہ اس کے جسم میں اتنی حشیش پہنچ گئی تھی جو ایک اچھے بھلے آدمی کو ضعیف العقل بنا دینے کے لیے کافی تھی۔ خلت اپنی تلوار گھٹنوں پر رکھے بیٹھا تھا اور جو پہاڑیاں اس کے سر کے عین اوپر تھیں ان کے ان حصوں پر نظر جما رکھی تھی جن پر چاندنی پڑ رہی تھی۔ اسے چٹانوں کی ڈھلانوں پر گھوڑوں کے گلے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ سوچنے لگا کیا داعی کسی مہم پر جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں؟

خلت شگون لینے کا قائل نہیں تھا۔ پھر بھی الموت، جو اس کے پیچھے ایک سیاہ تودے کی طرح کھڑا تھا، اس کے دل میں وسوسے پیدا کر رہا تھا۔ جب اس نے ان سایوں کو غور سے دیکھا جو دریا کے کنارے دکھائی دے رہے تھے تو وہ یوں حرکت کرتے نظر آئے گویا حشیش کے ماتے فدائیوں کے جتھے ہیں۔ خلت کے دل میں یہ خیال خاص طور پر رہ رہ کر آ رہا تھا کہ کہیں رشید الدین کے جاسوس اس کی نگرانی تو نہیں کر رہے۔ رشید الدین کو شامی کے قتل کا پتا چل گیا تھا۔ اس نے تاڑ لیا تھا کہ اس میں برکہ کا ہاتھ تھا اور برکہ کے ساتھ تو قتمش کا جو تعلق تھا اس کا بھی اندازہ کر لیا تھا۔ تو قتمش کو اس کے حکم سے اتنی بے رحمی سے اذیت پہنچائی گئی کہ ممکن تھا اس کی ہمت جواب دے جاتی۔ سوال یہ تھا کہ برکہ کا بھید منجم کو کس حد تک معلوم ہے؟ یہ ظاہر تھا کہ خطرے کا اعلان ہوتے ہی ایک ہزار تلواریں دریائی دروازے والے زینوں کا راستہ روک

دیں گی۔ اور غلاموں کو اوپر لانے کی کلیں ہٹالی جائیں گی۔ بظاہر کسی قسم کی سرگرمی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ لیکن فدائیوں کی نقل و حرکت کا کسی کو پتا کب چلا کرتا تھا۔ تاتاری شہسواروں کو صحرا میں لڑائیاں لڑنے کا تجربہ تھا اس لیے خلت کو یقین نہ تھا کہ وہ الموت جیسے قلعے کو فتح کر سکیں گے۔

اس نے سوچا اگر تاتاری لشکر کسی طرح اس دروازے سے قلعے کے اندر داخل ہو جائے تو بڑی گھمسان کی لڑائی ہو گی۔ وہ خود قازق تھا اس لیے اسے اس کی پروا نہ تھی کہ رفیق جیتیں گے یا خان۔ البتہ اس نے یہ قسم کھائی تھی، اور دو بار کھائی تھی کہ آقائے الموت، حلن بن شدّاخ کی زندگی اس کی تلوار سے ختم ہو گی۔ چنانچہ وہ بڑے تحمل سے منتظر تھا اور اس کی آنکھیں دریا کے کنارے کی سڑک پر جمی ہوئی تھیں کیونکہ ادھر ہی سے حملہ آوروں کے آنے کا امکان تھا۔

برکہ نے اسے بتایا تھا کہ بیس ہزار تاتاری پہاڑیوں سے گزر کر الموت پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ اس نے سوچا راستہ بہت تنگ اور پُر پیچ ہے، اس لیے ان کے لیے تیز رفتاری سے بڑھنا مشکل ہو گا اس کے علاوہ پہاڑیوں میں گھوڑوں کے سوداگر بھی ہیں جو خطرے کی خبر دے دیں گے۔ خلت، طوعاً و کرہاً دل ہی دل میں شیخ کی لڑکی کے حوصلے کی داد دے رہا تھا کہ اس نے حلن بن شدّاخ کی طاقت کا مقابلہ کرنے کی خوب ٹھانی۔ لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اس وقت تو وہ رشید الدین

کے قبضے میں ہے جو رفیقوں کے گروہ کا خطرناک ترین فرد ہے۔

یکایک خلعت، سانس روکے ہوئے اُٹھا۔ ایک پہاڑی کی چوٹی کے مقابل اسے ایک سوار تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اپنی زین پر جھکا ہوا تھا اور فدائیوں کا لمبا لبادہ پہنے ہوئے تھا۔ ابھی اس نے پہاڑی کی آدھی ڈھلان ہی طے کی تھی کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا۔

چاند کی روشنی میں خلعت نے دیکھا کہ لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے گھوڑے کے بدن پر سے ایک سیاہ سی چیز زمین پر گر کر ساکن ہو گئی ـــــ اگر وہ فدائیوں کا ہرکارہ تھا تو اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو گیا تھا۔ معاً خلعت کو ایک اور منظر دکھائی دیا۔ جادو کے کھیل کی طرح تیراغائی خان اور اس کے ہزاروں شہسوار نمودار ہو گئے۔

خلعت نے فوراً اپنی پیٹی کس کر باندھی اور پوستین ٹھیک طرح جسم کے گرد لپیٹی۔ اب، وہ لڑائی چھڑنے کو تھی جس سے شاہرود کا پانی لال ہو جائے گا۔ خلعت نے سوچا اب حلن ابنِ شدّاخ فدائیوں کی تلواروں کے سائے میں میدانِ جنگ میں اُترے گا۔

بہ ظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے رودبار کی پہاڑی ڈھلانوں پر کوئی سرگرمی نہیں ہے۔ صرف گھوڑوں کے گلّے حسبِ دستور دریا کی طرف جاتے دکھائی دے رہے تھے جن پر داعی آ آ کر سوار ہو جایا کرتے تھے۔ جب ایک گلّہ چاند کی ٹکیا کے مقابل آیا تو خلعت نے دیکھا کہ گھوڑوں

کے درمیان تاتاری خودوں کی نوکیں بھی حرکت کر رہی ہیں۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ گھوڑے بہت زیادہ تعداد میں کیوں نظر آ رہے تھے۔

بالکل اسی طرح جس طرح برکہ نے بتایا تھا، تاتاری لشکر الموت کے دروازے کی طرف آ رہا تھا۔ اس کا ایک دستہ دریا کے کنارے پر آ پہنچا اور وہاں سے پہاڑی کی آڑ لے کر آگے بڑھنے لگا۔ خلت کو کچھ آدمی دکھائی دیے جو اسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے اور ان کے برچھوں کی چمک نے اس کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر دی۔ اس نے جلدی سے اپنے ساتھی پہرے دار پر نظر ڈالی۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

خلت تاتاریوں کے طور طریقوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس لیے اس نے سمجھ لیا کہ رود بار پر طوفانی یلغار کے بعد انھوں نے قلعہ والوں کو خبریں پہنچنے کا سلسلہ کیونکر منقطع کیا ہوگا۔ جو رفیق گلہ بان چراگاہوں میں گھوڑوں کی رکھوالی کر رہے تھے انھیں ایک ایک کر کے تہہ تیغ کر دیا ہوگا۔ صرف ایک رفیق حملے کی خبر لے کر قلعۂ الموت کی طرف دوڑا تھا۔ اسے بھی انھوں نے دریا کے قریب مار گرایا تھا۔

حملہ آوروں کا ہراول دستہ گھوڑوں کی آڑ میں خلت کے قریب آ پہنچا اور کسی نے اس سے دھیمی آواز میں بڑے محتاط طریقے سے پوچھا:

"تم ہی ہو وہ قازق جو ہمیں راستہ دکھائے گا؟"

"ہاں۔" خلت نے جواب دیا۔ "لیکن اس جگہ چاند کی روشنی بہت تیز

ہے اور غاروں میں بہت سے لوگ چھپے بیٹھے ہیں۔ کیا تم لوگ فوراً دھاوا بولنے کو تیار ہو؟"

"تم آگے چلو۔" آواز نے کہا۔ "ہم تمھارے پیچھے پیچھے آئیں گے۔ تم ہمیں الموت کے دروازے تک پہنچا دو پھر ہم شیطان کے اس بھٹ کو گندگی سے پاک کر دیں گے۔"

خلت نے جلدی سے پہاڑیوں کے اطراف پر نظر دوڑائی۔ حملہ آوروں کے مزید دستے اتر رہے تھے بعض تو دریا کے قریب بھی پہنچ چکے تھے۔ ہزاروں سوار پہاڑی کی چوٹی سے اتر رہے تھے اور ہزاروں دریائی سڑک سے۔ بہت دور چند دستے الموت کے عقب میں بڑھ رہے تھے۔

خلت نے تلوار میان سے نکال لی اور دریا میں کود کر کنارے کی طرف چلا۔ سواروں نے اسے حلقے میں لے لیا۔ اس کی ناک میں گھوڑوں کے پسینے اور چمڑے کی وہ بو آنے لگی جو خلت کو اچھی لگتی تھی۔ دریا متحرک شکلوں سے بھر گیا۔ ان میں کئی ایسے گھوڑے بھی تھے جو سواروں کے بغیر ہی ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ خلت کا دل بلیوں اچھلنے لگا اس نے اپنی تلوار مضبوطی سے تھام لی۔ جو سوار سب سے آگے تھے ان میں سے ایک نے اس کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ خلت کو ایک سانولے جھریوں دار چہرے اور چمکتی ہوئی آنکھوں کی جھلک دکھائی دی۔

"میں قیراغائی خان ہوں۔ تو قمتش کہاں ہے؟ اسے حکم دیا گیا تھا کہ برکہ کے ساتھ ساتھ رہے۔ اس نے اس حکم پر عمل کیوں نہیں کیا؟"

خلت نے جواب دیا۔" برکہ نے اسے میرے ساتھ پہرہ دینے کو کہا تھا، لیکن غالباً وہ مر چکا ہے۔"

جب یہ گروہ غاروں کے قریب پہنچا تو تیرا غائی نے خلت سے کہا۔ "مجھے برکہ کے پاس لے چل۔" اس کی آواز سے غصہ ٹپک رہا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ تتمش کے مرنے کی خبر سن کر اُسے جلال آ گیا ہے۔

اس سے پہلے کہ رفیقوں کے قلعے، برائیوں کے اڈے اور گناہوں نے مرکز، الموت کی چوٹی پر اُگے ہوئے کھجور کے درختوں پر دن کی روشنی کی پہلی کرنیں پڑتیں، کھاری سمندر کے ساحل سے آنے والے لشکر کا اگلا حصہ پہریداروں پر قابو پا کر دریائی دروازے سے اندر داخل ہو گیا اور زینوں پر بزور چڑھ کر الموت کی گزرگاہوں میں پھیل گیا۔ دھاوا نہایت خاموشی سے کیا گیا جیسے شیر دبے پاؤں چل کر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔

۱۵

ابوالغازی کی تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ سالِ اسد میں الموت کا خاتمہ کس طرح ہوا۔ رفیق لوگ قلعے کے تہہ خانوں میں اچانک گھیر لیے گئے قلماق تاتاریوں کی تلواریں گزرگاہوں میں چمکیں، ان کے تیر غلام گردشوں میں سنسنائے اور پیشین گوئی کے عین مطابق دریائے شاہرود کا پانی لال ہو گیا۔

لیکن یہ بات کہ رفیقوں کے آخری سربراہ حلن بن شدّاخ کا کیا حشر ہوا ابوالغازی کی کتاب میں بتائی گئی ہے نہ ایرانی خانوادوں کی تاریخ میں لکھی ہے۔ قیراغائی خان نے شراب نوشی کے کمروں سے لے کر کھنڈروں کے درمیان باغات تک، الموت کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن حلن بن شدّاخ کا کہیں سراغ نہ ملا۔

لڑائی کئی گھنٹے جاری رہی۔ تاتاری سواروں کے علیحدہ علیحدہ گروہوں نے اس پہاڑ کا محاصرہ کر لیا جس پر الموت واقع تھا، اور جب غلاموں، خواجہ سراؤں اور شدنہ کی جنت کی حوروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ پوشیدہ سرنگوں سے نکلے اور دیوار سے نیچے اتارے گئے تو انھیں کاٹ کر رکھ دیا۔ کسی کی بھی جان بخشی نہ کی گئی کیونکہ قیراغائی کا حکم یہی تھا۔ جب فدائیوں کو گھیرے میں لیا گیا تو انھوں نے داعیوں کی قیادت میں باہر نکل کر حملہ آوروں کے ان دستوں پر، جو الموت میں داخل ہو رہے تھے، حملہ کر دیا۔

تاتاری اپنے گھوڑوں کے بغیر غاروں کے اندھیرے میں شجاعت کی داد نہ دے سکتے تھے، لیکن اس کی کسر ان کی کثرتِ تعداد اور قیراغائی خاں کی قیادت نے نکال دی۔ ادھر فدائیوں کا کوئی سربراہ نہ تھا۔ ہرکاروں نے شدنہ کے ہر آراستہ کمرے میں گھس گھس کر حلن بن شدّاخ کو ڈھونڈا لیکن وہاں دہشت زدہ داعیانِ کبیر کے سوا اور کوئی نہ ملا۔ لڑائی کے قدوجزر نے فدائیوں کو دھکیل کر ضیافت خانے میں اور اس

سے آگے خزانے کے کمروں میں پہنچا دیا۔ اگر ان کا کوئی سربراہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اندھیری رہگزاروں میں پناہ لے کر مقابلہ کرتے رہتے تاآں کہ تاتاری کشت و خون سے تنگ آ کر واپس چلے جاتے لیکن حلن بن شداح غائب ہو چکا تھا۔

یہ تھا الموت کا انجام۔ جن کمروں میں زربفت و کمخواب کے پردے لٹکے ہوئے تھے، ہیرے جواہرات جڑے ہوئے بت کھڑے تھے، اور اصفہان کے ریشمی غالیچے بچھے ہوئے تھے، ان میں اب مشعلیں بھڑک رہی تھیں اور اندھیری سرنگوں میں جہاں تلواریں چمک رہی تھیں، کٹے ہوئے گلوں کی خرخراہٹوں اور زمین پر دھما دھم گرتے ہوئے جسموں کی آوازوں کے سوا اور کچھ نہ سنائی دے رہا تھا۔ باغات میں، کھجور کے درختوں کے نیچے، جہاں حلن بن شداح کی جنت تھی، عورتوں کی چیخ و پکار سے کہرام بپا تھا۔ نہر کی سمت سے عورتوں کے جسم پانی میں پھینکے جانے کی آوازیں پے بہ پے سنائی دے رہی تھیں اور سانولے رنگ کے، پستہ قد موٹے آدمی زرہیں پہنے، سمور کی پوستینیں اوڑھے خزانوں کے کمروں کو روندتے پھر رہے تھے، جہاں ہزاروں کاروانوں کا مال اور سینکڑوں شہروں کا خراج جمع تھا۔

قیراغائی خان کے پیروؤں کو اتنا مالِ غنیمت کبھی نہ ملا تھا —— دمشق کے موتی، چین کے تنگ کی سنہری مچھلیاں، تبریز کے نیلم اور یاقوت، سمرقند کے تاجروں کے طلائی سکوں سے بھرے ہوئے مرتبان اور بغداد

کے زیورات، جو کسی مغل شہنشاہ کے دربار کے لیے بھی باعثِ زینت ہوتے قلماق شہسواروں کی ترچھی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انھوں نے اپنے کتوں کو سُسکار کر شراب کی بہتی ہوئی ندیوں میں ڈال دیا، غالیچوں اور پردوں کی دھجیاں اڑا دیں، چینی کی شہ نشینوں کو پتھروں سے چکنا چور کر دیا اور لاشوں کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ الموت کے چند ہی آدمی زندہ بچے۔

یہ سب کچھ ہُوا لیکن آقائے الموت پھر بھی ہاتھ نہ آیا۔ ایک بار اباکباش، جس نے حملہ آوروں کا ساتھ دیا اور برکہ کو قیراغائی خان کے پاس صحیح و سلامت پہنچا کر جان کی امان پائی، ایک لمبے تڑنگے آدمی کی لاش کے قریب رکا، جس نے لبادہ اور ہیرے جواہرات پہن رکھے تھے۔ لیکن جب اسے پلٹ کر اس کا منہ دیکھا تو ٹھٹکا کر آگے بڑھ گیا، کیونکہ وہ ایک لمبے تڑنگے خواجہ سرا کی لاش تھی۔

صرف ایک شخص ایسا تھا جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے حسن بن صبّاح کو ڈھونڈھ نکالا اور اس کا یہ دعویٰ صحیح تھا۔

اباکباش نے، جو اپنے نئے آقا قیراغائی خان کو خوش کرنے کے لیے بیتاب تھا، اسے رشید الدین کے حجرے میں پہنچانے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ برکہ بھی ساتھ گئی۔ وہ لڑائی کے دوران قیراغائی خان سے علیحدہ نہ ہونا چاہتی تھی، کیونکہ وہ کوئی تاتاری عورت نہ تھی بلکہ ایک کوہستانی شیخ کی لڑکی تھی۔

ابا کباش کے پیچھے پیچھے وہ چکر دار زینے پر چڑھے۔ مشعل بردار اور مسلح قلماق ساتھ تھے۔ منجم کے گول حجرے میں انھیں ایک عجیب منظر دکھائی دیا۔ ان کے اندر داخل ہونے سے پہلے وہاں اندھیرا تھا۔ اب مشعلوں کی روشنی میں وہاں تین آدمی نظر آئے۔ ان میں سے دو مرے پڑے تھے۔ تیسرا فرش پر بیٹھا تھا۔ قیرا غائی خان ایک لمحے کے لیے تو قتمش کی لاش کے قریب رُکا۔ کیونکہ وہ اس کا نائب رہ چکا تھا۔ لاش جلی ہوئی اور خون میں لتھڑی ہوئی تھی۔

"اسے بڑی اذیت سے مارا گیا ہے، میرے آقا" ابا کباش نے کہا۔ "کیونکہ یہ ملکہ برکہ یا عالی نژاد تاتاریوں کے بارے میں کچھ بتانے کو تیار نہیں ہُوا"

برکہ تو قتمش کی لاش کو دیکھ کر رو پڑی۔ قیرا غائی خان نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے تسلی دی۔ پھر دوسری لاش کا معائنہ کرنے لگا۔ یہ رشید الدین کی لاش تھی۔ اس کی خاکستری عبا خون میں لت پت تھی، دُبلا پتلا چہرہ بگڑا ہُوا تھا بازو پھیلے ہُوئے تھے اور پتھرائی ہوئی آنکھیں چھت کے شگاف میں سے ستاروں کو گھُور رہی تھیں۔ ظاہر تھا کہ مرتے وقت وہ انتہائی غیظ کے عالم میں تھا۔ برکہ، اس توقع پر کہ شاید اس میں جان باقی ہو لاش پر جھک گئی۔ خملت رشید الدین کی لاش کے قریب بیٹھا اس کی عبا کے دامن سے اپنی تلوار پونچھ رہا تھا۔

"تم نے حلن بن شداخ کو دیکھا ہے؟" ابا کباش نے حاکمانہ انداز

میں پوچھا۔ "عالی نژاد قیراغائی جب سے الموت میں داخل ہوئے ہیں تمھیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ کیا رشید الدین کو تم نے قتل کیا ہے؟"

"ہاں، میں نے حلن بن شدّاح کو دیکھا ہے۔" خلت نے بے پروائی سے اُوپر دیکھتے ہُوئے جواب دیا "لڑائی میں کون جیتا؟ قلماق یا رفیق؟"

"لڑائی ختم ہو چکی ہے، خلت۔" برکہ نے آگے بڑھ کر لیکن تاتاری سردار کا ہاتھ چھوڑے بغیر کہا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور گردن غرور سے اکڑی ہوئی تھی۔ "الموت کا خاتمہ ہو چکا ہے جس کی میں نے قسم کھائی تھی۔ میری اور میرے آقا کی خواہش تھی کہ الموت تہس نہس ہو جائے۔ میں اس کے پاس جہیز کے بغیر گئی تھی اور مجھے اس خیال سے شرم آ رہی تھی کہ جہیز نہیں لائی لیکن اس نے پھر بھی مجھ سے شادی کر لی۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر وہ میرے باپ کا انتقام لے تو اُسے اتنا جہیز ملے گا جتنا کوئی دُلہن کبھی نہ لائی ہو گی کیونکہ الموت اور رفیقوں کا خزانہ اس کی ملکیت میں آ جائے گا۔ اب اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ میرا جہیز کتنا بیش قیمت ہے۔ حلن بن شدّاح کی ساری دولت اب اس کی ہے۔"

خلت اور تاتاری سردار کی نظریں ملیں اور وہ دونوں تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

"یہ جگہ تاتار سے کوسوں دُور ہے،" برکہ نے اپنے سر کو جھٹکا دے کر کہا۔ "لیکن میں اپنے آقا کی نظروں میں بہت حسین ہوں۔ اس لیے اس نے

میری بات مان لی۔ میرا منصوبہ یہ تھا کہ میں یہاں پہنچ کر الموت کا بڑا دروازہ کھلوا دوں۔ میرے آقا نے اس منصوبے کو پسند کیا اور تو قتمش کو میرے ہمراہ بھیج دیا۔ میں نے تمہیں ملازم رکھا، کیونکہ تم ابوالحرب ہو۔ لیکن میرا دل تم سے خوش نہیں۔ تم نے عہد کیا تھا کہ حلن بن شدّاح کو قتل کر دو گے۔ وہ عہد تم نے پورا نہیں کیا۔"

قیرا غائی خان نے قطع کلام کرتے ہوئے بڑے تُند لہجے میں پوچھا۔ "تو نے آقائے الموت کو دیکھا ہے؟"

"ہاں۔ وہ یہیں تھا۔"

"تو اب کہاں چلا گیا؟"

"کہیں بھی نہیں گیا۔"

خان نے مُڑ کر سب طرف نظر دوڑائی۔ کمرے میں دو لاشوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یکایک چھت کے شگاف میں سے ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ مشعلوں کی لَو لہرائی اور رشید الدین کے چہرے پر چمکی تو ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے حرکت کی ہے۔ برکہ ایک دبی ہوئی چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔

"جس شخص کا نام حلن بن شداح تھا،" خلت نے کہا۔ "وہ تو ایک عظیم الجثہ خواجہ سرا تھا۔ الموت کا اصلی مالک ایک اور شخص تھا۔ اس نے اپنے کو قاتلوں کے خنجروں سے بچانے کے لیے اپنی اصلیت چھپا رکھی تھی۔ لیکن رشید الدین کی لاش کی طرف اشارہ کر کے، وہ قتل ہو چکا ہے

ملکۂ برکہ! میں نے اپنا عہد پورا کر دیا ہے۔"

سب لوگوں کی آنکھیں رشید الدین کی لاش کی طرف اٹھیں اور ان سرخ چکتوں پر جم کر رہ گئیں جنھوں نے اس کی خاکستری عبا کو موت کی سرخ دھاریوں سے آراستہ کر رکھا تھا۔ حلن بن شدّاح کی پتھرائی ہوئی آنکھیں، ان ستاروں پر جمی ہوئی تھیں جو چھت کے شگاف میں سے دکھائی دے رہے تھے۔ خلت نے یہ منظر دیکھا اور اپنے گھوڑے کی باگ پھر ایک بار صحرا کی طرف موڑنے کے خیال سے اس کا دل مسرت سے لبریز ہو گیا۔

چنگیز خاں کا خزانہ

دولت ڈھونے والے (ہاتھی) بڑا بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ بوجھ ان کی جھولوں کے نیچے چمکتے ہوئے سونے سے زیادہ بیش قیمت ہے۔ دولت ڈھونے والے طاقتور ہیں۔ ان کا بوجھ سات قیمتی جوہروں سے نفیس تر ہے۔ اونون مورین کے چہرے خان تائی خان پہاڑ کی طرف پھیرے ہوئے ہیں۔ اونون مورین کے سفید چہرے ساکت ہیں۔ خان تائی خان کے سایوں میں خوف ہے۔ لیکن یہ دولت ڈھونے والوں پر کوئی اثر نہیں کرتا۔

الان گوا کے پانچ بیٹوں نے اپنا لہو زمین میں جذب کر دیا لیکن خوف پھر بھی خان تائی خان کے جنگلوں میں موجود ہے جو چیز ایک ہاتھ میں ہے کیا اسے کوئی اور ہاتھ اٹھا سکتا ہے؟ نہیں، خوف بہت زیادہ قوی ہے۔

(اُدہوتن لاما شالہ کے جائی لونگ چکر نویون کی کتاب سے)

چکر نویون سولھویں صدی کے خاتمے بہت پہلے مر چکا تھا، جب خمیدہ تلوار کا دھنی خلت قازق عرف بھیڑیا گھوڑے پر سوار سمرقند پہنچا تھا۔ لیکن دانش مند چکر نویون کی کتاب میر تورک سوداگر کے پاس موجود تھی اور سمرقند کے بازاروں میں خلت کی اس میر تورک سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

یہ سچ ہے کہ بہت سی کتابیں ایسی ہوتی ہیں جن پر یقین نہیں کیا جا سکتا لیکن میر تورک کو یقین تھا کہ چکر نویون کی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے اور میر تورک نہ صرف ایک کائیاں سوداگر تھا بلکہ ایک عالم بھی تھا۔ اور اسے سونے کی حرص بھی تھی۔ پھر منجم لیو تنگ نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے بھی چکر نویون کی بات کی تصدیق ہوتی تھی۔ اس نے دولت ڈھونے والے ہاتھی تو نہیں دیکھے تھے لیکن اُدنون سُورین کے زرد چہرے دیکھے تھے اور خاں تائی خان پہاڑ کی دہشت انگیز فضا کا حال بیان کیا تھا۔

خلت پڑھنا نہ جانتا تھا یہاں تک کہ اس کی مشہور خمیدہ تلوار پر جو الفاظ کندہ تھے وہ بھی نہ پڑھ سکتا تھا۔ وہ ایران کی گرم ریت اور ترکستان کے ویران شہروں سے اُکتا چکا تھا۔ جب سے قازقوں کے ہاں سے شہر بدر کیا گیا تھا اس نے اپنا لباس بھی تبدیل کر لیا تھا۔ اب وہ سبز رنگ کے چمڑے کا پاجامہ، اور قرمزی رنگ کا ڈھیلا سا لبادہ پہنتا تھا جس پر ارغوانی رنگ کا چوڑا پٹکا باندھتا تھا۔ البتہ بھیڑ کی کھال کی ٹوپی اور جلا ہوا پائپ ابھی تک اس کے پاس تھے۔ جب وہ سمرقند

کے دھوپ سے تپتے ہوئے بازاروں میں سے گزرا تو اس کی نظر پہلے میزتوریک کی دکان پر اور پھر ان ہاتھیوں پر پڑی جو اس دکان میں رکھے تھے۔

ہاتھیوں کا یہ جوڑا ہاتھی دانت اور سونے کا بنا ہوا تھا۔ خلت نے ہاتھی پہلے کبھی نہ دیکھا تھا وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا، مگر گھوڑے پر سے اترا تو ہولے ہولے چل کر دکان تک گیا تاکہ دکان دار یہ نہ سمجھ لے کہ وہ ہاتھیوں کا جوڑا خریدنے کے لیے بیتاب ہے۔

میزتوریک بھاری ڈیل کا آدمی تھا۔ اس کی ناک چوڑی اور ترچھی اور آنکھیں چندھی تھیں۔ وہ عالموں جیسا سفید جبہ پہنے ہوئے تھا۔ جب قازق آلتی پالتی مار کر اس کے سامنے قالین پر بیٹھ گیا تو اس نے وہ چرمی کا غذ جسے پڑھ رہا تھا، ایک طرف رکھ دیا۔ میزتوریک ستارہ شناسوں کی معیت میں تاروں کا مشاہدہ کیا کرتا تھا اور یہ مہینہ ایسا تھا جس میں اس کا ستارہ عروج پر تھا۔ اس نے دوغلی اُزبک میں، جو خلت سمجھتا تھا اس سے کہا کہ یہ ہاتھی بکاؤ نہیں ہیں، صرف اچھے شگون کے لیے، نیز تبرک کے طور پر رکھے ہیں۔

خلت کے پاس الموت سے لوٹے ہوئے جو طلائی سکے تھے ان میں کا آخری سکہ اس نے اپنی تھیلی سے نکالا اور قالین پر دکاندار کے سامنے رکھ دیا، اور اپنی تلوار بھی میان سے نکال کر اپنے گھٹنوں پر رکھ لی۔ تلوار کا چمکیلا پھل، جس پر کچھ عجیب وضع کے الفاظ کندہ تھے، دھوپ میں اور بھی چمکنے لگا جس کی میزتوریک کے زرد چہرے پر ایک پھیکی سی دمک پڑ

رہی تھی۔

دکاندار نے پہلے تعجب سے تلوار کی طرف پھر خلعت کی طرف دیکھا۔ مگر جب اس نے تلوار کے پھل پر کندہ الفاظ پڑھے تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے ٹکٹکی باندھ کر تلوار کے مالک کا جائزہ لیا اور اپنے دل میں کہا کہ آج میرا ستارہ سچ مچ عروج پر ہے۔

"شیطان کی اولاد!" خلعت نے غرّا کر کہا۔ "بھکاری کے برتن کے میل! کون دکاندار اپنا مال بیچنا نہیں چاہتا۔ یہ بُت میرے ہاتھ بیچ دے۔ نہیں تو میں تیری موٹی توند پھاڑ دوں گا۔"

میر توریک کا چہرہ اور بھی زرد پڑ گیا اور اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا مگر وہ تلوار کے پھل پر کندہ الفاظ پر سے نظر نہ ہٹا سکا۔ اس نے تلوار کی طرف اشارہ کیا۔

"تجھے یہ تلوار بھی، اس طلائی سکے کی طرح ایران ہی میں ملی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں کمینے!" خلعت نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "ایک قازق جوانمرد کی تلوار نہ خریدا ہوا مال ہوتی ہے نہ چوری کا مال۔ یہ میرے باپ کی تلوار ہے اور اس سے پہلے میرے دادا کی تھی۔ میں یہ بُت خریدوں گا۔"

"نہیں جناب!" دکاندار نے جلدی سے کہا۔ "یہ متبرک تحفے ہیں۔ میں انھیں بیچنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔" اس نے بازار میں دائیں بائیں نظر

ماری۔" البتہ آپ آج رات میرے مکان پر آئیں تو وہاں ہم ان کے بارے میں بات چیت کریں گے۔ رگستان کے جنوبی گوشے میں جو گلی ہے اس میں داخل ہو کر میر توریک سوداگر کا مکان پوچھ لیجیے۔"

خلت کے جانے کے بعد میر توریک نے دکان کے سامنے کے ریشمی پردے کھینچ دیے لیکن وہاں سے گیا نہیں۔ وہ گہری سوچ میں پڑا ہوا بت بنا بیٹھا رہا۔ اس نے چرمی کاغذ کو جسے پڑھ رہا تھا، یوں چھوا جیسے کوئی کسی بیش قیمت چیز کو چھوا کرتا ہے۔ کتاب کا ایک حصّہ توجّہ سے پڑھ چکنے کے بعد اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ یقیناً جیسا کہ ستارہ شناس نے کہا تھا اس کا ستارہ یاوری کر رہا تھا اور یہ ہاتھی یقیناً بڑے بابرکت تھے۔

میر توریک کے دماغ میں ایک منظر گردش کر رہا تھا۔ یہ منظر ایک جنگجو لشکر کے کوچ کا تھا جو صحرا میں اپنے جھنڈوں کے پیچھے چلا جا رہا تھا اس میں خان تائی خان پہاڑ کے شاہ بلوط کے درخت بھی تھے جن کے قریب جانے کی بہت کم لوگ جرأت کرتے تھے۔ جس طرح کسی جھیل کی گہرائیوں میں کوئی عکس ہو، اسی طرح میر توریک کے دماغ کی گہرائیوں میں بھی ایک خوف تھا، ایک پرانا خوف اور یہ خوف اسے باپ دادا سے ورثے میں ملا تھا۔

خلت سمرقند سے اکتا گیا تھا اور اس کا دل صحرا کے وسیع میدانوں میں واپس جانے کو تڑپ رہا تھا۔ اس نے اس رات بہت زیادہ شراب

پی اور از بک شراب کے خوب جام لنڈھائے جس سے یوکرین اور تاتار کی یادیں تازہ ہوگئیں، لیکن اتنی زیادہ پی جانے کے بعد بھی مدہوش نہ ہوا۔ اسے یاد آیا کہ میر توریک نے اسے اپنے مکان پر بلایا ہے وہ اُٹھا اور ڈھونڈتا ڈھونڈتا سوداگر کے گھر جا پہنچا۔

اس نے میر توریک کے دروازے کے کواڑ چھوئے ہی تھے کہ وہ کھل گئے اور وہ پیش دالان سے گزر کر عقبی کمرے میں جا پہنچا۔ وہاں عجیب و غریب قسم کے زرد رنگ کے ریشمی پردے لٹکے ہوئے تھے اور ہاتھیوں اور بدھ مت کے مندروں کے مجسموں کی بھرمار تھی۔ ایک لڑکی، جو ایک کونے میں غالیچوں پر سو رہی تھی، یکایک اُٹھ کھڑی ہوئی اور بھاگنے لگی مگر خلت نے اسے روک لیا۔

وہ چھریرے بدن اور نازک نقوش کے چہرے کی لڑکی تھی۔ عمر چودہ سال کی ہوگی اور کالے کالے بالوں کے بچھے اس کے شانوں پر پڑے ہوئے تھے۔ اس کا چھوٹا سا گندمی چہرہ خوف کی تصویر بنا ہوا تھا۔ یوں خلت کی ملاقات میر توریک کی لونڈی قیرولہ سے ہوئی، جس کی ماں، جو ایک قلماق کنیز تھی، مر چکی تھی۔

"ننھی چڑیا!" خلت نے لڑکی کے بالوں کو تھپکتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "تم مجھ سے ڈر کیوں گئیں؟ اپنے آقا میر توریک سے کہو کہ خلت عرف بھیڑیا اس کے گھر آیا ہے۔"

لڑکی جن غالیچوں پر سو رہی تھی خلت انھیں پر بیٹھ گیا۔ ابھی

وہ بیٹھا ہی تھا کہ لڑکی اس کے پاس آکر اس کے بھاری بھرکم جوتے اتارنے کی کوشش کرنے لگی۔

"آقا!" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "جب کوئی آقا شراب کے نشے میں ہو تو اس کے پنڈلیوں تک کے جوتے اتارنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ پھر بھی جو شخص مجھے خریدنے آیا ہے مجھے اس کی عزت کرنی ہوگی۔ میرے آقا میرتوریک کا یہی حکم ہے۔ جو دھوکا دینے میں سمرقند کے تمام سوداگروں کا استاد ہے۔"

"کسی اجنبی کے گھر میں، ننھی بیٹی، جب تک مجھے کوئی جان سے نہ مار دے اس سے پہلے نہ میرے جوتے اتار سکتا ہے نہ میری تلوار مجھ سے لے سکتا ہے۔" خلت نے اپنے گھنے سفید بالوں والے سر کو پیچھے کی طرف جھٹکا دیا اور اتنے زور سے قہقہہ مارا کہ لڑکی ڈر گئی۔ "تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمھیں خریدنے آیا ہوں؟ یہ بات نہیں ہے۔ میں تو ہاتھی دانت کے کچھ کھلونے خریدنے آیا ہوں۔"

"اچھا!" لڑکی پیچھے ہٹ گئی۔ "مجھے خبر نہیں تھی آقا۔" وہ کانپ رہی تھی۔ "میرتوریک نے یہ کہا تھا کہ وہ مجھے بیچے گا۔ اس نے مجھ سے بال بنانے کو کہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ لوگ آکر مجھے دیکھیں گے اور میرے بدن کو چھوئیں اور دبائیں گے۔ سمرقند کے گلی کوچوں میں کسی نے میرا منہ نہیں دیکھا، لیکن میرتوریک نے اپنے غلاموں کے سردار فوگن اولتائی سے کہا تھا کہ میری قیمت دو گھوڑوں کی قیمت کے برابر مل جائے گی۔ فوگن اولتائی کو اس

میں شک تھا کہ اتنی قیمت ملے گی۔ اس لیے میرتوریک نے مجھے مارا پیٹا۔ اور پھر فوگن التائی نے بھی اپنی آبرو رکھنے کے لیے میرے کانوں پر گھونسے مارے۔"

جوتیاں گھسیٹتے ہوئے چلنے کی آہٹ سے لڑکی خوف کے مارے چپ ہوگئی۔ میرتوریک تیوری پر بل ڈالے ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"بکواس! اپنے آقا کی برائیاں کرنے والی! جا غلاموں کی کوٹھڑی میں جا! یہ ایک قزاق سردار ہے، غلاموں کا سوداگر نہیں ہے۔ جا! یہاں سے چلی جا!"

لڑکی کمرے سے چلی گئی اور سوداگر کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کی جگہ مسکراہٹ نے لے لی۔ وہ خلعت کے قریب بیٹھ گیا۔ قازق اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اس نے میرتوریک سے مشابہ کوئی آدمی پہلے نہ دیکھا تھا سوداگر کی آنکھیں کسی ترکمان کی آنکھوں سے بھی زیادہ ترچھی تھیں۔ اس کے سیاہ بال گھنگھریالے نہیں بلکہ سیدھے تھے اور ہاتھ لمبے اور صاف ستھرے تھے۔ اس نے آبنوس کی ایک گھڑونچی پر سے شراب کا پیالہ اٹھا کر خلعت کو پیش کیا۔ لیکن خلعت نے سر ہلا کر انکار کر دیا۔

"ترکمان لوگ کہتے ہیں،" خلعت نے گھمبیر انداز میں کہا، "کہ تلوار چلانے کے لیے کوئی بہانہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں کھلونے خریدنے آیا ہوں، شراب پینے نہیں آیا۔"

"لیکن میں تو ترکمان نہیں ہوں،" میرتوریک نے مسکرا کر کہا۔ اس کی

آوازمیں بلّی کی سی خُرخُرتھی ـــــ "لکھا ہے کہ جو جام نوش کرتا ہے وہ غم سے بیگانہ ہو جاتا ہے ۔ پیالے پر جو الفاظ کندہ ہیں کیا تم انھیں پڑھ سکتے ہو؟ یہ اسی زبان کے ہیں جس زبان کے الفاظ تمھاری تلوار پر کندہ ہیں!"

"یہ الفاظ ہیں ؟" فازق نے کہا۔ "مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی کُتّے نے ناخن مار دیے ہوں ۔"

خلت کتابیں نہیں پڑھ سکتا تھا لیکن لوگوں کے چہرے پڑھنے میں ماہر تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ میرتوریک جو کچھ زبان سے کہہ رہا ہے اس کے دِل میں اس کے علاوہ بھی کچھ ہے ۔"

"یہ لوان کھلونوں کی قیمت اور وہ مجھے دے دو۔"

خلت نے ہاتھیوں کی طرف اشارہ کیا جو آبنوس کی ایک چھوٹی الماری پر رکھے تھے۔

لیکن میرتوریک نے اپنا ایک ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

"سمرقند کے لوگ احمق ہیں ۔ آخر ازبک ہی ہیں نا! صرف غلامی کرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ میرے غلاموں کے سردار نوگن التائی نے مجھے بتایا ہے کہ یہاں کے بازاروں میں یہ کہا جا رہا ہے کہ تم خلت قزاق ہو جس نے آلتین اُوردو کے سردار تل تولائی خان کو نیچا دکھایا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ تمھاری تلوار اتنی ہی خوفناک ہے جتنی تاتاریوں کے سورما قائدو کی تلوار تھی ۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک دلاور آدمی ہو سب مجھے ایسے ہی ایک

آدمی کی ضرورت ہے۔"

خلت نے کہا۔ "ہاں میں خلت ہوں۔ لوگ مجھے بھیڑیا کہتے ہیں۔ بتاؤ تمھارے دل میں کیا ہے میرتوریک؟ سچی بات کہو اور مختصر۔"

میرتوریک نے اپنی آنکھیں آدھی میچ لیں۔ سکڑے ہوئے پپوٹوں میں سے اس کی نگاہ خلت کی تلوار پر تھی۔

"اس سے پیشتر کہ اور تو ستارہ ڈھلے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں سمرقند سے قراقرم جا رہا ہوں، جو شمال کی جانب بہت دور تاتاریوں کی سرزمین میں ہے۔ جن پہاڑوں کو یہ احمق لوگ "بام دنیا" کہتے ہیں ان پر سے گزر کر، میں کاشغر ہوتا ہوا گوبی کے صحرائے اعظم تک جاؤں گا۔ سمرقند میں کوئی شخص ایسا نہیں جو میرے ساتھ جانے کی ہامی بھرے، حالانکہ سفر ایسا کچھ دشوار نہیں ہے۔ میرا دادا اسی راستے سے قراقرم سے سمرقند آیا تھا۔"

"ہوں!" خلت نے کہا۔

"میرے ساتھ ترکمان محافظ جائیں گے۔ مجھے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ان کا سردار بن سکے۔" سوداگر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: "بام دنیا پر ڈاکو بہت ہوتے ہیں اور صحرائے اعظم کی سرحدوں کے نزدیک تاتاری قبیلے آپس میں لڑائی بھڑائی کرتے رہتے ہیں، کیونکہ تل تولائی خان مر چکا ہے۔ جن گر قلماقوں سے لڑتے رہتے ہیں اور بوردن گر ان دونوں سے۔ میرا آبائی وطن خان تائی خان پہاڑ کے قریب آلتور تین میں ہے، لیکن شمال کی طرف سفر پُر خطر ہوتا ہے۔ مجھے لڑیت جوانوں

کے ایک سربراہ کی ضرورت ہے۔ میں کتابی علم رکھتا ہوں اور تجارت کا ماہر ہوں، لیکن تلوار نہیں چلا سکتا۔ خلت بھیڑیے کا نام میرے کارواں کو محفوظ رکھے گا۔"

"ہوں" خلت نے کہا اس کے لہجے میں کچھ ایسی بات تھی کہ میر توریک نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔

"بولو سردار قراقرم چلو گے؟" سوداگر نے پوچھا۔ "اور، اگر چلو تو اس کام کا کتنا معاوضہ لو گے؟ جتنا مانگو گے دیا جائے گا، اور ضمانت کے طور پر یہ ہاتھی قبول کرو۔"

"میں تمہارے ساتھ اس وقت چلوں گا میر توریک۔" خلت نے کہا۔ "جب تمہاری زبان سچ بولنا سیکھ لے گی، میں سمرقند کے لوگوں کی طرح احمق نہیں ہوں۔ تمہیں اپنے محافظوں کے لیے سردار چاہیے ہے تو کسی ازبک کو ملازم رکھ لو۔ اسے زیادہ معاوضہ بھی نہ دینا پڑے گا۔ بام دنیا کے شمال میں میرا نام کوئی نہیں جانتا۔ جھوٹ نہ بولو میر توریک! مجھے جھوٹ پسند نہیں۔ جو بات ہے وہ سچ سچ بتا دو!"

سوداگر کی ترچھی آنکھیں بند ہو گئیں اور اس نے اپنے بازو اپنی لمبی لمبی آستینوں میں چھپا لیے۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہا جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہے۔ دفعتہً اس کے چہرے پر ایک تغیر رونما ہوا۔ خلت نے بھی وہ آواز سنی جسے سننے کی کوشش سوداگر کر رہا تھا، یہ برابر کے ایک کمرے میں دھیمی سی ممنمناہٹ تھی۔ میر توریک خاموشی سے اٹھا اور

ادھر چل دیا۔ خلعت چوکنا ہو کر انتظار کرتا رہا۔ ایک لمحے بعد سوداگر فیروزہ کو بازو پکڑ کر گھسیٹتا ہوا لے آیا۔ لڑکی کی بھوری بھوری آنکھوں میں آنسو تھے۔

"چھپ چھپ کر باتیں سننے والی! کم بخت! کمینی! اس نے نازک اندام کنیز کو اٹھا کر قالینوں پر دے پٹکا اور اپنے جوتے کی نوک اس کی پسلیوں میں گاڑ دی۔ مبارک ہوگا وہ دن جب میں تجھے بیچ سکوں گا اور مجھے تیرے آنسوؤں سے نجات ملے گی۔ میں نے تجھ سے کہا نہیں تھا کہ یہ سردار عورتوں کا خریدار نہیں ہے۔ فوگن اُلتائی تجھے چھپ چھپ کر باتیں سننے کا انعام دے گا۔ ٹھہر جا۔"

لڑکی چپ چاپ سسکیاں بھرتی میز تو ریک کی ٹھوکر سے بچنے کے لیے لڑھکنی کھا کر پرے ہٹ گئی۔ وہ سوداگر کی ملکیت تھی اور سوداگر اس کے ساتھ جو جی چاہے کرنے کا مجاز تھا۔ لیکن یہ منظر خوشگوار نہ تھا۔ میز تو ریک کنیز کو ستاتا رہا اور اسے اگلے دن صبح ہی بیچ ڈالنے کی دھمکی دیتا رہا۔

خلعت نے لڑکی کے بال اس طرح چھوئے جیسے وہ ان کی خوبصورتی کی داد دے رہا ہو۔

"سن فیروزہ!" اس نے لڑکی سے کہا۔ "کیا کوئی نوجوان ترکمان ایسا نہیں جو تجھے پسند کرتا ہو اور جسے آقا بنا کر تو خوش ہو سکے؟"

"نہیں، آقا۔" لڑکی نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا اور سوداگر کی لات کی زد سے اور پرے ہٹ گئی۔ "میں کسی ترکمان کو کیوں پسند کرنے لگی؟ ترکمان

توپہاڑی بھیڑوں کی طرح جھبرے ہوتے ہیں۔"

"مگر یہ فراقرم بھی تو نہیں جا سکتی۔" میر تور بیک نے کہا۔ "پہاڑوں کا سفر بڑا دشوار ہوتا ہے۔ یہ مر جائے گی۔ میرا نقصان ہو جائے گا۔"

خلت اپنے سیاہ پائپ کو اس طرح دیکھتا رہا جیسے کچھ سوچ رہا ہے۔ اسے کسی بچّی کا کھلا ہوا چہرہ اور نکھری ہوئی آنکھیں دیکھے مدّت ہو گئی تھی اس نے اپنی تھیلی میں ہاتھ ڈال کر وہ سکّہ نکالا جو سوداگر کو ہاتھیوں کے لیے پیش کیا تھا اور اسے میر تور بیک کے آگے رکھ دیا۔ اور کہا

"میر تور بیک، تم نے اس لڑکی کی قیمت مقرر کر رکھی ہے یعنی دو گھوڑوں کی قیمت۔ یہ لو اس کی قیمت۔ میں اس بچی کو خریدتا ہوں۔"

سوداگر کی ترچھی آنکھوں میں طلائی سکّہ دیکھ کر چمک پیدا ہو گئی۔ لیکن اس نے اس طرح سر ہلایا جیسے تذبذب میں ہے۔

"مجھے بازار میں اس سے زیادہ قیمت مل سکتی ہے۔ تمھیں یہ لڑکی خریدنے کی کیا ضرورت ہے قازق؟ یہ اس سفر میں ہمارے ساتھ نہیں جا سکتی۔"

خلت غرّایا۔ "یہ سکہ لے لو میر تور بیک! مجھے قیر دلہ کی ضرورت ہے۔ یہ ہمارے ساتھ نہیں جائے گی احمق!" اور لڑکی کو مخاطب کر کے ملائم لہجے میں کہا۔ "قیر دلہ، کل اگر تیرا جی چاہے تو نو گن التائی کی پیٹھ پر لاٹھیاں رسید کیجیو۔ میں دیکھتا رہوں گا۔ سمرقند میں تیرا جہاں جی چاہے چلی جا! اب تو آزاد ہے۔ میں نے تجھے میر تور بیک سے خرید لیا ہے۔"

لڑکی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا، یہ یقین کرنے کے لیے

کہ اس نے خلت کی بات ٹھیک سنی ہے اس نے ہاتھ بڑھا کر قازق کے جبے کو چھوا۔ لیکن قازق نے اس کی طرف پھر توجہ نہ کی۔

۲

خلت نے میر توریک سے کہا تھا کہ تو جھوٹ بول رہا ہے اس کا یہ اندازہ غلط نہیں تھا۔ اب سوداگر نے اسے اپنے عزم قراقرم کا اصلی سبب بتایا اس نے جو کہانی سنائی وہ بڑی عجیب تھی۔ اتنی عجیب کہ اس کے صحیح ہونے کا یقین نہ آتا تھا۔ یہ کہانی، جو میر توریک کی کتاب خوانی کا ماحصل تھی۔ لیوتونگ منجم کی بیان کی ہوئی تھی جو میر توریک کے پردادا کے ساتھ خان ثانی خان کے پہاڑوں میں چنگیز خان کے مقبرے پر گیا تھا۔

لیکن اس کے عجیب وغریب ہونے کے باوجود خلت نے میر توریک سے یہ نہ کہا کہ تو نے جو کہانی سنائی ہے یہ جھوٹی ہے۔ خلت کی رگوں میں قازق تاتاریوں کا خون تھا جنھوں نے صحرائی سلطنت پر حکومت کی اور اور اپنے دشمنوں سے خراج وصول کیا تھا۔ اسے حیرانی تو ہوئی لیکن اس نے یہ حیرانی ظاہر نہ کی۔

کہانی شروع ہوتی تھی چنگیز خان کی موت سے، جسے لوگ دنیا کا مالک کہتے تھے، اور ختم ہوتی تھی میر توریک کے پردادا اور لیوتونگ کی موت پر، جو خان ثانی خان کے درختوں میں گیس کے بھپارے سے ہوئی تھی اور اس کا موضوع تھا۔ ایک خزانہ، ایک ایسا خزانہ جس کا تصور بھی خلت

کے دل میں نہ آسکتا تھا، یعنی چنگیز خاں کا خزانہ۔

میر تورک نے کہا کہ ایک وقت ایسا آیا جب قتّالِ اعظم کی جہانکشائی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو موذی جانور کو توان چنگیز خان کے خواب میں آیا۔ اور تاتاری لشکر کا سردار، جس نے خراسان سے زنگو تک اور جھیل بقال سے ایران کے بعید ترین شہر تک، ساری دنیا فتح کر ڈالی تھی، مرنے کے لیے گھر لوٹا۔

چنگیز خان اور سب حکمرانوں سے زیادہ دانشمند تھا۔ چونکہ اسے علم ہو چکا تھا کہ اس کے مرنے کا وقت قریب ہے اس لیے اس نے حکم دیا کہ اس کے سب سے زیادہ قابل عزت دشمنوں، تنگُت اور سونگ کے چینیوں سے صلح کر لی جائے لیکن اس کی موت کی کسی کو خبر نہ کی جائے۔ جب اس کی میت اس کے مقبرے کی طرف لے جائی جا رہی تھی جو خان تائی خان کے پہاڑوں میں تعمیر کیا گیا تھا تو بیس ہزار انسانوں کو قتل کیا گیا تاکہ وہ تنہری کے اندھیروں میں اس کے ہمراہ جائیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے اس کا مقبرہ بنایا تھا۔ یوتونگ منجم سے یوں ہی روایت ہے چنانچہ ایسا کوئی شخص موجود نہ رہا جو یہ بتا سکتا کہ وہ کونسا مقام ہے جہاں دنیا کا مالک موت کی نیند سو رہا ہے۔

بیس ہزار انسان چنگیز خاں کے آخری سفر پر اس کے ہمراہ گئے۔ اور ہزاروں شہروں کا مالِ غنیمت اس کے مقبرے میں رکھا گیا۔ کوئی تاتاری کبھی اس مقبرے کے قریب نہ گیا۔ لیکن لیوتونگ چینی تھا اس لیے اس نے

آلتین اُردُو کے سربراہ کا مردہ چہرہ دیکھنے کی جرأت کی۔ لیوتونگ نے خان تاتی خان کے جنگلوں میں یہ مقام ڈھونڈ نکالا ــــ اس وقت میرتوریک کا پردادا اس کے ساتھ تھا۔ وہ دونوں دریائے توقوقن کے دروازے میں سے گزرے، اُونون مُورین کے پاس سے گزرے اور دولت ڈھونے والے ہاتھیوں پر ستاروں کی روشنی چھٹکی ہوئی دیکھی۔

میرتوریک کی آنکھوں میں بخار کی سی چمک آگئی جب اس نے یہ بتایا کہ اس کے پردادا اور لیوتونگ نے چنگیز خاں کا خزانہ تو دیکھا لیکن خان تاتی خان کی دھند نے انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میرتوریک کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ مقبرے سے کیوں بھاگ آئے۔ اسے صرف اتنا معلوم تھا کہ ان پر ایک عظیم ہیبت طاری ہوگئی۔ لیوتونگ بہت جلد مرگیا اور میرتوریک کا پردادا خان تاتی خان کے خطّے سے سمرقند چلا آیا۔

مرنے سے پہلے اس نے اپنے بیٹے کو چنگیز خان کے مقبرے کا راستہ بتایا۔ یوں یہ کہانی میرتوریک کے کانوں تک پہنچی۔ سمرقندی سوداگر جانتا تھا کہ تاتاریوں کی حالت ابتر ہو چکی ہے۔

چنگیز خان کی موت کے کچھ عرصے بعد چینیوں نے ان کی قوت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے خلعت کی مدد سے وہ دنیا کے مالک اور آلتین اُردُو کے سردار چنگیز خان کے مقبرے میں داخل ہو کر اس کا خزانہ حاصل کرلے۔

میرتوریک نے خلعت کو بتایا کہ وہ کتابوں کا کیڑا ہے چنانچہ اس نے

چنگیز خاں کی دولت کا سراغ لگانے کے لیے خبر نہیں کتنی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ جو کہانیاں اس ضمن میں اس کی نظر سے گزریں ان میں سے جائی لونگ چکر نویون کی کہانی میں مقبرے کا ذکر کیا گیا ہے۔ چکر نویون چونکہ پروہت تھا، اس لیے وہ یہ کہتا ہے کہ ادنون مورین یعنی بیس ہزار مقتولوں کی روحیں مقبرے کی حفاظت کرتی ہیں مگر میر توریک کو اس کے سچے ہونے کا یقین نہ تھا۔

جب میر توریک اپنی بات کہہ چکا تو خلت نے اپنے دل میں خود سے سوال کیا کہ میر توریک کے دادا اور باپ نے چنگیز خاں کا مقبرہ کیوں نہ ڈھونڈا — اس سوال کا جواب اسے میر توریک کی آنکھوں کی چمک اور اس کے سفید ہاتھوں کی لرزشوں میں ملا۔ میر توریک کے دل میں چنگیز خان کا خوف تھا۔ یہی خوف اس کے باپ کے دل میں بھی تھا۔

خلت دولت پر ہاتھ ڈالنے سے باز رہنے والا انسان نہ تھا چاہے یہ دولت چنگیز خاں کے مقبرے ہی میں کیوں نہ ہو۔ لیکن اس کے دل میں خواہش زر کے ساتھ ساتھ یہ خوش کن خیال بھی تھا کہ وہ صحرا میں واپس پہنچ جائے گا۔ گو یہ صحرا وہ نہیں تھا جو اس کا مرز بوم تھا مگر اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔

۳

یوں خلت نے وہ سفر شروع کیا جس میں وہ ان پہاڑوں پر سے گزر کر جنھیں "بام دنیا" کہتے ہیں اور لداخ یا تبت کے اوپر، کاشغر کے شمال

ہیں، بادلوں کی توام جھیلوں اسیلوک قُل اور سون قُل کے اس پار صحرائے گوبی میں پہنچا۔

بہت کم لوگ ہیں جو اس سفر اور اس کے انجام کے بارے میں خلت کی روداد پر یقین کرتے ہیں۔ لیکن قازق ایسا آدمی نہ تھا جو محض لطفِ داستان کے لیے کہانیاں گھڑتا۔ پھر چکر نویون کی کتاب بھی سمرقند کی ایک مسجد میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ آسمان کے بیٹے کے سب سے بڑے جرنیل ہانگ ہی کے وقائع نگار کی کتاب بھی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ماننا یا نہ ماننا سننے والے کے تخیل پر منحصر ہے اور اپنی جہالت پر تو ایک احمق ہی فخر کیا کرتا ہے۔

جب سورج نے بی بی خانم کے مقبرے کے کھنڈروں پر سونا چڑھایا تو میر توریک کے ملازموں نے دریائے سیر کے راستے میں چوپان آتا کی ڈھلانو پر اپنے نمدے کے خیمے نصب کیے۔ وادیٔ سمرقند کی گرمی کی جگہ پہاڑوں کی ٹھنڈی ہوائیں لے چکی تھیں۔ خلت اپنا پرانا پوستین کا لبادہ اوڑھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے خیمے پر اطمینان کی ایک نظر ڈالی۔

میر توریک کے ملازموں میں بارہ ترکمان تھے، تیرھواں غلاموں کا سردار فوگن التائی تھا۔ ان لوگوں نے مہم کے باربردار جانوروں، یعنی خچروں کے قریب اپنے چھوٹے چھوٹے خیمے ایک دائرے کی شکل میں نصب کیے تھے۔

خلت کی قیادت نے مضبوط لیکن خودمختار ترکمانوں میں انضباط کی

رُوح پھونک دی تھی۔ ان میں سے دو کارواں کے راستے کے قریب پہرہ دے رہے تھے۔ انھوں نے قازق کے خلاف بغاوت کر کے دیکھ لیا تھا اور انھیں پتا چل گیا تھا کہ اس کو بھیڑیا کیوں کہتے ہیں۔ لیکن فوگن اُلتائی، چونکہ میر نوریک کا خاص خادم تھا اس لیے وہ خلت کا تابع فرمان نہ تھا اس نے دن میں دو بار تعمیلِ حکم سے انکار کیا تھا اور میر نوریک نے اس کی حمایت کی تھی۔

فوگن التائی ایک پستہ قد آدمی تھا۔ اس کا چہرہ پیلا تھا، سر کے بال اپنے آقا کے بالوں کی طرح سیاہ تھے اور آنکھیں بھی اسی کی طرح ترچھی تھیں۔ خلت کو یہ شخص اچھا نہ لگا۔ وہ چوکنا رہتا تھا اور گھُنّا تھا اور کبھی کبھی میر نوریک سے کسی ایسی زبان میں باتیں کرتا تھا جس سے قازق واقف نہ تھا۔ خلت کی خواہش صرف یہ تھی کہ ترکمانوں کو قابو میں رکھنے کے معاملے میں فوگن التائی اس کے راستے میں حائل نہ ہو۔ اس کے علاوہ وہ فوگن اولتائی سے اور کچھ نہ چاہتا تھا۔

سب لوگ شام کا کھانا کھا کر فارغ ہو چکے تھے۔ خلت نے اپنے لیے جو خیمہ نصب کیا تھا اس کے سامنے بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔ خیمے کی طرف اس کی پیٹھ تھی اور تلوار گھٹنوں پر دھری تھی۔ کچھ فاصلے پر اس کے آدمی بیٹھے جُوا کھیل رہے تھے۔

اچانک، اس نے اپنا پائپ منہ سے جُدا کر لیا، یوں وہ بے حرکت

ہی رہا۔ لیکن چوکس ہو کر بیٹھ گیا اور اپنی تیز آنکھوں سے اندھیرے میں گھورتا رہا۔ ایک سایہ آواز پیدا کیے بغیر ڈرتے ڈرتے ایک خیمے سے دوسرے خیمے کی طرف جا رہا تھا۔ سنتریوں نے ایسی کوئی حرکت نہ کی جس سے پایا جاتا کہ انھوں نے اس سائے کو دیکھ لیا ہے۔

سایہ اس کے سامنے آ کر رُکا۔ خلت نے فوراً اپنی تلوار پکڑ لی۔ سایہ اور آگے بڑھا اور کسی نے اپنے آپ کو اس کے قدموں میں گرا دیا اور دو گورے گورے ہاتھوں نے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔

"آقا، تم میرے مالک ہو! مجھ پر رحم کرو! اندھیرے میں سے قیرولہ کی آواز آئی۔ "آقا مجھے ٹھوکر نہ مارنا۔ میں تمھارے پیچھے پیچھے ایک لنگڑے گدھے پر سوار ہو کر آئی ہوں جو اور گدھوں سے الگ الگ چلتا رہا ہے اور سنتریوں کی نظر بچا کر آگے نکل آیا ہے۔ میں تمھارے پیچھے پیچھے اس لیے آئی ہوں کہ اگر میں شروع میں ساتھ آنے کو کہتی تو تم مجھے واپس بھیج دیتے۔ مجھے بڑی سخت بھوک لگ رہی ہے اور سردی بھی محسوس ہو رہی ہے۔"

خلت نے اپنا کھردرا ہاتھ بڑھا کر لڑکی کا شانہ پکڑ لیا۔ قیرولہ نے اپنا سفید چہرہ اوپر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ خلت کو اس کا گرم گرم سانس اپنے گالوں پر محسوس ہو رہا تھا۔

"میں نے تجھ سے کہہ دیا تھا قیرولہ کہ تو ہمارے ساتھ نہیں آ سکتی۔" اس نے کھُردرے لہجے میں کہا۔ "تو اس سفر کی مصیبتیں کیوں سہنا چاہتی ہے؟"

یہ راستہ ایک لڑکی کے لیے بڑا کٹھن ہے۔ سمرقند میں ایسے بہت سے نوجوان ہیں جو تجھے پھول پیش کر سکتے ہیں اور تیرے لیے غلام خرید سکتے ہیں۔"

"نہیں آقا! میں سمرقند کے آدمیوں سے ڈرتی ہوں۔ میرا تمہارے سوا کوئی آقا نہیں ہے۔ عورتیں کہتی ہیں کہ دوسرے مرد مجھے بے آبرو کریں گے میں اس لنگڑے گدھے پر سوار کارواں کے پیچھے پیچھے اس طرح چلوں گی کہ تمھیں پتا تک نہ چلے گا۔ ضرورت پڑی تو میں تمہارا کھانا پکا دوں گی۔ اور تمہارے جوتے بھی صاف کر دوں گی۔ مجھے سمرقند واپس نہ بھجوا۔"

خلت نے انکار کے طور پر سر ہلایا۔ لڑکی کے منہ سے ایک دھیمی سی کراہ نکل گئی۔

"راستہ بڑا دشوار ہے،" خلت نے کہا۔ "تمھیں کھانا کھلا دیا جائے گا۔ لیکن کل۔"

لڑکی جو سر جھکائے اکڑوں بیٹھی تھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم میرے آقا ہو پھر بھی مجھے سمرقند میں بکنے کے لیے بھجوا رہے ہو۔ میرا کوئی گھر گھاٹ نہیں۔ اگر تم مجھے اپنے ساتھ رہنے دو تو میں تمہارے گھوڑے کے ساتھ سو رہا کروں گی اور تمھیں شراب کے پیالے لا لا کر دیا کروں گی۔ پھر جب ہم اس ملک میں پہنچ جائیں گے جہاں چنگیز خاں کی حکومت ہے تو مجھے جہاں جی چاہے بھیج دینا۔ میری ماں نے مرتے وقت مجھے اس ملک کی باتیں بتائی تھیں۔"

خلت نے اس کی یہ باتیں سن کر تعجب سے سر اٹھایا۔ اس سے

پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا، ایک سایہ نمودار ہُوا اور فوگن اُلتائی کی نرم آواز آئی۔

"قیردلہ! تو جہاں سے آئی ہے وہیں لوٹ جا، نہیں تو تیری ہتھیلیوں پر کوڑے مارے جائیں گے۔ تو نے قزاق سردار کے الفاظ سُن لیے ہیں۔ اگر ہمارے آقا میر تور یک نے سُن لیا کہ تو یہاں آئی ہے تو تیری بری گت بنے گی۔"

اس نے لڑکی کو پکڑ کر سختی سے جھنجھوڑا۔ لڑکی نے اس کا ہاتھ کاٹ لیا۔ وہ تکلیف سے چلّا اٹھا اور اپنا دوسرا ہاتھ مارنے کے لیے اُٹھایا مگر لڑکی اچھل کر ایک طرف ہٹ گئی۔

"میر تور یک کو اس کی اطلاع دی جائے گی، کمین!" فوگن التائی نے سِسیا کر کہا۔ "تو کہتی ہے کہ تو نے سارے دن کچھ نہیں کھایا۔ اس پڑاؤ سے آگے جانے سے پہلے تجھے کھانے کی قیمت ادا کرنی ہو گی۔"

"تمھیں یہ اختیار کس نے دیا ہے فوگن التائی؟" خلت نے پوچھا۔ "کہ تم لوگوں کو حکم دیتے پھرو؟ اگر میں حکم دوں کہ لڑکی کو کھانا لا کر دیا جائے تو تمھیں کھانا لانا ہو گا۔"

"میں کھانا لاؤں؟" فوگن اُلتائی کا جسم یوں لرزا جیسے سردی سے کپکپا رہا ہے۔ "میں غلام نہیں ہوں، اور میری ذات ——" وہ بولتے بولتے رُک گیا —— "خلت! تم نے تو یہ کہا ہے کہ لڑکی کو واپس جانا پڑے گا!"

"میں نے تو لڑکی سے یہ کہا ہے کہ تجھے کھانا دیا جائے گا۔ تمھارے کان بہت بڑے بڑے ہیں فوگن اُلتائی! اب تم آ ہی گئے ہو، جیسے کُتا مردار کی بُو سونگھ کر آتا ہے، تو جا اور قیدلہ کے لیے کھانا لا۔ اِسے بھوک لگ رہی ہے۔"

"خلت! میرا تو ریک ایسا نہ ہونے دے گا۔" فوگن اُلتائی نے پھنکار کر کہا۔ "اسے معلوم ہے کہ کسی کو کھانا لا کر دینا میرا کام نہیں ہے اور ایک قزاق مجھے یہ حکم دینے کا مجاز نہیں۔"

فوگن التائی کی آواز یکایک یوں رُک گئی جیسے کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو۔ خلت نے اُٹھ کر اس زور سے اس کے جبڑوں پر گھونسا رسید کیا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کے بازو نیم جان سے ہو کر آہستہ آہستہ ہلتے رہے۔ پھر وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ لڑکی کا سانس رکنے سا لگا تھا اور وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"قزاق" فوگن اُلتائی نے پوپلے مُنہ سے کہا، کیونکہ اس میں خون بھرا ہُوا تھا۔ "یہ لڑکی تمھاری ملکیت ہے اور اگر تمھاری یہی خواہش ہے تو اُسے کھانا کھلا دیا جائے گا لیکن وہ شخص جو بلاوجہ لوگوں کو دشمن بناتے بے وقوف ہوتا ہے۔ کھانا لانے کو کسی اور سے کہو۔"

"میں کہہ چکا ہوں فوگن التائی کہ کھانا تم لاؤ گے، اور کوئی نہیں لائے گا۔"

غلاموں کا سردار ایک لمحے کے لیے خاموش رہا۔ اس نے اپنا زخمی

چہرہ آہستہ سے سہلایا۔ خلت نے یہ سمجھا کہ اب یا تو جنجر چمکے گا یا گالی کی سسیاہٹ سنائی دے گی۔ لیکن فوگن اُلتائی خاموش رہا۔ خلت نے اپنے دل میں سوچا یہ بھی عجیب آدمی ہے۔

"اگر تمھاری یہی خواہش ہے تو کھانا لا دیا جائے گا قزاق! پھر بھی بہتر ہوتا اگر تم اس پر اصرار نہ کرتے!"

خلت نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا تو فوگن التائی مڑا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ خلت نے غصے سے لڑکی کی طرف دیکھا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس نے اس لڑکی کی وجہ سے ایک دشمن پیدا کر لیا ہے۔

"قیر دلہ! جا میرے خیمے میں بیٹھ!" اس نے کہا "ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ کھانا کھانے کے بعد میرا اُونی جبّہ اوڑھ کر سو جائیو! میں اپنے گھوڑے کے ساتھ سوؤں گا۔"

دوسرے دن قیر دلہ اپنے لنگڑے گدھے پر سوار خلت اور میر توربک کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئی۔ میر توربک نے لڑکی کی موجودگی کے بارے میں کچھ نہ کہا۔ خلت نے سمجھ لیا کہ اس نے اس بارے میں فوگن اُلتائی کو کچھ کہنے یا کرنے سے منع کر دیا ہے۔

جُوں جُوں وہ آگے بڑھتے گئے راستہ دشوار ہوتا گیا اور سردی نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ ترکمانی گھوڑے نمدوں میں لپٹے لپٹائے اپنی پیٹھوں پر اونچی اونچی لکڑی کی زینیں اُٹھائے موسم کے تغیر سے بے پروا چلے جا رہے تھے لیکن گدھے بچارے کانپ رہے تھے۔ میر توربک نے

اپنے کو سمور کے ایک بیش قیمت جبّے میں لپیٹ لیا تھا۔ خلت نے لڑکی کو پوستین کا ایک لبادہ، جو اس کے سامان میں بندھا ہُوا تھا نکال کر دے دیا۔

چاند، سفر کے آغاز میں روشن تھا، لیکن جب سوار ایک ترکمان رہبر کی رہنمائی میں اسیوک کُل اور سون کل کی پہاڑی جھیلوں سے گزر کر تھیان شان کی پہاڑیوں کے درّوں تک پہنچے تو وہ ایک روپہلی ٹکیا رہ گیا۔ یہاں پہنچ کر ترکمان رہبر رہنمائی سے دستبردار ہو گیا لیکن فوگن التائی نے اعلان کیا کہ وہ بازرگانی نقشوں اور ستاروں کی مدد سے سفر جاری رکھ سکتا ہے۔

خلت ہر بات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ میر توربک کو چپ لگ گئی ہے اور وہ ہر شام بہت سا وقت خیمہ گاہ میں فوگن التائی کے ساتھ باتیں کرنے میں گزارتا ہے۔ بہرحال غلاموں کا سردار خلت سے دُور دُور رہتا تھا۔ تائزق نے بھی اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ سوائے اس کے کہ اس کی پیٹی میں ترکی پستولوں کا جو جوڑا تھا وقتاً فوقتاً اسے دیکھ کر یہ تسلی کر لیتا کہ فوگن اُلتائی نے ان میں بارود بھر رکھی ہے کیونکہ ہم آزماؤں کے اس گروہ کے پاس لے دے کر یہی دو بارودی پستول تھے۔

ایک دن جب دھوپ چٹانوں کی ڈھلانوں پر چمک رہی تھی میر توربک نے زبان کھولی اور چنگیز خان کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ اس نے بتایا کہ یہی وہ درّے ہیں جن سے قتالِ اعظم کے غلام دمشق اور ہرات کے

شہروں کی دولت قراقرم لے جاتے وقت گزرا کرتے تھے ۔۔۔ جب میر توریک یہ بتا رہا تھا اس وقت اس کی آنکھوں میں حالتِ بخار کی سی چمک تھی چنگیز خاں کی دولت اتنی زیادہ تھی کہ اس کے وزیر نے کبھی اس کا شمار نہ کیا تھا ۔ اس کے غلام ایشیا کے چار کھونٹ سے دولت سمیٹ کر اس کے پاس لے آتے تھے ۔ چکر نویون کی کتاب میں لکھا تھا کہ چنگیز خان نے اپنے محل میں بے حد حساب سونا جمع کیا تھا ۔ اس کے ایک وزیر نے اس میں سے کچھ زیورات اپنی بیویوں کو دے دیے ۔ جب چنگیز خان کو خبر ہوئی تو وزیر نے فاتح عالم کے غضب سے بچنے کے لیے اپنا گلا کاٹ لیا ۔

میر توریک چنگیز خاں کی مہموں کی داستان سناتا رہا ۔ اس نے بیان کیا کہ یاکوں[1] کی دموں کے نشان والے اس جھنڈے نے جو آتین اُوردد کا جھنڈا تھا ، جب قراقرم سے ہرات تک سفر کیا تھا تو فتوحات نے کیونکر اس کے قدم چومے تھے ۔

سوداگر کی یہ داستان مکمل نہ ہوئی کیونکہ ان کے گردہ کا پیش سوار مڑ کر گردہ کی طرف آیا ۔ یہ ترکمان ، جو خلت اور میر توریک سے کوئی سو قدم آگے چل رہا تھا ۔ ایک دبلے پتلے آدمی کو اپنے ساتھ لایا تھا ۔ جس نے ایک لمبا سا جبہ پہن رکھا تھا اور ایک گٹھڑی اٹھائے تھا ۔ اس کے سر کے بال خشخاشی کٹے ہوئے تھے ۔

---

[1] تبت کا بیل جس کے بال لمبے اور پیٹھ پر کوہان ہوتا ہے ۔ (مترجم)

اس اجنبی نے میر توریک سے کچھ کہا۔ لیکن میر توریک نے یہ بتانے کے لیے کہ وہ کچھ نہیں سمجھا اپنا سر ہلا دیا۔ اس کے اشارے پر نوگن التائی آگے بڑھ کر اجنبی سے مخاطب ہُوا۔ وہ دونوں باتیں کرتے کرتے پیچھے رہ گئے اور ملازموں کے گروہ میں جا ملے، جس میں قیرولہ بھی تھی لیکن میر توریک نے چنگیز خاں کی کہانی پھر شروع نہ کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ پڑاؤ ڈالنے کے لیے بیتاب ہے۔ حالانکہ پہلے بڑھے چلے جانے کے لیے بے تاب تھا۔ اس نے وجہ یہ بتائی کہ ہوا تیز ہوتی جا رہی ہے اور برف باری کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ پھر اُور تو ستارہ بھی اس وقت ان کے سروں پر نہیں ہے اور اب وہ اس کی حفاظت پر انحصار نہیں کر سکتے۔

خلت نے تھم جانے کا حکم دے دیا۔ نمدے کے خیمے لگائے گئے اور خیمہ گاہ بنا دی گئی۔ قیرولہ نے یہ دستور بنا لیا تھا کہ قازق کا خیمہ خود نصب کراتی۔ جو اس کے اپنے خیمے کے قریب ہوتا۔ خلت نے موقع پر پہنچ کر سنتری پہرے پر کھڑے کیے۔ جب وہ لوٹ کر آ رہا تھا تو اس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ ترکمان سنتری گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے اور انھوں نے اپنے کان زمین سے لگا رکھے تھے۔

خلت نے گالی دے کر سنتریوں کو سیدھا کھڑا کیا۔ ترکمان بڑبڑانے لگے کہ وہ خطرے کی آوازیں سن رہے تھے۔ یہ خطرہ کیا ہے، یہ بتانے کو وہ تیار نہ تھے۔ ایک سنتری نے صرف اتنا کہا کہ راستے میں ایسے خطرے بھی

ہوتے ہیں جو سُنے ہی جا سکتے ہیں دیکھے نہیں جا سکتے۔

خلت سنتریوں کی وہم پرستی سے بیزار ہو کر اپنے خیمے میں آگیا، جہاں قیرولہ اس کے لیے کھانا لیے بیٹھی تھی۔ آگ بھڑ بھڑ جل رہی تھی، سب اس کے گرد جمع تھے۔ خلت نے انھیں دیکھ کر تیوری چڑھائی۔ وہ اجنبی جو انھیں اسی دن ملا تھا آگ کے سامنے کھڑا تھا اور ایک برتن میں سے کوئی روغن نکال نکال کر آگ پر ڈال رہا تھا۔ ساتھ ہی ایک چھوٹی سی کتاب میں سے کچھ اُونچی آواز سے پڑھتا بھی جاتا تھا۔ اس کے الفاظ خلت کے لیے تو کوئی معنی نہ رکھتے تھے لیکن میر توریک اور فوگن التائی انھیں بڑے غور سے سن رہے تھے۔ خلت نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ میر توریک سچ مچ دوغلا آدمی ہے۔ اس نے پہلے یہ کہا کہ اجنبی ایک گدا ہے اور اب اس کی طرف اس طرح کان لگائے بیٹھا ہے جیسے وہ کوئی بڑا بزرگ آدمی ہے! خلت نے کبھی کوئی ایسا گدا نہ دیکھا تھا جو لکھ پڑھ سکتا ہو۔

ابھی وہ اس بات پر غور کر رہا تھا کہ قیرولہ چپکے سے اس کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔

"میرے آقا!" اس نے سرگوشی کی۔ اس کی آنکھیں آگ کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ "کل رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک باز آکر میری کلائی پر بیٹھ گیا ہے اور اس کے پنجوں میں سورج بھی ہے اور ستارے بھی۔ وہ کہیں دُور سے اُڑ کر آیا تھا اور تھکا ہُوا تھا۔ پھر بھی اس نے سورج کو پنجوں میں دبا رکھا تھا۔ میرا دل

بہت خوش ہوا۔

"تجھے خواب بہت آتے ہیں ننھی چڑیا!" خلت نے مسکرا کر کہا۔ اور جب وہ مسکرایا تو اس کے درشت چہرے کا سارا کھردرا پن غائب ہوگیا۔ تیردلہ اسے مسکراتے دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی۔ اس نے کئی بار خلت کو مسکرانے پر مجبور کیا تھا۔

"اس خواب کی کیا تعبیر ہے آقا؟" اس نے خلت سے پوچھا۔

"میں کوئی فال گو ہوں جو اس خواب کی تعبیر بتاؤں؟"

"نہیں آقا۔" تیردلہ نے کہا۔ "تم تو اتنے لمبے اور بڑے ہو کہ فال گو ہو ہی نہیں سکتے لیکن یہ آدمی جو آگ کے قریب کھڑا منتر پڑھ رہا ہے، فال گو ہے۔ میں نے فوگن التائی کی زبانی سنا ہے کہ یہ جائی لونگ یعنی بڑے لاماؤں کا ملازم اور ایک دانا ہے۔"

خلت نے سوچا فوگن التائی نے اجنبی کو دانا بتایا ہے مگر میرتوریک کہتا تھا کہ یہ بھکاری ہے۔ دونوں میں سے ایک نے ضرور جھوٹ بولا ہے۔ خلت کو شک تھا کہ میرتوریک نے جھوٹ بولا ہے۔

"کیوں تیردلہ! فوگن التائی نے کچھ اور بھی کہا تھا؟" خلت نے آگ تاپنے والوں کی طرف بے پروائی سے دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں خلت آقا! فوگن التائی نے میرتوریک کو یہ بتایا کہ یہ آدمی فال گو ہے۔ پھر اس نے لمبے جبے والے آدمی سے کہا کہ تم بڑے چلتر ہو اور جادو کے زور سے خلت کے پستول اڑا کر لے جا سکتے ہو۔ اس کے

بدلے میں فوگن التائی نے اسے ایک گدھا اور کچھ سونا دینے کا وعدہ کیا ہے۔"

"ننھی قیرولہ، مجھ سے پستول اڑا کر لے جانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کوئی بہت ہی بڑا دانا ہو۔" خلت نے فاخرانہ ہنسی ہنس کر کہا۔ "کیں یہ باتیں بھی تُو نے خواب میں تو نہیں سنیں۔"

"نہیں، خلت آقا۔" لڑکی نے اس کی طرف عجیب انداز سے دیکھا۔ "لیکن میں نے ایک اور خواب یہ دیکھا ہے کہ ہمیں راستے میں ایک دوسرا سانپ ملا تو تم نے اسے مار کر زمین میں دبا دیا۔ پھر اس سے کوئی خطرہ نہ رہا۔"

خلت نے اور کچھ نہ کہا۔ لیکن جب قیرولہ اپنے خیمے میں چلی گئی اور آگ تاپنے والا گروہ منتشر ہو گیا تو اس کے بعد بہت دیر تک وہ سوچ میں پڑا رہا۔ اس کی خمیدہ تلوار اس کے گھٹنوں پر دھری تھی۔ وہ سوچ رہا تھا — آخر کیا وجہ ہے کہ ترکمان یکایک اتنے اکھڑ اور نافرمان ہو گئے ہیں؟ وہ زمین کو کان لگا کر کیا سُن رہے تھے؟ میر توریک نے اس شام جاتی لونگ کے بارے میں جھوٹ کیوں بولا تھا؟ اور فوگن التائی اس کے پستول کیوں اُڑوانے چاہتا ہے؟

۴

کوتوان، جس کا سر گھوڑے کا ہے اور جس کے ماتھے پر ایک سینگ ہے، اور جو دُنیا کی ساری زبانیں بولتا ہے

"قتالِ اعظم چنگیز خان کے خواب میں آیا اور اس سے کہا۔
"آقا کے اپنے اصلی وطن لوٹ جانے کا وقت آگیا ہے"۔
اس پر چنگیز خان نے اپنے گھر کا رخ کیا اور جب وہ وہاں
پہنچا تو اسے موت آگئی۔

(جائی لونگ چکر نویون کی کتاب سے)

جب میر تور یک کی ٹولی کے صحرائے گوبی عبور کرتے وقت جو واقعات ظہور میں آئے ان کی رُوداد صرف خلت نے بیان کی ہے۔ یہ درست ہے کہ ہانگ ہی کے وقائع نگار نے اپنے تذکرے میں یہ بتایا ہے کہ خلت اور قیرولہ نے رات کے وقت کیا دیکھا اور کیا سُنا۔ لیکن یہ چینی مؤرخ یہ کہتا ہے کہ جو آوازیں اُنھوں نے سنیں وہ کسی حد تک تو ہواریت سے پیدا کر رہی تھی اور کسی حد تک خود ان کے تخیّل کی پیداوار تھیں کیونکہ ان کے دماغوں میں چنگیز خاں کے قصّے سمائے ہُوئے تھے۔ چینی مؤرخ لکھتا ہے کہ نادان لوگ بے سوچے سمجھے ہر راستے پر ہو لیتے ہیں لیکن خلت تو ایسا آدمی نہیں تھا کہ خیالی آوازوں سے دھوکا کھا جاتا!

جہاں تک قیرولہ کا تعلق تھا، خلت نے دیکھا کہ اس نے چنگیز خاں کے جو قصّے میر تور یک سے سن رکھے تھے وہ اوروں کو سنانے کے لیے بیتاب تھی۔ جب میر تور یک اُونچی آواز سے کتابیں پڑھا کرتا تھا تو قیرولہ بیٹھی سُنا کرتی تھی۔ وہ چنگیز خان کے بارے میں اس کے سوا اور کچھ نہ جانتی تھی جو ان کتابوں میں لکھا تھا اس لیے یہ سمجھتی تھی کہ چنگیز خان اور

اس کے تاتاری ابھی زندہ ہیں اور شاید صحرائے گوبی میں ملیں گے۔
خلت نے لڑکی کے تصورات کو جھٹلایا نہیں بلکہ اس کے خواب سن سن کر مسکراتا رہتا۔ وہ جانتا تھا کہ قیرولہ کے یہ خواب ایسی باتیں بیان کرنے کا وسیلہ تھے جن کے بارے میں اس کے دل میں یہ خوف تھا کہ وہ انھیں زبانی سن کر مانے گا نہیں۔ خلت لڑکی کے خیالی قصے سن کر انھیں ہنسی میں کبھی نہ اڑاتا تھا کیونکہ وہ چنگیز خاں کے قصے سننے کو ہر وقت تیار رہتا تھا۔ جہاں تک اسے معلوم تھا چنگیز خان دنیا کا سب سے بڑا فاتح تھا۔ اور تو اور تل تولائی خان بھی قتالِ اعظم کے مقابلے میں محض ایک میرزا معلوم ہوتا تھا۔

میر توریک نے اس سفر کے بارے میں خلت سے گفتگو ترک کر دی تھی۔ اب وہ اس مقبرے کا بھی ذکر نہ کرتا تھا جو خان تائی خان کے جنگلوں میں واقع تھا۔ میر توریک، فوگن اُلتائی اور جائی لونگ ایک ساتھ سواری کرتے البتہ میر توریک اور فوگن اُلتائی نے خلت کی قیادت میں کوئی دخل نہیں دیا۔ خلت کو اور کیا چاہیے تھا؛ مگر اس نے محسوس کیا کہ جب سے جائی لونگ آیا ہے اس وقت سے گروہ کے لوگ بدل گئے ہیں۔ ترکمان بڑے اکھڑپن سے پیش آنے لگے تھے اور اب انھیں دھکیل دھکیل کر آگے بڑھانا پڑتا تھا۔ رہا میر توریک، وہ اسی طرح خاموش تھا جیسے کچھ ہونے کا منتظر ہے۔ خلت قیرولہ کو جہاں تک ہو سکتا اپنے ساتھ رکھتا کیونکہ اس نے ترکمانوں کو اس کے بارے میں باتیں کرتے سنا تھا۔

"فوگن التائی کہتا ہے" خلت نے انھیں کہتے سنا تھا "کہ قیروانہ کے کان بہت بڑے بڑے ہیں اور اس کی آنکھیں بھی بڑی تیز ہیں"۔

جب یہ لوگ تھیان شان کی پہاڑیوں سے اُتر کر ریگستان میں داخل ہُوئے تو ترکمان پھر بڑبڑانے لگے، مگر جو دشوار سفر درپیش تھا اس کے پیشِ نظر ان کا بڑبڑانا خلافِ توقع نہ تھا۔

ریگستان ریت کا ایک سمندر تھا۔ یہ پہلا ریگستان تھا جو خلت نے دیکھا۔ اس میں ہوا نے بڑی بڑی لہروں سے مشابہ ماہی پشت سطحیں اور گھاٹیاں بنا رکھی تھیں۔ سورج کو دیکھ دیکھ کر سیدھا راستہ چلنے کے لیے ضروری تھا کہ ان سطحوں کو کاٹ کر چلا جائے۔ یہ سطحیں آٹھ سے بیس فٹ تک اونچی تھیں۔ راستے میں بہت کم چشمے آتے تھے اور انھیں تمام وقت ہوا کے رُخ کا بھی خیال رکھنا پڑتا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ وقت بے وقت رُکنا، اور ریت کے طوفانوں سے بچنے کا اہتمام کرنا پڑتا تھا۔

اگرچہ خلت اس علاقے سے واقف نہ تھا، پھر بھی وہ قیادت سے دستبردار نہ ہُوا۔ اس نے جائی لونگ کے مشورے سے صحرا کے سرے پر ایک گاؤں میں اپنے گدھوں کے بدلے میں چند اونٹ لے لیے اس نے اپنا گھوڑا اپنے پاس ہی رکھا لیکن باقی سب لوگوں نے اونٹ لینے کے لیے گھوڑے بھی دے دیے۔ جائی لونگ کو گدھے کے بدلے میں ایک اونٹ مِل گیا اور وہ اس پر سفر کرنے لگا۔

گاؤں میں چند دن آرام کرنے کے بعد خلت نے کُوچ کا حکم دیا۔ راتوں

میں چاند پھر پوری آب و تاب سے چمکنے لگا تھا۔ میر توریک نے کوئی اعتراض نہ کیا کیونکہ وہ ستارہ، جسے وہ اپنا محافظ خیال کرتا تھا، اس وقت آسمان کی بلندیوں پر چمک رہا تھا۔ خلت اس چھوٹے سے کاروان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا تاکہ ترکمانوں کی نگرانی کر سکے۔ اس کے عقب میں کوئی نہ تھا۔

وہ ریگستان میں بہت سی مسافت طے کر چکے تھے اور تھیان شان کی چوٹیاں ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھیں کہ پہلا عجیب و غریب واقعہ ظہور میں آیا۔

خلت اپنے نمدے کے خیمے میں گہری نیند سو رہا تھا کہ پو پھٹنے کے قریب قیروان نے اس کے خیمے کے پردے کا ایک سرا اٹھایا اور ہاتھوں اور گھٹنوں پر چلتے ہوئے اندر داخل ہو کر اسے جگایا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ خلت نے خیمے کا پردہ ہلتے ہی تلوار سنبھال لی تھی لیکن لڑکی کی حالت دیکھ کر تلوار ہاتھ سے رکھ دی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ لڑکی رینگتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی، لیکن سردی کے مارے نہیں۔

"میں ڈر رہی ہوں، خلت آقا۔" اس نے سرگوشی کی "کیونکہ میں نے رات کو ایک خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک جانور میرے خیمے کے چاروں طرف رینگتا پھر رہا ہے اور مجھے نام لے لے کر پکار رہا ہے اس نے دو تین بار ناک سڑکی اور خیمے پر پنجے بھی مارے۔ کوئی جانور میرا

نام کیسے لے سکتا ہے! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے آقا۔"

"خواب کا جانور تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ننھی چڑیا!" خلت نے بشاش لہجے میں جواب دیا۔ "اور پھر اسے بھگانے کے لیے سورج بھی تو نکل آیا ہے۔"

لیکن لڑکی کے چہرے پر مسکراہٹ نہ آئی۔

"جب میں اپنے خیمے سے نکل کر ادھر آئی" لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ "تو مجھے اس جانور کے پاؤں کے نشانات بھی دکھائی دیے۔ مگر وہ خود جا چکا تھا۔ وہ بول کیونکر سکتا تھا؟ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے، قیرولہ! قیرولہ!! پکار رہا تھا۔ جانور تو باتیں نہیں کر سکتے۔ البتہ ــــ"

خلت نے اس کی طرف سے اس کی توجہ ہٹانے کے لیے کھرے لہجے میں اس سے ناشتہ تیار کرنے کو کہا۔ لیکن کچھ دیر بعد اپنے خیمے سے نکلا تو بڑے غور سے قیرولہ کے خیمے کے آس پاس کی زمین کا معائنہ کیا۔ اُسے سچ مچ کچھ نشان دکھائی دیے۔

یہ نشان کسی جانور کے سموں کے تھے اور قیرولہ کے خیمے کے چاروں طرف ریت پر صاف دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے گیا لیکن تھوڑی دُور جا کر وہ گروہ کے جانوروں کے سموں کے نشانوں میں گم ہو گئے۔ یہ نشان گھوڑے کے سُموں کے نشانوں سے چھوٹے تھے۔ اس نے سُن رکھا تھا کہ اس ریگستان میں بارہ سنگھے رہتے ہیں لیکن یہ سُم بارہ سنگھے کے سُموں سے بڑے تھے۔ اس نے جو کچھ دیکھا اس کا ذکر لڑکی سے نہ کیا۔

اس دن سفر تھوڑا ہی سا ہوا۔ میر توریک نے شام ہونے سے بہت پہلے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دے دیا۔ آندھی آتی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ سورج بادلوں کے پیچھے غائب ہو گیا تھا۔ شام کو ترکمان الاؤ کے گرد جمع ہوئے۔ خلت نے ان میں سے ایک کو ریت کے ٹیلوں پر پہرہ دینے کے لیے زبردستی بھیجا اور اپنی تسلی کے لیے ایک نوکدار کھونٹا اپنے خیمے کے نزدیک زمین میں گاڑ دیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ صبح کس رخ جانا ہے۔ تجربے نے اسے بتایا تھا کہ ریت کی چٹانیں اکثر راتوں رات اپنی وضع بدل لیتی ہیں۔

شام کو جب وہ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اور قیرولہ سوچ میں ڈوبی ہوئی اس کے پاس بیٹھی تھی تو فوگن التائی الاؤ کے قریب سے اُٹھ کر اس کی طرف آیا۔

"میں تمہاری صحت کی دعا کرتا ہوں اخلت۔" غلاموں کے آقا نے جھک کر کہا۔ ترکمانوں نے مجھے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ لوگوں کو کسی ایسے کام کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے جو ان کی عادت کے خلاف ہو وہ لوگ رات کو پہرہ دینے پر بڑبڑا رہے ہیں۔ ہم جس گاؤں میں کل رات رُکے تھے وہاں ترکمانوں نے ریگستان کے بہت سے قصّے سنے ہیں۔ وہ ڈر رہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو پہرہ داروں پر کوئی آفت آجائے۔ میں اور تم سمجھ دار لوگ ہیں۔ وہ لوگ ناسمجھ ہیں، پھر بھی لوگوں کو جس طرح کام کرنے کی عادت ہو ان سے اسی طرح کام لینا چاہیے۔"

"جب شیر شکار کو نکلتا ہے تو کیا بھیڑیں سر چھپا لیتی ہیں فوگن اُلتائی؟"
خلت نے پوچھا "تم چاہتے ہو کہ رات کے وقت جب خطرے کا اندیشہ ہے ہمارا پڑاؤ اندھا ہو جائے؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ تمھیں معلوم ہے رات کو ایک جانور قیردلہ کے خیمے کے اردگرد چکر لگاتا رہا ہے؟"

فوگن التائی نے مُسکرا کر سر ہلا دیا اور کہا۔

"اس ریگستان میں کوئی جانور نہیں ہے خلت۔ جن بلاؤں سے ترکمان ڈر رہے ہیں وہ دکھائی دینے والی چیزیں نہیں ہیں۔ انھیں اپنے خیموں میں سونے دو۔ یہ اچھا نہیں" فوگن اُلتائی کی آواز بہت دھیمی ہو گئی "کہ دشمنی کی گتھی کو اور اُلجھایا جائے۔"

"چلو یونہی سہی فوگن التائی۔ لیکن میں اور تم دونوں تو عقلمند ہیں۔ ہم بلاؤں اور آفتوں کے قصّوں کو نہیں مانتے۔ ہم دونوں پہرہ دیں گے آدھی رات تم۔ آدھی رات میں۔"

بڑی دیر تک فوگن التائی خلت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رہا۔ اس کے بعد اس نے بے پروائی سے رُخ پھیر لیا اور بولا۔

"ترکمانوں ہی کو پہرہ دینے دو۔ یہ کام نیچ ذات لوگوں ہی کے کرنے کا ہے۔"

لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ترکمانوں نے اس رات ہوشیاری سے پہرہ نہ دیا۔ پَو پھٹنے سے پہلے قیردلہ دوڑتی ہوئی خلت کے خیمے میں آئی اور اس سے لپٹ کر سسکیاں لینے لگی۔ پھر اس نے بتایا کہ وہی جانور آج

رات پھر اس کے خیمے پر آیا ہے۔ اب کے وہ جاگ رہی تھی۔ اس نے صاف آواز سنی تھی۔ جانور خیمے کے نمدے پر پنجے مار رہا تھا۔ اس کے سانس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی، اتنی تیز کہ اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔

جب جانور خیمے کے دوسرے رُخ تھا، تو وہ چپ چاپ اپنے خیمے سے نکل کر بے تحاشا دوڑتی ہوئی خلت کے خیمے میں آ گئی تھی۔ اس کا بدن سسکیوں کی وجہ سے زور زور سے ہل رہا تھا اور اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔

"یہ جانور وہی کوتوان ہے۔" اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔ "وہ مجھے لے جانے کو آ رہا ہے۔ اسے مجھے لے جانے نہ دینا خلت آقا! میں اس سے بہت ڈرتی ہوں۔ اس میں سے مشک کی بُو آتی ہے۔ وہ میرا نام لے لے کر پکار رہا تھا۔ وہ مجھے تیری کے اندھیروں میں لے جانا چاہتا ہے۔ ریگستان سے اُڑا کر لے جائے گا۔"

خلت نے یہ کہہ کر کہ میرے کانوں میں تو کوئی آواز نہیں آئی لڑکی کو دلاسا دینے کی کوشش کی۔ لیکن جب اس نے خیمے سے باہر جانا چاہا تو روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی، اور جب روتے روتے تھک گئی تو سو گئی۔ خلت نے اپنے سُور سے اسے ڈھانپ دیا اور کان لگا کر سنتا رہا لیکن اسے کچھ نہ سنائی دیا۔ وہ وہاں سے ہلا نہیں۔ اس ڈر سے کہ کہیں لڑکی جاگ نہ اُٹھے۔ لیکن اُسے ایسا لگا کہ جیسے اس کے خیمے میں

بھی مشک کی بُو پھیلی ہوئی ہے۔

۵

دوسرے دن لڑکی اپنے خوف پر کسی حد تک غالب آگئی۔ لیکن ریگِ رواں پر کوچ کے دوران خلت کے ساتھ ساتھ ہی رہی۔ کبھی کبھی اسے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے نیند آجاتی اور وہ ڈوریوں میں بندھی بندھی جھومنے لگتی۔ مگر جب کبھی ایسا ہوتا تو ڈر کر چونکتی اور خلت کو پکارنے لگتی۔

خلت کو لڑکی کی یہ حالت دیکھ کر بڑی تشویش تھی۔ اس بیچاری کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ ایک تو ضرورت سے کم سونا، دوسرے سفر کی تھکن وہ نڈھال ہوتی جا رہی تھی۔ خلت نے پچھلی رات جو کچھ دیکھا تھا اس کا لڑکی سے تذکرہ نہ کیا، کیونکہ وہ جانتا تھا، لڑکی کو یقین ہے کہ اس کے خیمے پر کوتوان ہی آیا تھا۔ لڑکی کے دماغ میں واہمے ہی واہمے تھے لیکن اس کی آنکھوں میں جو دہشت تھی اسے دیکھ کر خلت کو بہت دُکھ ہو رہا تھا کیونکہ وہ اسے عزیز رکھنے لگا تھا۔

اس رات قیرولہ نے خلت سے یہ درخواست کی کہ مجھے اپنے خیمے میں سونے دو لیکن خلت نے اسے سختی سے اپنے خیمے میں چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ طوعاً و کرہاً چلی گئی۔ خلت نے خلافِ معمول کوئی سنتری پہرے پر تعینات نہ کیا، بلکہ بہت سویرے اپنے خیمے میں جا کر سو گیا اور اس

کے خراٹے جائی لونگ کی سمع خراش کتاب خوانی کے ساتھ سُر ملانے لگے۔
لیکن آدھی رات سے ذرا پہلے، جب پڑاؤ پر خاموشی چھا گئی۔ خلت کے خراٹے بند ہو گئے۔ اس نے اپنے خیمے کا پردہ چپکے سے اٹھایا ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رینگ کر باہر نکلا اور آواز کیے بغیر پڑاؤ کے پرلے سرے تک جا پہنچا۔

خیمہ گاہ ایک تنگ گھاٹی میں بنائی گئی تھی۔ تاروں کی روشنی چھٹکی ہوئی تھی، خلت نے دیکھا کہ اونٹ اور ترکمانوں کے خیمے سربراہوں کے خیموں سے چند قدم کے فاصلے پر ہیں۔

گھاٹی کے اندر رینگ کر خلت ایک نشیب میں پہنچا جہاں سے قیرولہ کا خیمہ ایک تیر پرتاب کے فاصلے پر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ہاتھوں سے ریت میں گڑھا کھود کر بیٹھنے کی جگہ بنائی اور ہوا کے رخ پیٹھ کر کے بیٹھ گیا۔ رات ٹھنڈی تھی۔ اس لیے اس نے پوستین جسم کے گرد اچھی طرح لپیٹ لی اور پہرہ دینے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس کام کے لیے اس نے پائپ پینے کا لطف بھی تج دیا اور پکا ارادہ کر لیا کہ اگر صبح سے پہلے پہلے کوئی جانور آیا تو اسے ضرور دیکھے گا۔

لڑکی جس انسانوی جانور کو توان سے ڈر رہی تھی خلت نے اس کو کوئی خاص اہمیت نہ دی تھی لیکن اس نے خیمے کے گرد سُموں کے جو نشان دیکھے تھے وہ بارہ سنگھے کے سُموں کے نشانوں سے کہیں بڑے تھے پھر اس کی ناک میں مشک کی بُو بھی آئی تھی، جو قیرولہ کے خیال میں اس

جانور سے آرہی تھی۔ خلت کے علم میں ایسا کوئی جانور نہ تھا جس سے مشک کی بُو آتی ہو اور جس کے سُم اتنے نوکدار ہوں۔ جہاں تک اسے معلوم تھا فوگن اُلتائی کا یہ کہنا درست تھا کہ ریگستان میں کوئی جانور نہیں ہیں۔ یہ گروہ جب سے تھیان شان پہاڑ کے دامن سے روانہ ہوا تھا۔ اس وقت سے اب تک اس کی کسی جانور سے مڈبھیڑ نہ ہوئی تھی۔ ان تمام وجوہ سے خلت حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے بیتاب تھا۔

وہ پہرہ دینے کا عادی تھا اس لیے ریت کے گڑھے میں اس پر غنودگی طاری نہ ہوئی۔ اور وہ اپنی نگاہ خیموں کے قریب افق پر جمائے بیٹھا رہا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ وقتاً فوقتاً ہوا کا کوئی جھونکا تھوڑی سی ریت اڑا جاتا۔ اسے پہرہ دیتے چند گھنٹے ہوئے ہوں گے کہ یکایک وہ تن کر بیٹھ گیا ـــــ قیرولہ کے خیمے کے قریب کسی چیز نے حرکت کی تھی۔ روشنی دھندلی تھی۔ اس لیے خلت کو صاف تو نہ دکھائی دیا کہ وہ چیز کیا ہے اور کوئی آواز بھی اس کے کانوں میں نہ آئی۔ مگر تھوڑی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ چیز خیمے سے ہٹ کر اس کے قریب آرہی ہے۔

خلت نے اپنے پستولوں میں سے ایک پستول پیٹی سے نکالا اور گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ ریت پر ہاتھوں کے بل جھک کر اس نے دیکھا کہ ایک کالی کالی سی چیز گھاٹی میں چلتی ہوئی اس کی طرف آرہی ہے۔ اب پہلی مرتبہ اس کے کانوں میں آواز آئی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی

جانور دھیمے دھیمے سرسرا رہا ہو۔

پھر یکایک اس کا جسم تن گیا اور وہ چوکنا ہو گیا۔ اس کی ناک میں مشک کی بُو آئی تھی۔ یہ بُو اتنی تیز تھی کہ اس کے نتھنوں سے چپک سی گئی اور ناک کے رستے دماغ تک پہنچ گئی۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کی گدی کے بال ہلے ہیں۔ ہوا کے ایک سرد جھونکے سے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔

اس وقت وہ کالی کالی چیز اس سے صرف چند قدم دور تھی۔ اس نے دیکھا کہ وہ کوئی چوپایہ ہے۔ اس نے پستول اُٹھا کر نہایت احتیاط سے شست باندھی اور اندھیرے میں نشانہ زیادہ سے زیادہ جتنا ٹھیک جما سکتا تھا جما لیا۔

مگر معاً خلت نے پستول ہٹا لیا۔ مشک کی جو تیز بُو اس کی ناک میں آ رہی تھی وہ یقیناً اُدھر سے آ رہی تھی جدھر سے ہوا آ رہی تھی۔ لیکن کالی کالی چیز اس کی جانب خیمہ گاہ کی طرف سے آ رہی تھی جو مخالف سمت میں تھا۔ خلت نے ایک لمبا سانس کھینچا اور آنکھیں اس چیز پر جمائے رہا مگر جب اس نے اس چیز کو پہچانا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یہ چیز قیردلہ تھی جو ریت پر ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رینگ رہی تھی۔

لڑکی اپنے خیمے سے چپ چاپ نکل کر رات کی تنہائی میں، جس سے وہ ڈرتی تھی ادھر آئی تھی۔ جب وہ اس کے قریب سے گزری تو خلت نے

اس کے رُک رُک کر چلتے ہُوئے سانس کی آواز سنی۔ یہ ممکن نہ تھا کہ مُشک کی بُو لڑکی میں سے آ رہی ہو۔ یہ بُو تو اس طرف سے آ رہی تھی جدھر سے ہوا آ رہی تھی۔ خلت نے مڑ کر روشنی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ گھاٹی کے پرلے رُخ پر، لڑکی سے کچھ آگے، ایک اور چیز تھی جو لڑکی سے بڑی تھی وہ ریت کے مقابل دکھائی دے رہی تھی۔ یہ چیز بھی اسی طرف حرکت کر رہی تھی جس طرف لڑکی جا رہی تھی۔ اتنے میں اس چیز میں سے "سی سی" کی آواز نکلی۔ اب خلت کی سمجھ میں آیا کہ اس کی ناک میں مشک کی بُو کیوں آئی تھی۔ چونکہ وہ لڑکی پر توجہ مرکوز کیے ہُوئے تھا اس لیے اس نے اس دوسری چیز کو اپنے قریب سے گزرتے وقت نہ دیکھا تھا۔ یہ چیز قوی ساخت کا ایک جانور تھا جس کے سینگ تھے اور جس کی پچھلی ٹانگیں گھسٹ رہی تھیں۔

خلت نے فوراً پستول اٹھایا اور جانور کے سر کا نشانہ باندھ کر گھوڑا دبایا مگر پستول "کٹ" کی آواز کر کے رہ گیا، گولی نہ چلی۔ خلت نے گالی دے کر اسے پیٹی میں واپس رکھا۔ غالباً اس کے چقماق اور بارود میں ریت گھس گئی تھی۔

خلت ان دونوں متحرک شکلوں پر جلدی سے ایک نظر ڈال کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس کے پہلو میں ریت کی جو اُبھری ہوئی لکیر تھی اس کو پار کر کے وہ برابر کی گھاٹی میں جا پہنچا اور گھاٹی کے خم کے ساتھ ساتھ کچھ دور تک دوڑتا چلا گیا۔

اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں لڑکی اور جانور کا سراغ ہاتھ سے نہ جاتا رہے اس لیے اُبھری ہُوئی لکیر کی طرف واپس آگیا۔ اب اس نے دیکھا کہ ان لکیروں کے بیچ میں ایک کھلی جگہ تھی وہ اس میں سے گزر کر ایک اور گھاٹی میں پہنچ گیا۔ ریت پر اس کے بھاری جوتوں کی آواز نہ ہوئی۔ وہ بے جانے بُوجھے اس رینگتے ہُوئے جانور کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ اتنے میں یکایک "سی سی" کی آواز اس کے کان میں پڑی اور جانور اس کے سامنے آن کھڑا ہُوا۔

خلت کو اس کے سینگوں اور لمبے لمبے کانوں کی ایک جھلک دکھائی دی اور اسے اپنے چہرے پر گرم سانس کی بھبک محسوس ہوئی۔ معاً خلت کا ہاتھ تلوار کے قبضے پر پڑا اور اس نے خم دار پھل میان سے کھینچ لیا۔

خلت کی تلوار اُٹھی اور جانور کے سر سے ذرا نیچے پڑی۔ جانور تیورا کر پیچھے ہٹا۔ خلت نے اس کے سر پر دو بار وار کیا۔ جانور ریت پر آ رہا۔ خلت نے پیچھے ہٹ کر لڑکی کو آواز دی۔

"قیرولہ، میں ہوں خلت! ڈرو نہیں!"

ایک لمحے بعد قیرولہ دوڑ کر اس کے پاس آپہنچی اور اس کے جُبّے سے چمٹ گئی۔

"یہ کوتوان تھا، کوتوان!" اس نے چلا کر کہا۔ "اور مجھے خیمے سے باہر بُلا رہا تھا۔ میں اس کی پکار سُن کر باہر آگئی۔ اُفوہ! اس سے کیسی

تیز بُو آ رہی تھی، مُشک کی بو، اور وہ بار بار مجھے بُلا رہا تھا۔ میں کھڑی نہیں رہ سکتی تھی اس لیے گھٹنوں کے بل چلنے لگی۔ کہاں ہے وہ؟ کہاں ہے کوتوان؟"

"ننھی قیرولہ!" خلت نے ہنس کر کہا۔ "کوتوان ہے تو بڑا عجیب جانور، لیکن اب کبھی تجھے بلانے نہیں آئے گا۔ یہ دیکھ۔"

خلت لڑکی کو کھینچ کر اس جگہ لے گیا جہاں وہ کالی کالی چیز ریت پر پڑی تھی۔ اس نے اسے احتیاط سے چھُوا۔ اس چیز نے حرکت نہ کی۔ جب خلت نے اپنا ہاتھ ہٹایا تو اس میں ایک جانور کی کھال اور اس کے سینگ تھے۔ کھال بارہ سنگھے کی معلوم ہوتی تھی۔ لڑکی جُھک کر ڈرتے ڈرتے اس کو دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً اس نے خلت کا بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑا۔

"خلت آقا! اس نے سرگوشی کی۔ "یہ تو جائی لونگ ہے۔ تم نے جائی لونگ کو مار ڈالا!"

"ہاں" خلت نے کہا۔ اب جائی لونگ پھر کبھی اپنی جادوگری کا کمال نہ دکھائے گا۔ میں بھی تو حیران تھا کہ یہ عجیب جانور ہے جو کسی کو دیکھ کر پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو جاتا ہے۔"

اس نے ریت ٹٹول کر اس میں سے دو چیزیں نکالیں۔ ایک گھوڑے کے سکھائے ہُوئے سُم جو تختوں کے اُوپر کٹے ہُوئے تھے، دوسری ایک لمبا خنجر۔ خلت نے یہ دونوں چیزیں لڑکی کو دکھائیں۔

"یہ لے! یہ ہیں کوتوان کے سُم ننھی قیرولہ!! اور کھال میں مُشک کی

بُو رچی ہُوئی ہے۔"

خلت نے قیرولہ کو تو نہ بتایا لیکن اسے فوگن اُلتائی کے الفاظ یاد آگئے۔ اس نے تاڑ لیا کہ جادوگر نے لڑکی کو جو ڈرایا تھا اور اسے رغلا کر جس طرح ریگستان میں لے جا رہا تھا یہ محض شرارت نہیں تھی بلکہ اس سے انعام کا وعدہ کیا گیا ہوگا۔ اب یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آگئی کہ فوگن التائی اس کے پستول کیوں چُرا دانے چاہتا تھا۔ لیکن پوری بات خلت کی سمجھ میں اب بھی نہ آئی۔ وہ یہ تو سمجھ گیا کہ فوگن التائی کو قیرولہ سے اس لیے نفرت تھی کہ خلت نے اسے قیرولہ کا کھانا لانے پر مجبور کر کے اس کی ہتک کی تھی۔ لیکن یہ سمجھ میں نہ آیا کہ فوگن التائی اتنی سی بات پر قیرولہ کو مروانا کیوں چاہتا ہے!

خلت چونکہ سیدھے راستے سے ہٹ کر اور گھاٹیوں میں چلا گیا تھا اس لیے یہ بھول گیا کہ پڑاؤ کس طرف ہے۔ اسے اندیشہ ہُوا کہ کہیں خیمہ گاہ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس سے دُور نہ نکل جائے۔ اس لیے لڑکی کو مرے ہُوئے آدمی سے ذرا دُور لے کر اس پر اپنا جبّہ ڈال دیا اور خود ایک طرف بیٹھ کر صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ قیرولہ کو جلد ہی نیند آنے لگی۔

"یہ کیا بات ہے قیرولہ۔" اس نے کچھ سوچتے ہُوئے پوچھا۔ "کہ میرتوریک کو فوگن التائی پر اتنا بھروسا ہے۔ معلوم ہوتا ہے جس طرح جائی لونگ سے ڈرتا تھا اسی طرح فوگن التائی سے بھی ڈرتا ہے۔"

"مجھے معلوم نہیں خلت آقا" قیردلہ نے اونگھتے ہوئے جواب دیا۔
"میرتوریک نوگن التائی پر حکم نہیں چلاتا۔ جب نوگن التائی پہلی بار سمرقند آیا تھا تو اس نے میرتوریک کو سونے کی ایک گول تختی دکھائی تھی جو وہ گلے میں پہنے ہوئے تھا۔ وہ دونوں سمجھے کہ میں اس وقت سو رہی ہوں لیکن میں جاگ رہی تھی۔ میں نے آنکھیں ذرا ذرا کھلی رکھیں اور سب کچھ دیکھتی رہی۔ وہ تختی سورج کی شکل کی تھی جس پر کرنیں بنی ہوئی تھیں اور بیچ میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ اس واقعے کو بہت دن نہیں ہوتے ہیں۔ اس کے بعد میرتوریک اپنے آپ سے چنگیز خاں کے مقبرے کی باتیں کرنے لگا اور ایسی کتابیں پڑھنے لگا جن میں اس کا ذکر تھا۔"

لڑکی کی آواز دھیمی ہوتی گئی یہاں تک کہ وہ ڈوب گئی۔ اسے نیند آگئی تھی۔ خلت بڑے صبر سے صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ ستارے جھلملانے لگے۔ ہوا جو اب تک بند تھی، اب چلنے لگی تھی۔

خلت خیالات میں غرق تھا۔ اس کو خبر بھی نہ ہوئی اور وہ سوچتے سوچتے سو گیا۔ پھر سوتے سوتے یکایک چونکا۔ ہوا اس کے چہرے کو سہلا رہی تھی اور لڑکی کے سانس لینے کی آواز اس کے کانوں میں آ رہی تھی۔ اس وقت وہ دونوں ایک چٹان کی چوٹی کے قریب بیٹھے ہوئے تھے اور ریت کی قریب ترین لہریں اسے صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

چاند خلت کے عین سر پر تھا اور مشرق میں قرمزی رنگ کی ایک مدھم سی لکیر نمودار ہو رہی تھی۔ خلت نے اپنے دل میں سوچا۔ نہیں میں سویا

نہیں۔ اسے اپنا اونگھنا یاد نہ آ رہا تھا اور یہ بھی یاد نہ تھا کہ وہ سو کر جاگا تھا۔ اس کے باوجود، جس طرح پہاڑوں سے دُھند اُٹھ کر آتی ہے اسی طرح صحرائے گوبی کا پُراسرار جادو ریت کی تاریک پہنائیوں سے اُٹھ کر آیا اور اس نے خلت، لڑکی اور مُردہ جانی لونگ کو گھیر لیا۔

یہ جادو اچانک نمودار ہُوا اور آہستہ آہستہ ان پر چھا گیا۔ اوّل اوّل تو خلت یہ سمجھا کہ شاید اونٹ بھڑک رہے ہیں مگر پھر کان لگا کر سنا تو معلوم ہُوا کہ آواز مشرق کی طرف سے کہیں قریب ہی سے آ رہی ہے۔ اب کے اس پر وہ خوف طاری نہ ہُوا جس نے اس وقت اسے تھوڑی دیر کے لیے دبوچ لیا تھا۔ جب اس نے اندھیرے میں کالا کالا جانور دیکھا تھا۔

لیکن تھوڑی دیر تک کان لگا کر سننے کے بعد خلت پر ہیبت سی طاری ہونے لگی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا پھر بھی کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ ہوا کے ساتھ آوازوں کا شور بڑھا اور اس کے سر پر سے آندھی کی طرح گزر گیا۔ خلت حیران کھڑا سنتا رہا۔ ان آوازوں سے اس کے دل کی گہرائیوں میں کسی چیز نے انگڑائی لی۔ اس پر انبساط کی ایک کیفیت طاری ہوگئی جس میں آوازوں کا شور بڑھنے سے اضافہ ہوتا گیا اور جب وہ شور بند ہو گیا تو یہ کیفیت بھی جاتی رہی۔

صحرا کی وسعتوں میں سے ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے بہت سے گھوڑے ریت پر دوڑ رہے ہیں۔ ہزاروں گھوڑے اور ان کی ٹاپوں کے ساتھ ساتھ ساز و سامان کے کھڑکھڑانے کی صدائیں بھی آ رہی تھیں۔ یقیناً

ان گھوڑوں پر سوار بھی بیٹھے ہوئے تھے، کیونکہ دور سے ہزاروں انسانوں کے رجز خوانی کرنے کا شور سنائی دے رہا تھا۔

پھر اندھیرے میں سے سامان سے لدی ہوئی بیل گاڑیوں کی گڑگڑاہٹ اور اسی کے ساتھ ساتھ اونٹوں کے پاؤں کی چاپ بھی سنائی دی کہ سواروں کی رجز خوانی کی آوازیں کبھی رُک جاتیں، کبھی پہلے سے بھی زیادہ زور سے سنائی دیتیں۔ جب ان کا زور بندھتا تو اور سب آوازیں دب جاتیں۔

رجز خوانی کے ساتھ ساتھ ہتھیاروں کی جھنکار گونجتی تھی۔ جیسے لاکھوں میان گھوڑوں کے پہلوؤں سے ٹکرا رہے ہیں۔ ایک اور آواز جو خلت نے فوراً پہچان لی جھنڈوں کی پھڑپھڑانے کی تھی۔ اندھیرے میں اس کے پاس سے سواروں کے پرے گزر رہے تھے۔ نہیں، سواروں کے پرے نہیں تھے، سواروں کا ایک لشکر میدانِ جنگ کو جا رہا تھا جنگ آزما اپنا جنگی ترانہ گا رہے تھے۔ خلت ان کے ساتھ مل کر گانے کے لیے بیقرار سا ہو گیا۔

اس ترانے میں ملی جلی ایک دھمک کی آواز بھی تھی جس سے خلت آشنا نہ تھا۔ ریت اس دھمک سے کانپ کانپ اٹھتی تھی۔ یہ آواز خلت کے قریب پہنچی اور گزر گئی۔ قریب سے نہیں گزری بلکہ اس کے اوپر سے گزری۔ یہ گھوڑوں کے سموں کی دھمک نہیں تھی۔

خلت نے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ لیکن ٹیکرے ویران تھے۔ ستارے ابھی تک چمک رہے تھے مگر مشرق میں قرمزی لکیر زیادہ جلی

ہوتی جا رہی تھی۔ سواروں کی رجز خوانی اور بھاری بھاری قدموں کی دھمک، دونوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔

پھر جھانجھ بجنے کی دھیمی آواز سنائی دی اور ان کے ساتھ کہیں دور ترم بھی بج رہے تھے۔ اس کے بعد قرنائے کی ایک زبردست آواز آئی جو اصل میں جانوروں کی چنگھاڑ تھی۔ اس گرج میں سپاہیوں کا ترانہ ڈوب گیا۔ پھر گرج بند ہو گئی اور اچانک صحرا پر خاموشی چھا گئی۔

قیردلہ نے جو خلت کے بازوؤں میں سوئی پڑی تھی، پہلو بدلا اور خلت نے اٹھ کر ریت کے سمندر پر نظر دوڑائی۔

"نہیں، خلت آقا! وہ تمہیں نہیں دکھائی دیں گے!" اس نے سرگوشی کی۔ "میں سو نہیں رہی تھی، جاگ رہی تھی۔ میں نے سب کچھ سن لیا ہے۔ تومانوں کا یاک کی دموں والے جھنڈے لیے ہوئے گزرنا تم نہیں دیکھ سکتے۔ میں نے گاڑیوں کی گڑگڑاہٹ اور ان کے بیلوں کی ہنہناہٹ سنی ہے اور چنگیز خان کی دولت ڈھونے والے ہاتھیوں پر جو چرمی عماریاں رکھی تھیں ان کے چُومُر چُومُر کرنے کی آواز بھی سنی ہے۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے میر توریک بیان کیا کرتا تھا۔ سواروں کا جنگی ترانہ اس وقت تک سب سے بلند تھا جب دولت بردار ہاتھیوں نے چنگھاڑ کر دنیا کے مالک کا سحر گاہی خیر مقدم کیا۔

خلت نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور مرے ہوئے جائی لونگ پر نگاہ ڈالی۔

"مجھے ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے سوار ادھر سے گزر رہے ہیں" خلت نے تذبذب کے عالم میں کہا۔

"ہاں خلت آقا، یہ چنگیز خاں کی فوج تھی جو صحرا پار کر رہی تھی۔" اس وقت خلت کو شک گزرا کہ وہ شاید سچ مچ سویا ہوا نہیں تھا۔ سواروں کا جنگی ترانہ ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ لیکن ابھرتے ہوئے سورج کی روشنی میں صحرا خالی دکھائی دے رہا تھا اور کچھ فاصلے پر پڑاؤ بھی نظر آ رہا تھا۔

"نہیں، نہیں تیبر دلہ!" اس نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تم نے ایک اور خواب دیکھا ہے۔"

لیکن جب خلت اور تیبر دلہ دونوں خیمہ گاہ میں واپس آئے تو انھوں نے دیکھا کہ وہاں صرف میرتور یک اور فوگن اولتائی اور تین اونٹ ہیں۔ ترکمان رات کے پچھلے پہر بیش تر اونٹ، اور خوراک لے کر رفوچکر ہو گئے تھے۔ فوگن التائی کہنے لگا کہ اس نے انھیں روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مانے، کیونکہ انھوں نے صحرا میں جو آوازیں سنی تھیں ان سے ڈر گئے تھے۔

۶

اگر کوئی شخص کسی دانا اور عادل حاکم کی قبر کا ساز و سامان چرائے تو اس کی نیکی پر دھبا لگ جاتا ہے، اس پر اور اس

کی اولاد پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور وہ سال کے اس درخت
جیسا ہو جاتا ہے جس پر کوئی بیل چھا گئی ہو۔
(ہانگ ہی کا وقائع نگار، ین کوئی کیانگ)

سرما کا آغاز تھا جب میر توریک اور اس کے ساتھی صحرائے گوبی سے نکل کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچے جو خان تائی خان کے پہاڑوں کے نزدیک قراقرم کی تاتاری سرزمین میں تھا۔

صحرا مسافروں سے اپنی بھینٹ لے چکا تھا۔ ترکمان ایک بار جا کر پھر نہ آئے۔ جائی لونگ جہاں مارا گیا تھا وہیں پڑا رہا اور ریگِ رواں نے اسے ڈھانپ لیا۔ میر توریک یہ سمجھا کہ جادوگر ترکمانوں کے ہمراہ چلا گیا ہے۔ فوگن التائی نے اس بارے میں کچھ نہ کہا۔ خلت یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ غلاموں کے آقا کو جائی لونگ کی موت کی خبر ہے یا نہیں۔ فوگن التائی کو خبریں حاصل کرنے کا طریقہ خوب آتا تھا۔ اس سے پیشتر کہ گروہ گاؤں میں پہنچتا وہ یہ خبر لے آیا کہ گرد و نواح کے تمام علاقے تاتاریوں سے خالی ہو گئے ہیں۔

اس نے کسی گلہ بان سے سنا تھا کہ تمام کے تمام تاتاری آلتورہتین کے قلعے میں جمع ہیں جہاں چینیوں نے انھیں ایک سال سے محصور کر رکھا ہے۔ آلتورہتین تاتار کے مضبوط ترین قلعوں میں سے ایک تھا شہنشاہِ چین، وان لے، کے جرنیل ہانگ ہی نے پسپا ہوتے ہوئے تاتاری لشکروں کو اس قلعے میں دھکیل دیا تھا۔ چنانچہ میر توریک نے جو پیش گوئی کی تھی

کہ انھیں خان تائی خان کے پہاڑوں کا راستہ صاف ملے گا وہ صحیح ثابت ہوئی۔ پھر بھی خلت کو جو ریگستان کی صعوبتوں سے تھک گیا تھا، یہ دکھائی دے رہا تھا کہ راستہ تو صاف ہے مگر خوراک اور رسد نہیں ہے۔

وہ صحرا سے بقیہ دو اونٹوں پر سوار ہو کر گزر آئے تھے۔ ان میں سے جو اونٹ زیادہ تنومند تھا اس پر قیرولہ کو سوار کیا گیا تھا اور غلّے اور کھجوروں کا باقی ماندہ ذخیرہ بھی اسی پر لاد دیا گیا تھا۔ دوسرے اونٹ پر تینوں آدمی باری باری سواری کرتے رہے تھے۔ خلت نے ایسا انتظام کیا کہ میر توریک اور فوگن اُلتائی اس اونٹ پر اکٹھے کبھی سوار نہ ہوں۔ جائی لونگ کے وقوعے کے بعد وہ ان دونوں کے بارے میں محتاط رہتا تھا۔ پھر بھی اس نے دو باتیں دیکھی تھیں ـــــ ایک تو یہ کہ میر توریک فوگن اُلتائی سے مہم کے شروع میں جتنا ڈرتا تھا اب اس سے بھی زیادہ ڈر رہا تھا، دوسری یہ کہ میر توریک خلت سے جُدا نہ ہونا چاہتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ خلت خمیدہ تلوار کا مالک تھا۔ یہ بات قیرولہ نے خلت کو بتائی تھی۔ خلت نے اس سے پوچھا تھا کہ تلوار کے اوپر جو عبارت کندہ ہے آیا وہ اسے پڑھ سکتی ہے۔ چونکہ عبارت نہ چینی میں تھی نہ ازبک تاتاری میں اس لیے وہ اسے پڑھ نہ سکتی تھی۔

لڑکی نے سفر کی سختیاں بہادری سے جھیلی تھیں۔ لیکن جب وہ اس گاؤں میں پہنچے تو وہ بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اسے کچھ مایوسی بھی ہوئی تھی کیونکہ اُس نے اپنے دل میں یہ تصوّر کر رکھا تھا کہ تاتار کی سرزمین اب بھی

ویسی ہی بارونق اور خوشحال ہوگی جیسی چنگیز خان کے زمانے میں تھی۔ قیردلہ نے میرتوریک سے پرانے تاتاریوں کے قصے سن رکھے تھے اور وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس وقت دنیا کے مالک چنگیز خان کی اقلیم میں ہے۔

خلت نے قیردلہ کو غیرآباد گاؤں کے ایک جھونپڑے میں ٹھہرایا اور اُسے کچھ پانی پینے کو اور کچھ پھل، جو نزدیک ہی پڑے ملے تھے کھانے کو دیے۔

خلت لڑکی کو اکیلا چھوڑ کر نہ جانتا، لیکن میرتوریک نے مجبور کر دیا۔ اس نے جب سے خان تائی خان کی چوٹیاں دیکھی تھیں، اسے ایک کل چین نہ پڑتا تھا۔ وہ سفر کی سختیوں کی وجہ سے دبلا ہو گیا تھا اور اس کا بدن بخار سے تپ رہا تھا، پھر بھی اس نے اس وقت تک دم نہ لیا جب تک، لڑکی اور فوگن اُلتائی کو گاؤں میں چھوڑ کر، خلت کو ساتھ لے کر دونوں اونٹوں سمیت پہاڑوں کی طرف روانہ نہ ہو گیا۔

"لڑکی کو کوئی خطرہ نہیں خلت!" اس نے کہا۔ "کیونکہ اونٹوں کے بغیر فوگن اُلتائی اس گاؤں سے کہیں نہیں جا سکتا۔ چلو ہم تو قولون کے دروازے اور چنگیز خان کے مقبرے چلیں۔ اس وقت راستہ صاف ہے۔ کیا خبر زیادہ عرصہ صاف رہے یا نہ رہے۔

خلت، بادلِ نخواستہ روانہ ہوا۔ وہ لڑکی کو گاؤں میں فوگن اُلتائی کے ساتھ اکیلا چھوڑ کر جانا نہ چاہتا تھا۔ پھر اسے یہ بات بھی کھٹک رہی تھی کہ علاقہ غیرآباد نظر آ رہا ہے۔ میرتوریک جان بوجھ کر یہ بھول رہا تھا

کہ ان کی خوراک کی رسد ختم ہونے کے قریب ہے لیکن خلت یہ بات نہ بھول سکتا تھا۔

ان سب باتوں کے باوجود خلت کو بھی چنگیز خان کے مقبرے پر جانے کا اتنا ہی اشتیاق تھا جتنا میر توریک کو تھا۔ چنگیز خان کے مقبرے میں جو خزانہ تھا دنیا بھر میں اس جیسا خزانہ اور کہیں نہیں تھا۔ خلت نے ترکوں کے خزانے دیکھے تھے، لیکن اسے معلوم تھا کہ چنگیز خان کا خزانہ ان سے بھی بڑا ہوگا، کیونکہ چنگیز خاں نے ترکوں کے شہر لوٹے تھے۔ دولت کا لالچ خلت پر غالب آگیا۔

وہ دونوں صبح کے وقت جب فوگن التائی غیر حاضر تھا، روانہ ہو گئے۔ اور اونٹ جتنی تیزی سے چل سکتے تھے اتنی تیزی سے انھیں چلاتے ہوئے پہاڑوں کا رُخ کیا۔ جب خان تائی خان کی ڈھلانیں نظر آنے لگیں تو میر توریک کی طمع اور بھڑکی۔ وہ اپنی لالچ سے لبریز ترچھی آنکھیں پہاڑیوں پر جمائے رہا اور جب وہ ایک جھیل کے قریب پہنچے تو خوشی سے چلّا اُٹھا۔

"یہی جھیل قوقولون ہے۔ کتابوں میں سچ لکھا تھا۔ وہ دیکھو ایک دریا پہاڑوں سے اُتر کر اس جھیل میں گر رہا ہے۔ یہاں ہمیں قوقولون کا وہ دروازہ ملے گا جس پر میرے پردادا کو اونون مورین نظر آئے تھے۔"

لیکن خلت کی نگاہ جھیل کے اس پار تھی۔ اس نے دیکھا کہ جہاں ایک دریا ڈھلانوں سے اتر رہا ہے وہاں کی مٹی زردی مائل بھوری ہے۔ اس

نے پہلی بار خان تائی خان کا جنگل دیکھا۔ وہاں سبز و شاداب صنوبر تھے نہ شاہ بلوط کے بھورے بھورے پتے، بلکہ جتنے درخت تھے سب پتوں سے خالی تھے۔ خان تائی خان کا جنگل ایک مردہ جنگل تھا۔ خلت نے میر توریک کے پیچھے پیچھے اپنا اونٹ بڑھا تو دیا لیکن اس کے دل میں بُرے بُرے خیال آرہے تھے۔

۷

جھیل چھوٹی سی تھی۔ میر توریک اس کے کنارے کنارے ایک پگڈنڈی پر ہو لیا جو پہاڑیوں کے دامن میں سے اس طرح گزر رہی تھی کہ دکھائی نہ دیتی تھی۔ ظاہر تھا کہ کوئی شخص جو اس سے پہلے وہاں آچکا تھا میر توریک اسی کی ہدایات کے مطابق چل رہا تھا۔ اس نے ایک گھاٹی کا رُخ کیا جس سے خان تائی خان کی دو چوٹیوں کے درمیان ایک وادی سی بن گئی تھی۔ اس وادی میں اسے دریائے قوقون کی جھلکیاں نظر آئیں۔

سوداگر پر تو دولت حاصل کرنے کا جنون سوار تھا لیکن خلت نے اپنے حواس قائم رکھے اور احتیاط سے قدم اٹھاتا رہا۔ وہ توہم پرست نہیں تھا پھر بھی اسے جو کچھ نظر آیا اس سے اس کے دل میں وسوسے پیدا ہونے لگے۔ ان کے پاؤں تلے کی زمین بھورے سے رنگ کی تھی اور درخت یوں مرجھائے ہوئے تھے جیسے آگ نے انھیں جھلس دیا ہو۔ اونٹ زبردستی آگے بڑھ رہے تھے۔ اگر خلت اکیلا ہوتا تو وہ بھی آگے نہ

جاتا۔ وہ ادنون مورین کے نقشے یا جو لوگ یہاں آچکے تھے ان کا انجام یاد کرکے نہیں ڈر رہا تھا بلکہ اسے مُردہ جنگل چشم نمائی کرتا معلوم ہو رہا تھا۔

دریائے توقولون پر پہنچ کر وہ اونٹوں پر سے اتر پڑے اور ان کو ایک جُھلسے ہُوئے درخت کے تنے سے باندھ کر پیدل آگے بڑھے۔ پیرتوریک دریا کے کنارے کنارے چل رہا تھا جو یہاں وادی کے اندر کی ایک گھاٹی سے اتر رہا تھا۔ وہ خلت کے مقابلے میں زیادہ دھیمی چال سے چل رہا تھا اور اپنے گرد وپیش بالخصوص دریا کا جائزہ بھی لے رہا تھا، پانی گرنے کا شور اتنا زیادہ تھا کہ گفتگو ممکن نہ تھی۔ اس لیے اس نے اشارے سے خلت کو یقین دلایا کہ یہی راستہ ہے۔ اوپر جا کر دریائی گھاٹی ایک چٹانی گھاٹی میں تبدیل ہوگئی جس میں سے توقولون پھین اڑاتا، کہیں آبشار کہیں کنڈ بناتا ہُوا اُتر رہا تھا۔

آفتاب نصف النہار پر تھا کہ خلت کی نگاہ ایک ایسی چیز پر پڑی جس نے اس سے پہلے یہاں آنے والوں کی توجہ بھی جذب کی تھی۔ وہ ایک چوڑے کنڈ کے کنارے کھڑا ہو گیا اور پیرتوریک کا شانہ پکڑ کر پانی کی طرف اشارہ کیا۔ دھوپ میں کنڈ کی گہرائیاں تک صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

کنڈ کی تہہ میں جو چٹانیں تھیں خلت کو ان میں کچھ سفید سفید سی چیزیں نظر آئی تھیں۔ یہ درجنوں انسانی کھوپڑیاں تھیں جنھیں پانی اور کنکروں

نے گھس گھس کر سفید بنا دیا تھا۔ اسی طرح درجنوں انسانی پنجر بھی نظر پڑے۔

"میر توریک!" وہ ہیبت زدہ ہو کر چلایا۔ "دیکھو، وہ اودن مورین ہمارے استقبال کو آئے ہیں۔ کیا تمھارے پردادا نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہمیں یہ نظر آئیں گے؟"

سوداگر نے گنڈ کے اندر جھانک کر کھوپڑیوں کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔

"ہاں خلت!" اس نے چلا کر کہا۔ "یہ اودن مورین ہیں۔ کتابوں میں لکھا نہیں ہے کہ چنگیز خان کے مقبرے پر بیس ہزار آدمی قتل کیے گئے تھے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو، میر توریک؛" خلت نے ہلے جلے بغیر جواب دیا۔ "لیکن کتابوں میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ اودن مورین مقبرے کی حفاظت کر رہے ہیں۔ کیا یہ ہمارے لیے اس کا اشارہ نہیں کہ ہم یہاں سے واپس چلے جائیں؟"

میر توریک بڑے زور سے ہنسا، لیکن جب اس نے گھاٹی کی طرف اشارہ کیا تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

"وہ رہا قوقولون کا دروازہ!" وہ چلایا۔ "میں اور تم دونوں ذی فہم آدمی ہیں خلت! ہم مردوں کی ہڈیوں سے نہیں ڈرتے۔ اور تو ستارہ اس وقت پھر اپنے مدار میں بلندی پر ہے اور تمھارے پاس یہ خمیدہ تلوار

بھی ہے، جو ــــ"

اتنا کہہ کر وہ رُک گیا اور ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا۔ اس کی ٹھوکر سے بھوری مٹی کا ایک بادل اُٹھا جس سے خلت کا سانس رکنے لگا۔ وہ بڑبڑاتا ہوا میر توریک کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ "خمیدہ تلوار" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا "روحوں کی گردنیں نہیں کاٹ سکتی۔" وہ اپنے دل میں سوچنے لگا کہ میر توریک کیوں اسے بار بار اس کی خمیدہ تلوار کی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ہڈیاں زمین پر کیوں نہیں ہیں۔ اس نے سوچا۔ غالباً مٹی نے انھیں ڈھک دیا ہے۔ خلت کا یہ اندازہ تو صحیح تھا لیکن وہ اپنی ساری دانشمندی کے باوجود یہ اندازہ نہ کر سکا کہ یہ مٹی کس قسم کی ہے۔ اگر اسے یہ راز معلوم ہو جاتا تو وہ ایک قدم آگے نہ بڑھتا۔

خلت کو کوئی دروازہ نظر نہ آیا لیکن جب وہ ایک آبشار کے نیچے، جو دو چٹانوں کے درمیان گرتی تھی، ایک ایسے کنڈ پر پہنچے جو پچھلے سب کنڈوں سے بڑا تھا تو میر توریک نے بتایا کہ اب وہ قوقولون کے دروازے پر پہنچ گئے ہیں۔ خلت نے کہا کہ اسے تو کوئی دروازہ کہیں نظر نہیں آ رہا۔ میر توریک نے کہا کہ قوقولون کا دروازہ دکھائی نہیں دے سکتا کیونکہ وہ آبشار کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔

خلت نے کھوپڑیوں کی طرف اشارہ کیا جو کنڈ کی تہہ میں اب پھر چمکتی دکھائی دے رہی تھیں اور کہا "میر توریک میں نے سمرقند میں حلف اُٹھایا تھا کہ تمھارے ساتھ چنگیز خاں کے مقبرے پر جاؤں گا۔ اب

اگر تم وہاں جاؤ گے تو میں بھی ضرور تمھارا ساتھ دوں گا۔ لیکن میں نے صحرائے گوبی میں بڑی عجیب آوازیں سُنی ہیں۔ مجھے یہ خان تائی خان کا جنگل اچھا نہیں لگتا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ کوئی بُری بات ہونے کو ہے۔ لوگ مجھے بھیڑیا کہتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ مجھ میں احمقوں کی سی بہادری ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم یہیں سے واپس ہو جائیں۔"

میرتوریک نے اپنا جھریوں دار چہرہ خلت کے چہرے سے تقریباً بھڑا دیا اور اس کے ہونٹ اس طرح بل کھا گئے جیسے ایک گھرے ہوئے جانور کے ہونٹ غراتے میں بل کھاتے ہیں۔

"تم بھیڑیے ہو یا گیدڑ کہ خطرے کی صورت دیکھ کر ریں ریں کرنے لگے ہو؟"

"نہیں، میرتوریک،" خلت نے غصّے سے جواب دیا۔ "تم نرے احمق ہو جو خوف اور عقل مندی میں تمیز نہیں کر سکتے۔ آؤ! آگے بڑھیں۔"

اور یہ کہہ کر قازق کُنڈ کے اندر کود پڑا۔ پانی اس کی کمر تک تھا اس نے جُھک کر کھوپڑیوں پر پاؤں رکھ رکھ کر چلنا شروع کر دیا۔ اس کے بھاری جوتے کھوپڑیوں پر پھسل رہے تھے لیکن اس کے باوجود وہ آبشار کے پیچھے کی چٹان کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔ دھارے کے زور کی وجہ سے پانی چٹان سے ایک گز ہٹ کر بہہ رہا تھا اس لیے خلت آبشار تلے سے بھی گزر گیا۔ اور اس مقام کی نیم تاریکی میں اپنے پاؤں پھسلنی کھوپڑیوں پر جما کر جوں توں آگے بڑھتا چلا گیا۔

چٹانوں پر سے پانی کے جو چھینٹے اڑے اُنھوں نے اسے شرابور کر دیا۔ ایک چٹان کی سطح کو ٹٹولتے وقت اس نے معلوم کیا کہ یہ ایک جگہ دبتی ہے۔ غور سے دیکھا تو وہاں ایک قدِ آدم دراڑ دکھائی دی۔ اس نے سنبھل کر اس میں پاؤں رکھ دیا اور اندر گھس گیا۔ وہ کئی گز تک بڑھا چلا گیا یہاں تک کہ اس پر چھینٹے پڑنے بند ہو گئے۔

"اب ہم غاروں کے اندر پہنچ گئے ہیں۔" میر توریک کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ "کتابوں میں لکھا ہے کہ مقبرہ بنانے والوں نے دروازے کو پوشیدہ رکھنے کی غرض سے دریائے قوقولون کا رخ بدل دیا تھا۔"

قوقولون کا دروازہ! اسی دروازہ کے اس طرف چنگیز خاں کا خزانہ ہے ـــــ خلت نے غاروں کی سیلی ہوئی ہوا کو سُوں سُوں کر کے سونگھتے ہوئے اپنے دل میں سوچا ـــــ میر توریک سچ کہہ رہا ہے۔ لیکن معاً اس کی ناک میں خطرے کی بُو اس طرح آئی جس طرح شکاری کتے کی ناک میں لومڑی کی بُو آتی ہے۔ اسے ایک ہلکی بساند آتی محسوس ہوئی۔ دریا میں سے نہیں، غاروں کے اندر سے۔ کیا یہ بھوری مٹی کا غبار اُڑ رہا تھا؟

"وہ دیکھو!" میر توریک نے کہا۔ "سورج کی روشنی وہاں سے آ رہی ہے۔ غار اسی طرف جا رہا ہے۔ چلو! اُدھر چلیں!

جب میر توریک گرتا پڑتا آگے بڑھ رہا تھا تو خلت کو کچھ فاصلے پر خاکستری روشنی کا ایک ہالہ دکھائی دیا۔ میر توریک اسی کی طرف بڑھ

رہا تھا، اتنی تیزی سے جتنی تیزی سے لڑکھڑاتی ہوئی ٹانگوں سے بڑھا جاسکتا تھا۔ راستہ اس طرح ہموار معلوم ہو رہا تھا گویا انسانی ہاتھوں نے تیار کیا ہے۔ جب روشنی زیادہ تیز ہوئی تو خلت نے دیکھا کہ غار میں زنگ خوردہ ہتھیار اور تاتاری خود ادھر اُدھر بکھرے پڑے ہیں۔ جا بجا اونون موریں کی کھوپڑیاں بھی پڑی تھیں۔ خلت نے سوچا عجیب بات ہے کہ تاتاریوں کو چنگیز خان کے مقبرے کی دہلیز پر مارا گیا۔

جس وقت خلت میر توریک کے پاس پہنچا تو وہ غار کے پرلے سرے پر کھڑا جھک کر ایک کھوہ میں جھانک رہا تھا۔ خلت نے اوپر نظر اُٹھائی تو دیکھا کہ روشنی کھوہ کی چھت کے ایک شگاف میں سے آ رہی ہے۔ یہ شگاف گول تھا۔ کھوہ بھی جو سیدھی پہاڑ کے قلب میں اُتر گئی تھی گول ہی نظر آ رہی تھی۔

خلت اور میر توریک سرنگ کے دروازے پر کھڑے تھے۔ لیکن راستہ وہاں ختم نہیں ہو گیا تھا۔ چٹانوں کے ایک پُل نے کھوہ کو پاٹ رکھا تھا۔ یہ پُل تنگ تھا اور بیچ میں سے کمان کی طرح اٹھا ہوا تھا۔ خلت نے اپنے دل میں کہا کہ یہ پل یقیناً انسانی ہاتھوں کا بنایا ہوا ہے۔ وہ بُو جو اس نے پہلے محسوس کی تھی اب اور بھی تیز ہو گئی۔

اب اس کی سمجھ میں یہ بات بھی آ گئی کہ روشنی کیوں دھندلی پڑ گئی تھی۔ کھوہ کی گہرائیوں میں سے بخارات پتلے پتلے ستونوں کی شکل میں اُٹھ اُٹھ کر چٹانوں کے اس پل کے گرد چکر کاٹ رہے تھے۔ چونکہ

وہاں ہوا نہیں تھی اس لیے بخارات پیچ نہیں کھا رہے تھے بلکہ جمع ہو ہو کر ستون بناتے ہوئے بل کھا کھا کر اوپر کو اُٹھ رہے تھے۔ ان میں سے گھاٹی کا دوسرا کنارہ دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔

میر توریک نے خلت کا بازو پکڑ کر اس طرف اشارہ کیا۔

"دیکھو وہ رہے دولت ڈھونے والے ہاتھی۔" وہ چلایا۔ "دولت ڈھونے والے ہاتھی بھی ہیں اور وہ دولت بھی ہے جو یہ ڈھو کر لائے۔ یہی ہے چنگیز خان کا مقبرہ۔ ہم چنگیز خان کے مقبرے پر پہنچ گئے ہیں۔"

اس کی آواز غار میں بڑے زور سے گونجی۔ خلت کو ایسا لگا جیسے جواب میں غار کی گہرائیوں میں گڑگڑاہٹ ہوئی ہے۔ اس نے اس طرف دیکھا جدھر میر توریک اشارہ کر رہا تھا۔ اوّل اوّل تو صرف دھوئیں کا ایک پردہ دکھائی دیا پھر تھوڑی دیر بعد چٹانوں کی ایک سطح مرتفع نظر آنے لگی جو کھوہ کے پرلے کنارے پر آگے نکلی ہوئی تھی۔ اس سطح مرتفع پر، اُن سے آگے، نیز چٹانوں کے پُل کے اس پار، بخارات میں سے دیو پیکر شکلیں دھندلی دھندلی دکھائی دینے لگیں۔ دو جڑواں شکلیں اُجاگر ہوئیں اور خلت کو یوں لگا جیسے بخارات کے حرکت کرنے کے ساتھ وہ بھی حرکت کر رہی ہیں۔ یہ شکلیں انسانوں کی نہیں تھیں بلکہ دو حیوانوں کی تھیں جو ایک دوسرے کے دوش بدوش کھڑے تھے اور جن پر ایک مربّع چیز رکھی ہوئی تھی اور یوں معلوم ہوتی تھی جیسے ہوا میں معلّق ہے۔

جب خلت نے اور غور سے دیکھا تو معلوم ہُوا کہ توام شکلیں حرکت

نہیں کر رہی ہیں بلکہ دھوئیں نے اس کی آنکھوں کو دھوکا دیا تھا۔ وہ بے حرکت کھڑی تھیں۔ خلت کا دل دہل گیا۔ اس نے اس قسم کے حیوان پہلے بھی دیکھے تھے۔ اس کا دماغ زقند لگا کر سمرقند کے بازار میں پہنچ گیا۔ کھوہ کے اس پار کی دونوں شکلیں ان ہاتھیوں جیسی تھیں جو اس نے میر توریک سے خریدنے چاہے تھے۔ فرق صرف حجم کا تھا۔

"دولت ڈھونے والے ہاتھی!" سوداگر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے رٹ لگا رہا تھا۔ سونے کے ہاتھی۔ چنگیز خاں کی ساری دولت پگھلا کر یہ ہاتھی ڈھالے گئے تھے۔ کتابوں میں یہی لکھا ہے اور یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ آہا! اور تو ستارہ سچ مچ مبارک ہوتا ہے۔ چنگیز خان کے جلو دار اس کے خزانے اٹھا کر خان تائی خان کے غاروں میں لے آئے تھے۔ یہاں انھوں نے اُسے ان ہاتھیوں کی شکل میں ڈھال دیا اور چنگیز خاں کا صندوقچہ ان کے درمیان لٹکا دیا۔ لیکن کوئی زندہ واپس نہ گیا۔

خلت حیرت کے عالم میں کھوہ کے اس طرف گھور رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر یہ ہاتھی سونے کے ہیں تو یہاں منوں سونا ہے۔ اگر اس سونے میں ہیرے جواہرات نہ بھی ڈالے گئے ہوں تو بھی یہ دولت بے حد و حساب ہے۔ یہ سونا حاصل کرنے کی ہوس اس کے سینے میں موجیں مارنے لگی، لیکن اس کے ساتھ اس کے دل میں ایک ادراحساس بھی پیدا ہو رہا تھا۔

غار کی اتھاہ گہرائیوں میں سے ایک گڑگڑاہٹ سی سنائی دے رہی

تھی جو اسے وہ گرج یاد دلا رہی تھی جو اس نے صحرائے گوبی میں سنی تھی۔ دولت ڈھونے والے ہاتھیوں کے قدموں کی دل دہلانے والی آواز! ایک بار پھر خطرے کا احساس اس پر غالب آگیا۔ مگر کھوہ میں کوئی چیز حرکت کرتی نظر نہ آ رہی تھی اور یہ بھی ممکن تھا کہ یہ پتھروں کے لڑھکنے کی گڑگڑاہٹ ہی ہو۔ خلت نے جھک کر گہرائیوں میں جھانکا لیکن تہہ نظر نہ آئی۔

"سچ مچ" اس نے ہیبت زدہ ہو کر کہا "یہ ایک عظیم انسان کا مقبرہ ہے۔" جب اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے اسی لمحے اس پر بخارات کا ایک بدبودار بھپکا اس طرح حملہ آور ہوا کہ وہ تیورا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"چنگیز خان کی دولت!" میر توریک نے کانپتے ہوئے چلا کر کہا۔ "میں نے چنگیز خان کی دولت ڈھونڈ نکالی ہے اور اب یہ میری ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے چٹانوں کے پل پر چلنا شروع کر دیا۔ خلت اس کے پیچھے دوڑا۔

ان کے پاؤں تلے گہرائیوں میں گڑگڑاہٹ ہو رہی تھی اور بخارات اُٹھ اُٹھ کر میر توریک کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ خلت کو یوں لگا جیسے وہ اسے چاروں طرف سے دبا رہے ہیں۔ میر توریک نے ٹھوکر کھائی اور دونوں ہاتھ ہوا میں پھینکتے ہوئے اس طرح چیخ ماری جیسے اس کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔

"آخ! آخ! ادنون مورین میرا گلا گھونٹ رہے ہیں۔" وہ چیخا۔

خلت لپک کر آگے بڑھا۔ بخارات کی وجہ سے اس کا سر چکرا رہا تھا۔ پھر بھی اس نے میر توریک کو پل پر سے گرتے گرتے تھام لیا۔ ایک لمحے کے لیے دونوں پل کے کنارے پر ٹکے کھڑے رہے۔ چنگیز خان کے مقبرے کے راستے کے عین وسط میں۔ پھر خلت نے اپنے تنومند جسم کا پورا زور لگا کر میر توریک کو پیچھے کی طرف گھسیٹا۔ اور اس کے بے ہوش جسم کو اُٹھا کر اس غار میں لے آیا جہاں وہ ایک لمحے پہلے کھڑے تھے۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور گلے میں بخارات گھس جانے سے آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ میر توریک کو ایک چٹان پر لٹا کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ جب اس کے حواس کافی دیر بعد بحال ہوئے تو اس نے دیکھا کہ دولت ڈھونے والے ہاتھی کھوہ کے اس پار اسی طرح کھڑے ہیں۔

خلت نے اپنے دل میں سوچا کہ اونون مورین سچ مچ چنگیز خان کے مقبرے کی پاسبانی کر رہے ہیں اور جن لوگوں نے مقبرے کی دولت لوٹنی چاہی ہوگی ان پر اونون مورین کا غضب ضرور نازل ہوا ہوگا۔

جب خلت کے بدن میں دوبارہ توانائی آئی تو اس نے سوداگر کے بے ہوش جسم کو اُٹھا کر اپنے کندھے پر ڈالا اور قوقولون کے دروازے سے نکل کر آبشار کے نیچے نیچے چلتا ہوا، خان تانی خاں کی پہاڑیوں میں واپس آگیا۔

۸

اس رات جب وہ دونوں گاؤں میں پہنچے تو میر توریک کو کچھ کچھ

ہوش آچکا تھا۔ لیکن وہ بہت کمزور ہو گیا تھا اور چنگیز خان کے مقبرے میں اسے جو تجربہ ہوا تھا اس کی وجہ سے بہت بدحواس تھا۔ ادھر خوراک بھی بہت کم رہ گئی تھی۔ قیرولہ صحرائے گوبی کے سفر کے اثرات سے ابھی تک پوری طرح صحت یاب نہ ہوئی تھی۔ پھر بھی جب خلت اپنے اکڑے ہوئے جسم کو سیدھا کرتا ہوا اونٹ سے اترا تو قیرولہ نے اس کا خیر مقدم کرتے وقت بڑی خوشی ظاہر کی۔

فوگن التائی واپس آگیا ہے خلت آقا!" اس نے کہا۔" اور اس نے ایک منصوبہ تیار کر لیا ہے۔ آلتورہتین کے قریب چینیوں کا جو پڑاؤ ہے وہ وہاں گیا تھا۔ وہاں سے اسے پتا چلا ہے کہ تاتاری لوگ چینیوں کے علاقے میں سے گزر کر آتے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ ہم رات کے وقت شہر پہنچ سکتے ہیں۔ وہاں ہم ان تاتاری جانبازوں سے جا ملیں گے جو اس علاقے میں جنگ کر رہے ہیں اور شہر میں خوراک بھی وافر مقدار میں مل جائے گی۔

خلت نے اس کی بات پر غور کیا۔

"ہاں۔" اس نے کہا۔" بات تو ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ پھر بھی تمھیں میرتوریک کے ساتھ یہیں رہنا چاہیے۔"

"نہیں میں یہاں رہوں گی تو خوف سے میری جان نکلتی رہے گی۔" اس نے جواب دیا۔" فوگن التائی تو کہتا ہے کہ ہم سب لوگ جا سکتے ہیں۔ میں تم سے الگ نہیں ہونا چاہتی، آقا! تمھاری خمیدہ تلوار، جس سے

ہر ایک ڈرتا ہے، مجھے ہر خطرے سے بچائے گی۔ میں نے کل رات خواب دیکھا ہے کہ وہ دوہرا سانپ جسے تم نے مار کر مٹی میں دبا دیا تھا وہ دبا نہیں بلکہ میرے پیچھے بھاگا۔"

جب میر توریک اچھا ہو گیا تو وہ چاروں اونٹوں پر سوار ہو کر چینی پڑاؤ کے مضافات میں گئے اور شام تک انتظار کرتے رہے کہ اندھیرا ہو تو شہر میں داخل ہوں۔ خلت نے فوگن التائی سے مشورہ کرنے کے بعد یہ منصوبہ منظور کر لیا تھا۔ اسے غلاموں کے سردار پر اعتبار تو نہ تھا کیونکہ وہ خلت اور میر توریک کے اسے پیچھے چھوڑ کر خان تائی خان کے پہاڑوں میں جانے کی وجہ سے ان سے ناراض تھا، پھر بھی اس نے قیاس کیا کہ جہاں تک اس کی اپنی حفاظت کا تعلق ہے اس کی حد تک تو فوگن التائی ان کے ساتھ تعاون ہی کرے گا۔ ارد گرد کے علاقوں کی ساری خوراک چینی سواروں نے ہتھیالی تھی۔ فوگن التائی نے یہ یقین دلایا تھا کہ وہ شہر میں داخل ہونے کا ایک راستہ جانتا ہے۔

میر توریک آلتون ہتین پہنچنے کے لیے بیتاب تھا، کیونکہ چنگیز خان کے مقبرے کے اندر اس پر جو افتاد پڑی تھی اس سے اس کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔ وہ ابھی تک بخار میں مبتلا تھا اور اپنے سے باتیں کرتا رہتا اور کوئی ہلکی سی آواز بھی سنتا تو چونک اٹھتا۔ جب یہ گروہ چینی پڑاؤ کے خیموں اور شامیانوں اور شہر کی مٹیالی دیواروں کے قریب ایک جنگل کے کنارے شام پڑنے کا انتظار کر رہا تھا تو میر توریک نے مصلّی بچھا کر

خشوع وخضوع سے دعا مانگی۔ قیرولہ بہت خوش تھی۔

"اب ہمیں چنگیز خاں کے سپاہی دکھائی دیں گے۔" وہ کہنے لگی۔ "یعنی آلتین اُردو کے سپاہی۔ وہ ہمارا استقبال کریں گے کیونکہ میرتوریک ایک دانا آدمی ہے اور خلت آقا ایک بڑا سردار ہے۔"

خلت بے دھڑک چینیوں کے پڑاؤ کی طرف چلا گیا۔ وہ قیرولہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے نوگن اُلتائی کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اندھیرے میں وہ گھاٹیوں میں چلتے رہے البتہ چینی پڑاؤ کے الاؤوں سے دُور دُور ہی رہے۔ خلت بھیڑیا کبھی کسی کے جال میں نہ پھنسا تھا لیکن اس مرتبہ دھوکا کھا گیا۔

اس نے اپنے پیچھے میرتوریک کے دعا مانگنے کی آواز سنی اور قیرولہ کا ہاتھ مضبوط پکڑے ہوئے میرتوریک کو گالی دینے کے لیے مڑا۔ ایک لمحے کے لیے میرتوریک کے عجیب وغریب الفاظ سن کر اس کے دل میں شک گزرا کہ میرتوریک یہ کس زبان میں دعا مانگ رہا ہے! اور ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ میرتوریک اس کی تلوار کے بارے میں اتنی پُوچھ گچھ کیوں کرتا رہا ہے؟ اور اس نے چنگیز خان کے خزانے کا خیال کیوں ترک کر دیا لیکن خلت کے دل میں یہ شک بعد از وقت پیدا ہُوا۔

وہ چینی پڑاؤ سے ایک تیر پرتاب کے فاصلے پر ایک گھاٹی میں سے گزر رہے تھے کہ یکایک خلت نے قیرولہ کی چیخ سنی۔ خلت کا ہاتھ تلوار پر پڑا۔ لیکن معاً ایک بھاری سی چیز اس کی کھوپڑی پر لگی۔

خلعت گھٹنوں کے بل زمین پر آ ہا اور اس سے پیشتر کہ وہ اُٹھتا بہت سے ہاتھوں نے اسے دبوچ لیا۔ اندھیرے میں سے کئی شکلیں یکایک نمودار ہوگئیں۔ خلعت کی مشکیں کس لی گئیں۔ اس کے سر اور چہرے پر کپڑا ڈال دیا گیا اور بہت سے لوگ اسے گٹھڑی کی طرح اٹھا کر لے چلے۔

۹

جرنیل ہانگ ہی کا وقائع نگار، ین کوئی کیانگ لکھتا ہے کہ آلتون ہتین کے محاصرے کے پہلے سال موسم سرما کی ایک شام ہانگ ہی اپنے شامیانے میں دربار لگائے بیٹھا تھا۔ یہ شامیانہ آلتون ہتین کی دیواروں سے دُور تھا، لیکن توپوں کی گھن گرج اور شعلوں کی غرّاہٹ وہاں بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔

ہانگ ہی، ایک عالی مرتبت عامل تھا، اسے ادب پر کامل عبور حاصل تھا اور وہ آسمان کے بیٹے وان لے کا خاص الخاص جرنیل تھا اپنی مجلسِ عدل کے اراکین کی صحبت میں بیٹھا ین کوئی کیانگ سے کنفوشش کی کتابیں پڑھوا کر سُن رہا تھا۔ کسی مقدمے کی سماعت سے پہلے ہانگ ہی ہمیشہ اس حکیم فرزانہ کے مقالات سُنا کرتا تھا تاکہ اس کے دِل میں وسعت اور انصاف کا جذبہ پیدا ہو۔

یہ جرنیل، جو دو لاکھ چینی سپاہیوں کا سپہ سالار تھا، ایک دراز قد اور لحیم شحیم انسان تھا۔ اس کی خلعت نیلے اور سنہرے ریشم کی تھی اور

اس پہ زری سے ایک اژدہے کی شکل اور جنگ کے دیوتا کوان ٹی کی شبیہ بنی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں سیاہ اور چمکیلی تھیں اور بازو اس کے سینے پر بندھے ہوئے یوں معلوم ہوتے تھے کہ جیسے کسی پہلوان کے بازو ہوں۔

آبنوس کے دارالعدل میں جس پہ بیروزہ دار روغن پھرا ہوا تھا اس وقت صرف ہانگ ہی کے مشیر اور معاون تھے۔ یہ اس قالین کے دونوں طرف حسبِ مراتب بیٹھے ہوئے تھے جو دارالعدل کے وسط سے اس چبوترے تک بچھا ہوا تھا جس پر آسمان کے بیٹے کا نائب بیٹھا تھا۔

ہانگ ہی کے پہلو میں چان کئے شی بیٹھا تھا۔ یہ سوکھا سا بوڑھا ایک جنگ آزمودہ سپاہی تھا جو سو لڑائیاں لڑ چکا تھا اور شطرنج میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ یہ چان کئے شی ہی تھا جو ایران سے وہ بھاری توپیں لایا تھا جو آلتون ہنین کی دیواروں کو چکنا چور کر رہی تھیں۔ اس نے اپنی جدّی لوحیں ہاتھ میں لے کر قسم کھائی تھی کہ مرنے سے پہلے آسمان کے بیٹے کے پشتینی دشمنوں یعنی تاتاریوں کے آخری خان کو اپنے ہاتھوں سے دفن کرے گا۔

ین کوئی کیانگ بیان کرتا ہے کہ اس شام صرف ایک مقدمہ پیش ہوا۔ یہ مقدمہ ایک اجنبی کا تھا، جس کا نام خلت اور عرف بھیڑیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور ملزم میر نوریاب بھی تھا۔ جو سمرقند کا باشندہ تھا اور جس کا پردادا عامل رہ چکا تھا۔

جب دار العدل کے نقیب نے ان دو ملزموں کو پیش کیا تو چینی مشیروں کی آنکھوں نے کسی قسم کے جذبات ظاہر کیے بغیر ان کا معائنہ کیا۔ ان کی ترچھی آنکھوں میں ایک فاتح قوم کی سفاکی اور ایشیا کی سب سے دانش مند قوم کی عیاری جھلک رہی تھی۔

مشیروں نے دیکھا کہ ایک ملزم میر توریک نے تو مند کے سامنے سجدہ کیا، لیکن دوسرا ملزم خلت اپنے بازو سینے پر رکھے تنا کھڑا رہا، اگرچہ وہ بھاری بھاری زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ چان کئے شی خلت پر نظر جمائے رہا گو اس کا پنکھا آہستہ آہستہ اس کے منہ کے سامنے ہلتا رہا اس پنکھے پر ان لڑائیوں کے نام لکھے ہوئے تھے جو اس نے جیتی تھیں۔

جب نقیب نے ایک خمیدہ تلوار لاکر مسند پر ہانگ ہی کے پاؤں میں رکھی تو ین کوئی کیانگ کو رنش بجالایا۔

"عالی جاہ! اس نے مؤدبانہ عرض کی۔ "یہ شخص جو حضور کے قدموں میں کھڑا ہے خود کو میر توریک کہلواتا ہے حالانکہ اس کا ایک چینی نام بھی ہے۔ ہمارے ایک مخبر نے سمرقند میں اس کا پتا چلایا۔ اس نے کئی بار قسم کھائی ہے کہ آسمان کے بیٹے کی خدمت بجا لائے گا اور اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر قائم رہے گا۔ میر توریک کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کے پاس ایک ایسی خبر ہے جس کی وجہ سے حضورِ عالی اس کی کوتاہی سے درگزر فرمائیں گے۔ وہ قسم کھاتا ہے کہ وہ جو کچھ کرتا رہا ہے وان لے کی خاطر کرتا رہا ہے اور اب وہ اپنے کام کے نتائج پیش

کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔"

"اور یہ دوسرا آدمی۔" چان کے شی نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

"عالی جاہ! بندہ اس سے واقف نہیں۔" ین کوئی کیانگ نے جواب دیا۔ چند رات پہلے یہ میر توریک کے ساتھ گرفتار کیا گیا تھا — اس عرصے میں اس نے دو بار قید سے فرار ہونے کی کوشش کی ہے۔"

"جناب والا!" میر توریک نے کہا۔ "بندے کو عرض کرنے کی اجازت عطا فرمائیے۔ پھر حضور کو اس شخص کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

جرنیل نے اشارہ کیا کہ وہ بتائے۔ سوداگر نے کپکپاتی ہوئی آواز سے جلدی جلدی بولنا شروع کیا۔

"یہ شخص خلت، عرف بھیڑیا، ایک روسی قزاق ہے، یہ سمرقند میں میرے گھر آیا تو مجھے اس کے حالات دریافت کرنے کا اشتیاق ہوا۔ کیونکہ یہ ایک صاحبِ اختیار آدمی کی طرح باتیں کرتا تھا حالاں کہ اس کا کوئی عہدہ ہے نہ اس کے پاس دولت ہے مگر جب اس نے مجھے اپنی تلوار دکھائی تو معمّا حل ہو گیا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس شخص کا راز جناب والا کے لیے کس قدر مفید ہو گا میں اسے جلدی جلدی آلتون ہتین کا محاصرہ کرنے والی فوج کے پڑاؤ میں لے آیا۔ اس کا راز اس کی تلوار پر کندہ ہے یہ پڑھنا نہیں جانتا اور ہم جو باتیں کر رہے ہیں ان کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔"

سب شیروں کی آنکھیں خلت پر بیک وقت پڑیں۔ جو اس طرح جیسے وہ ان کو خاطر میں نہیں لا رہا ہے اپنی خمیدہ تلوار پر نظر جمائے، جو اس وقت ہانگ ہی کے قدموں میں رکھی تھی، تنا کھڑا تھا۔ وہ جس رات گرفتار ہوا تھا اسی رات تلوار اس سے لے لی گئی تھی۔ جب اس کے باپ نے یہ تلوار اسے دی تھی اس وقت سے لے کر اب تک یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے قبضے پر کسی اور کا ہاتھ پڑا تھا۔ قیر ولہ نے بڑی منت سماجت کی کہ اسے اسی خیمے میں رہنے دیا جائے جس میں خلت قید ہے، لیکن اسے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ اور خلت کو کچھ خبر نہ تھی کہ اب وہ کہاں ہے۔

اس نے دو بار فرار ہونے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا نتیجہ صرف یہ نکلا تھا کہ اُسے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا دی گئی تھیں۔ اسے اور میر نور بیک کو ایک ہی خیمے میں رکھا گیا تھا۔ فوگن اُلتائی غائب تھا۔ خلت سمجھ گیا کہ اس کی گرفتاری فوگن اُلتائی کی کارستانی ہے۔ اس نے اپنے دل میں عہد کر لیا کہ فوگن اُلتائی کو اس کی سزا دے گا۔ اب وہ ایک پُروقار انداز میں اپنے انجام کا منتظر تھا۔

"عالی جاہ! میر نور بیک نے کورنش بجا لا کر اپنا بیان جاری رکھا۔ "میں نے قیاس کیا کہ اس آدمی کا چہرہ ایک روسی تاتاری کے چہرے سے مشابہ ہے اور جب میں نے اس کی تلوار کا کتبہ پڑھا تو اس قیاس کی تصدیق ہو گئی۔ مجھے علم و حکمت کی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے اور میں ہانگ ہی اور اس کے اربابِ دانش کا مقلد ہوں۔ خلت نے مجھے یہ بتایا کہ اس کی

تلوار پشتہا پشت سے اس کے خاندان میں چلی آرہی ہے۔ اس پر جو تحریر کندہ ہے وہ واقعی قدیم ہے۔"

اس تلوار پر یہ لکھا ہے۔" میر توریک نے خلت کی تلوار کی طرف اشارہ کرکے کہا۔" کہ یہ قلماق تاتاریوں کے خانِ اعظم اور چنگیز خان کے جانشین قائدو کی تلوار ہے۔ اگرچہ خلت کو اس کا علم نہیں، لیکن یہ گنتی کے ان چند لوگوں میں سے ہے جن کی رگوں میں تاتار کے خوانینِ اعظم کا خون ہے۔"

چان کئے شی کا پنکھا ایک لمحے کے لیے رکا، جس کے بعد پھر حرکت میں آگیا۔ ہانگ ہی نے کسی جذبے کے بغیر پہلے خلت کی طرف اور پھر میر توریک کی طرف دیکھا اور جھک کر تلوار کی تحریر پڑھنے لگا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ خوانینِ اعظم کی کوئی تلوار اس کے قدموں میں تھی۔

" عالی جاہ! میر توریک نے جلدی جلدی کہا۔" میں خلت بھیڑیے کو خان تائی خان کے پہاڑوں میں لے آیا۔ میں نے ڈھونگ یہ رچایا کہ میں خزانے کی تلاش میں نکلا ہوں۔ لیکن مجھے اُمید تھی کہ میں اسے جنابِ والا کی خدمت میں بطور قیدی پیش کردوں گا اور اس طرح آسمان کے بیٹے کی سلطنت سے غیر حاضر رہنے کا جو گناہ مجھ سے سرزد ہوا ہے اس کا کفارہ ادا ہوجائے گا اور اگر میرے نصیب اچھے ہوئے تو حضور کے اربابِ دانش کے زمرے میں شامل کرلیا جاؤں گا۔"

پھر وہ تشویش کے عالم میں کورنش بجا لایا اور نقیب کے اشارے

پردو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔

"تمھیں اور کچھ بیان کرنا ہے؟" ہانگ ہی نے پوچھا۔

"نہیں عالی جاہ! مجھے جو کچھ عرض کرنا تھا کر چکا۔" میر توریک نے جواب دیا۔ لیکن اس کی نظریں جھک گئیں، کیونکہ اس کے دل میں خان تائی خان کے پہاڑوں اور بے حساب خزانے کے مقبرے کی یاد تازہ ہوگئی تھی۔

"سمرقند میں رہنے والے مخبر کو بلاؤ جس نے فوگن اُلتائی کا نام اختیار کر رکھا ہے۔" ہانگ ہی نے حکم دیا۔

میر توریک نے یکایک خوف زدہ ہوکر مجمعے پر نظر ڈالی۔ اُسے فوگن اُلتائی کی حیثیت کا تو علم تھا، لیکن یہ امید نہ تھی کہ اس کا دان لے کے مخبر سے اس طرح سامنا ہوگا۔ فوگن اُلتائی بڑا چالاک نکلا۔

خلت نے جب فوگن التائی کو عدالت گاہ میں آتے دیکھا تو اس نے پہلی بار جنبش کی۔ وہ شخص جو پہلے غلاموں کا سردار تھا اب ایک اونچی ذات کے عامل کا ریشمی خلعت پہنے ہوئے تھا۔ اس کے گلے میں سونے کی ایک گول تختی، جو سورج کی شکل کی تھی، لٹکی ہوئی تھی۔ جو شیر فوگن التائی سے کمتر مرتبے کے تھے اُٹھے اور جھک کر اسے آداب بجا لائے۔ فوگن التائی چبوترے کی طرف بڑھا اور اس نے تین بار جھک جھک کر سلام کیا۔ خلت کے بازوؤں نے زنجیریں توڑنے کے لیے زور لگایا لیکن پھر اس نے ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دیے۔ جلاد ننگی تلوار لیے اس کے قریب کھڑا تھا۔

"اس شخص خلت کو اس کے نسب سے آگاہ کر دو!" چان کئے شی

نے ملائم لہجے میں کہا" تاکہ اسے سزا سے اور زیادہ تکلیف پہنچے"۔

یوں خلت قازق عرف بھیڑیا ہانگ ہی کی عدالت میں اس راز سے آگاہ ہُوا کہ اس کے اسلاف وہ خوانینِ اعظم تھے جو تاتار کے حکمران اور چین کے دشمن رہ چکے تھے۔ چینیوں کو جتنی نفرت لفظ تاتاری سے تھی اور کسی لفظ سے نہ تھی۔

خلت نے فوگن التائی کے الفاظ تیور بدلے بغیر سنے۔ اس کے آباواجداد اسی نسل سے تھے جس نسل سے تاتاری تھے۔ اور اس نے اپنے سے خون کا رشتہ رکھنے والے تل تولائی خان اور قلماقوں کی نظروں میں عزت حاصل کی تھی۔ خلت نے اپنی پوری زندگی میں صرف اپنی تلوار کا حلفِ وفاداری اٹھایا تھا۔ اس کا سر فخر سے اونچا ہو گیا۔ جب اس نے یہ سنا کہ وہ ایک شاہی خاندان کا خلف ہے۔ لیکن اسے اس پر تعجب نہ ہُوا کہ اب تک اس بات کا علم کسی کو نہ ہُوا تھا۔ قازقوں اور تاتاریوں میں جو خونریز جنگ پشتوں سے ہو رہی تھی اس سے خاندان کے خاندان اس طرح تباہ ہو گئے تھے کہ بہت کم خوش قسمت لوگ ایسے تھے جو یہ بتا سکتے تھے کہ ان کا پردادا کون تھا۔ لیکن ان خیالات کے ساتھ ساتھ خلت کے دل میں یہ احساس بھی تھا کہ اس وقت اس کی جان خطرے میں ہے کیونکہ وہ چینیوں کا قیدی بنا ہُوا ہے۔

"اس سے پوچھو" ہانگ ہی نے ازراہِ جستجو کہا" اب وہ ہم سے کیا کہنا چاہتا ہے؟"

فوگن التائی نے خلت سے بات کی، پھر کچھ سوچتے ہوئے جرنیل کی طرف دیکھا۔

"عالی جاہ! اس نے آہستہ سے کہا۔" یہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ اس میں ایک لومڑی کی سی عیاری اور ایک زخمی بھیڑیے کی سی دلاوری ہے اس نے یہ سوال کیا ہے کہ آیا ایک شاہی قیدی کی زیادہ عزت ہونی چاہیے یا اس شخص کی جس نے اس کے ساتھ دغا کی ہے؟"

۱۰

اس کے بعد خلت نے قیرولہ کی بابت پوچھا۔ اس نے پہلے بھی قیرولہ کا پتا چلانے کی کوشش کی تھی، لیکن کسی نے کچھ نہ بتایا تھا — فوگن التائی کو خوب یاد تھا کہ خلت نے کیونکر اسے، جو ایک اونچی ذات کا عامل ہے اس لڑکی کے لیے کھانا لانے پر مجبور کیا تھا۔ چنانچہ اس نے دانت نکوستے ہوئے خلت کو بتایا کہ جب قیرولہ اس کے سامنے لائی گئی تھی تو اس نے قیرولہ سے یہ کہا تھا کہ وہ یا تو محاصرے کے مورچوں پر قیدیوں کے ساتھ کام کرے یا ہانگ ہی کے حرم میں داخل ہو جائے کیونکہ اس کا چہرہ حسین اور جسم خوب صورت ہے۔ جب اسے بتایا گیا کہ خلت گرفتار ہو چکا ہے اور اس کی تلوار اس سے لے لی گئی ہے تو اس نے عقلمندی سے کام لے کر حرم میں داخل ہونے کو ترجیح دی تھی۔

خلت خاموش رہا لیکن ظاہر تھا کہ وہ دل ہی دل میں کڑھ رہا ہے

لڑکی نے جو فیصلہ کیا تھا اس کے لیے وہ اسے الزام نہ دے سکتا تھا۔ اس نے سختیوں اور موت پر زندگی کو ترجیح دی تھی۔ اور کیوں نہ دیتی؟ آخر وہ ایک جوان لڑکی تھی۔ فوگن اُلتائی نے ہانگ ہی کو آداب بجالاکر اس سے کہا۔

"والاجاہ! منگ فوج کے جرّی سپہ سالار! اس شخص میر توریک نے حضور سے یہ کہا ہے کہ اس نے آپ کو سارے حالات سُنا دیے ہیں۔ مگر یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اسے ایک نہایت اہم راز معلوم ہے۔ اس راز ہی کے باعث میں سمرقند گیا تھا۔ میں نے یہ سُن رکھا تھا کہ اس شہر کے ایک عالم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس جگہ سے واقف ہے جہاں چنگیز خان کا خزانہ مدفون ہے۔"

میر توریک چونک اُٹھا اور قریب تھا کہ ہانگ ہی کے سامنے سجدے میں گر پڑے لیکن نقیب نے اسے روک دیا۔

"سمرقند میں" فوگن التائی نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا "میں نے میر توریک کے گھر میں ملازمت کرلی اور ادنیٰ کاموں سے بچنے کے لیے اسے آفتاب نما تحفتہً دکھائی۔ جسے اس نے پہچان لیا۔ مگر مجھے اس کے راز کا علم نہ ہوسکا۔ کیونکہ وہ بڑا چالاک ہے اور مجھ پر شک بھی کرتا تھا۔ پھر جب وہ قائدو کے جانشین خلت تاتاری کے ساتھ سفر پر نکلا تو میں بھی ان دونوں کے ساتھ صحرائے گوبی سے گزر کر خان تائی خان کے پہاڑوں میں آیا۔ میں نے ان کی جو باتیں اتفاق سے سُن

لیں اور میر توریک کی کنیز قیرولہ نے جو باتیں بتائیں ان سے مجھے پتا چل گیا کہ وہ چنگیز خان کی قبر ڈھونڈ نکالنے کی فکر میں ہیں۔"

"ایک دن میر توریک اور خلت، میری عدم موجودگی میں پہاڑوں میں گئے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ وہیں گئے تھے جہاں خزانہ مدفون ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ میر توریک، یہ چال چل رہا ہے کہ خلت سے اپنا کام نکال لینے کے بعد اسے آپ کے حوالے کر دے گا مگر میں نے اس وقت تک کچھ نہ کیا جب تک وہ ہمارے علاقے میں نہ آ گئے اور جب آ گئے تو ان لوگوں کی مدد سے جو پہلے سے تعینات کر رکھے تھے انھیں گرفتار کر لیا۔ میر توریک نے جھوٹ بولا ہے۔ یہ حضور سے خزانے کا راز چھپا رہا ہے۔"

فوگن التائی نے اپنے بازو اپنے ریشمی خلعت کی آستینوں میں لپیٹ لیے۔ اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ میر توریک نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی قوتِ گویائی جواب دے گئی تھی۔

"تم نے یہ کام خوب کیا، فوگن التائی" ہانگ ہی نے کہا اور پھر اپنے معتمد جرنیل سے مخاطب ہو کر پوچھا "میر توریک کے بارے میں تمھارا کیا مشورہ ہے چان کئے شی؟"

چان کئے شی نے اپنے جھکے ہوئے شانے ہلکے سے جھٹکے۔ وہ ہانگ ہی کا مشیر تھا لیکن کبھی کبھی ایسا محسوس کرتا کہ ہانگ ہی اس سے بلا ضرورت مشورہ طلب کر رہا ہے اور وہ حیران ہوتا کہ اگر میں نہ ہوں تو اس کا کیا حال بنے۔

"جب تک میر توریک ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ خزانہ کہاں ہے اس کے کانوں میں پگھلی ہوئی چاندی ڈالی جائے۔ جب بتا دے گا تو تاتاریوں کی دولت ہمارے ہاتھ آجائے گی۔ ادھر ہم آلتو رستین میں چن گز نہ کا بھی خاتمہ کر دیں گے۔ بس پھر حضورِ والا کو مزید لڑائیاں لڑنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

میر توریک نے التجا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"اے رحیم و کریم آقا! اے آسمان کے بیٹے کے نائب! میری عرض سنیے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میرا ارادہ آپ ہی کو چنگیز خان کے خزانے تک پہنچانے کا تھا۔ لیکن وہ جگہ بڑی خطرناک ہے۔ اودنون موریں اس کی پاسبانی کر رہے ہیں۔ اور دیوتا کسی کو وہاں آنے کی اجازت نہیں دیتے۔"

جان کئے شی بولا۔ "جسے جنگ میں فتح ہوتی ہے اس شخص کو دیوتا بھی خراج ادا کرتے ہیں۔ مقدس کتابوں میں یہی لکھا ہے۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر جلاد کو بلایا جو ننگی تلوار لیے لرزہ براندام سوداگر کے قریب کھڑا تھا۔

"پہلے وار سے۔" اس نے کہا۔ "اس غدار کے گھٹنوں کے پیچھے کی نسیں کاٹ دو۔ تاکہ یہ میرے حضور میں گھٹنوں کے بل جھکنا سیکھے اور دوسرے وار سے اس کا منہ چیر دو تاکہ اس کو سچ بولنا آئے۔"

بدقسمت میر توریک چیخ مارنے کو ہوا لیکن جلاد نے ایک لمحہ توقف کیے بغیر اپنے نیچے سے اس کی ٹانگوں کے پیچھے وار کیا تو اس کی چیخ منہ

کی منہ میں رہ گئی اور وہ گھٹنوں کے بل گر پڑا۔ خلت حیران ہو کر مڑا تو دیکھا کہ جلاد نے میر توریک کا چہرہ اپنے بازو کے خم میں مضبوطی سے جکڑ لیا ہے۔ سوداگر نے چھڑانے کے لیے بڑا زور لگایا لیکن جلاد نے اس کی دونوں باچھیں چیر دیں اور وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا لہولہان منہ تھامے فرش پر چت گرا۔ اس کا سانس اس طرح چل رہا تھا جیسے دم گھٹ رہا ہے۔

خلت نے ایک گہرا سانس لیا اور ہانگ ہی سے نظر ملانے کی کوشش کی۔ سپہ سالار میر توریک کے اوپر جھک گیا۔

"جب تک تم ہمیں چنگیز خان کی قبر کا راستہ نہ بتاؤ گے تمھیں مرنے نہیں دیا جائے گا میر توریک!" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں ایک غدار کا انتظار کیونکر کر سکتا ہوں؟"

پھر اس نے اشارہ کیا، جس کی تعمیل میں خلت اور میر توریک کو ان کے خیمے میں پہنچا دیا گیا۔ سنتری نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ میر توریک اس خیمے میں رہے گا مگر خلت کو اور قیدیوں کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔

سوداگر کئی دن تک خیمے کے فرش پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا اور خلت رات کے وقت چینی انجینئروں کی محاصرے کی تعمیرات پر کام کرنے کے لیے جاتا رہا۔ وہ دیگر تاتاری قیدیوں کے ساتھ مل کر ایرانی توپوں کے لیے پتھر ڈھوتا اور آلتون ہتین کی دیواروں کے سامنے تاتاری تیروں کی بوچھاڑ میں مٹی کھودتا۔

خلت نے ایسی لڑائی کبھی نہ دیکھی تھی۔ ہر رات اس کی دلچسپی بڑھتی گئی۔ چینیوں نے آلتورہتین کی گرتی ہوئی دیواروں سے چند فٹ ادھر مٹی کے بہت سے ٹیلے بنا کر انھیں چمڑے اور لکڑی سے مضبوط کر دیا تھا۔ انھیں ان ٹیلوں پر سے آخری حملہ کرنا تھا۔ دیواروں سے تیر پرتاب کے فاصلے سے ذرا ادھر دو ہیکل ایرانی توپیں رکھی تھیں جن کے گولوں سے اینٹوں کی فصیلوں کے شگاف چوڑے ہوتے جا رہے تھے۔

اب ہر چند دیواروں میں جا بجا شگاف پڑ گئے تھے، لیکن چینی دیواروں کو صرف مسمار کرنے پر قناعت کرنے کو تیار نہ تھے۔ جو تاتاری دیواروں کی حفاظت کے لیے کھڑے ہوتے ان پر بھی دستی بندوقوں[1] سے گولیوں کی مسلسل بارش کی جاتی اور بڑے بڑے شہتیروں سے بنائی ہوئی منجنیقوں سے ایسی آگ کی بالٹیاں بھر بھر کر دیواروں پر پھینکی جاتیں جو بجھائے نہ بجھ سکتی۔ یہ آگ ہانگ ہی کے خصوصی آتش بازوں نے تیار کی تھی۔ دیواروں سے دور، شہر کے اندر، منجنیقوں سے لوہے کے ایسے صندوقچے برسائے جاتے تھے جن میں بارود بھری ہوتی۔ جب یہ صندوقچے مکانوں پر گرتے تو فلیتوں سے بارود میں آگ لگ جاتی اور وہ دھماکے سے پھٹتی۔

چینیوں کے مقابلے میں تاتاریوں کی کوششیں بے اثر رہتیں۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑنے والے لوگ تھے اور میدانوں میں لڑنے کے عادی تھے۔ اس قسم کی لڑائی ان کے بس کا روگ نہ تھی۔ اس کے علاوہ چونکہ ان کے پاس آتشیں اسلحہ نہ تھا اس لیے وہ اور بھی گھاٹے میں

---

[1] یہ بندوقیں ہاتھ سے بھری جاتی تھیں۔ (مترجم)

تھے۔ محاصرہ کرنے والوں نے مٹی کے جو ٹیلے شہر کے مشرقی رُخ پر بنا رکھے تھے۔ تاتاریوں کے تیر ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتے تھے۔

خلت کو قیدیوں سے معلوم ہُوا کہ تاتاریوں کی تعداد تقریباً ستّر ہزار ہے۔ انھوں نے چینیوں پر حملے بند کر دیے ہیں مگر ان کے گھوڑے ابھی تک اُن کے پاس ہیں جو فصیل اور شہر کے درمیان کے کھیت چر کر زندہ ہیں۔ جب کبھی تاتاریوں نے شہر کے دروازوں سے باہر نکل کر حملہ کرنے کی کوشش کی ان کا استقبال بندوقوں کی گولیوں اور آتش باروں کی آگ سے کیا گیا۔

خلت نے دیکھا کہ محصورین کی حالت نازک ہے اور وہ اپنے مخصوص نسلی تحمّل کے ساتھ اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ ہانگ ہی شہر کی دیواروں پر کب ہلّہ بولتا ہے۔ اسے بتایا گیا کہ جن گر خان آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے ہیں اور شراب پی پی کر وقت گزار رہے ہیں۔

خلت کو توپوں کے لیے بڑے بڑے پتھر اُٹھا کر لانے کے کام پر لگایا گیا تھا۔ وہ سارا دن نیم برہنہ اس کام میں لگا رہتا۔ اگر تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے رُک جاتا تو چینی نگرانوں کے چابک اس کی پیٹھ کی کھال ادھیڑ دیتے ـــــ وہ خاموشی سے یہ سب کچھ سہہ رہا تھا۔ فوگن التائی کے الفاظ اسے رہ رہ کر یاد آتے۔ اسے معلوم تھا کہ خوانینِ اعظم کی اولاد سے ہونے کی پاداش میں اسے شہر فتح ہوتے ہی یا اس کے کچھ عرصے بعد وان لے کے دربار میں لے جا کر قتل کر دیا جائے گا۔ قیدی بن کر

مرنے کا خیال اس کے لیے بے حد تکلیف دہ تھا۔

قیرولہ خلت کی زندگی سے خارج ہو چکی تھی۔ اس نے بہت کم لوگوں کو اپنا ساتھی بنایا تھا، لیکن یہ لڑکی اس کے دل میں گھر کر گئی تھی، غالباً تاتاری جنگ آزماؤں کے ان قصّوں کی وجہ سے جو وہ اسے سنایا کرتی تھی۔ میز تو ریک جس طرح اذیت میں مبتلا تھا اس سے خلت کو ایک طرح کی تسکین ہوتی تھی۔ ہر چند وہ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں اتنا مضبوط جکڑا ہُوا تھا کہ فرار یا آزاد ہونے کی کوئی امید نہ تھی مگر اس حالت میں بھی چینی نگرانوں کے چابکوں کا دل ہی دل میں حساب رکھ رہا تھا تاکہ موقع ملے تو گن گن کر بدلے لے سکے۔

۱۱

ایک رات جب خلت تھکن سے چُور گرتا پڑتا چل رہا تھا اور اس کے دل میں ان پتھروں کے سوا، جو وہ اُٹھا اُٹھا کر لا رہا تھا، اور ان چابکوں کے سوا جو اس پر پڑ رہے تھے اور کسی چیز کا خیال نہ تھا۔ قیرولہ نے اس سے رابطہ قائم کیا۔ اس رات اس کی مُردہ امیدوں میں پھر جان پڑ گئی اور اس کی عیّاری اور ہوشیاری عود کر آئی۔

ایک سنتری نے اسے ایک توپ کے نزدیک یکایک روکا اور دھکیل کر خیمے کی طرف لے گیا

"ادھر آ تاتاری!" اس نے ٹوٹی پھوٹی ازبک میں کہا۔ "حرم کی ایک

عورت تجھے ڈھونڈ رہی ہے۔ خبر نہیں اسے تجھ کُتّے سے ملنے کی کیوں خواہش ہے۔ بہرحال ہمیں اس کا حکم بجالانا ہے کیونکہ وہ آقا کی منظورِ نظر عورتوں کا لباس پہنے ہوئے ہے۔

میرتوریک اور خلت کے خیمے میں انگیٹھیوں کی آگ سے روشنی ہو رہی تھی۔ میرتوریک کے بستر کے قریب ایک لبادہ پوش نازنین کو دیکھ کر خلت کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس سے پیشتر کہ لڑکی سنتریوں کو دھکیل کر باہر نکالے اور خیمے کا پردہ گرائے میرتوریک نے پہچان لیا کہ وہ کون ہے۔

پھر جب اُس نے نقاب چہرے سے ہٹایا تو خلت کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ تھی تو قیرولہ ہی لیکن اس کا چہرہ غازے سے سرخ تھا اور اس کی بھویں سیاہ محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ اس کے کالے کالے بالوں کا جوڑا بندھا ہُوا تھا اور ان میں سے تیز تیز خُوشبو آ رہی تھی۔

خلت کا نیم برہنہ جسم دیکھ کر جو بارود اور مٹّی سے کالا پڑا ہُوا تھا، قیرولہ نے ایک ہلکی سی چیخ ماری۔ پھر اس نے میرتوریک کی طرف اشارہ کیا جو بے بسی کی تصویر بنا بستر پر لیٹا تھا اور اس کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا۔

"خلت آقا!" اس نے اپنا منہ، جو آگ کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ خلت کے منہ کے قریب لاکر کہا۔ "میرتوریک کے بچنے کی امید ہے یا نہیں۔ اسے جو اذیت پہنچائی گئی ہے اس نے مجھے اس کا حال سنایا ہے

تمھارا انھوں نے کیا حال کر دیا ہے، میں تمھیں دو دن دو رات سے ڈھونڈ رہی ہوں۔ تم کیا یہ سمجھ بیٹھے تھے خلت آقا، کہ میں تمھیں بھول جاؤں گی؟"

خلت نے اپنے تنومند بازو اپنے سینے پر باندھ لیے۔

"ہاں قیرولہ، یہ خیال میرے دل میں آیا تو تھا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "مگر پھر میں نے سوچا کہ میں تو تکلیف برداشت کر سکتا ہوں، تم نہیں کر سکو گی۔ جہاں تک میرتوریک کا تعلق ہے یہ زخموں سے جانبر نہ ہو سکے گا۔"

لڑکی نے غرور سے سر اُٹھایا اور اس کے رخساروں پر شعلے چمکنے لگے۔

"ہاں،" اس نے کہا۔ "میں نے بہت تکلیف اُٹھائی ہے۔ میں تمھاری باندی ہوں اور میری آرزو یہی تھی کہ تمھاری خدمت کروں۔ اس لیے محاصرے کی تعمیرات پر کام کرنے نہ گئی، ہانگ ہی کے حرم میں چلی گئی۔"

"تم جو کچھ کہہ رہی ہو وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔" خلت نے سر ہلا کر کہا۔ "چینی جرنیل کے حرم میں تمھیں آرام تو خیر ملے گا اور ایک طرح کا وقار بھی حاصل ہو گا لیکن۔"

"نہیں، خلت آقا! میں نے یہ سب کچھ تمھاری خاطر کیا ہے۔"

لڑکی خلت کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ پھر میرتوریک پر ایک نظر ڈال کر وہ خلت کے اور قریب آ گئی اور کہنے لگی:

"جب میں نے یہ دیکھا کہ انھوں نے تم سے تمھاری تلوار چھین لی ہے

تمھاری خمیدہ تلوار، تو میرے دل کو بہت صدمہ ہوا۔ کیا چنگیز خان کے تاتاری اس ہانگ ہی کی طاقت کا خاتمہ کرنے کے لیے آلتون ہتین سے نکل کر حملہ نہیں کریں گے؟ میں نے زنان خانے میں کہا تھا کہ وہ کریں گے اور ضرور کریں گے لیکن وہاں سب ہنسنے لگے۔ کہتے تھے کہ چنگیز خان تو کب کا مر چکا ہے۔"

"تاتاری خان!" خلت نے تلخ لہجے میں کہا۔ "حملہ نہیں کریں گے۔"

"ضرور حملہ کریں گے۔ انھیں حملہ کرنا ہی ہوگا۔ اور جب وہ حملہ کریں تو خلت آقا، تمھیں ان کا ساتھ دینا چاہیے۔ ادھر دیکھو! یہ چیز تھی جس کی خاطر میں ہانگ ہی کے حرم میں داخل ہوئی تھی۔ وہ اس کی رکھوالی تو بڑی شدّ و مد سے کرتے رہے لیکن میں ان سے بھی زیادہ چالاک ہوں، اڑا ہی لائی، تمھیں دینے کے لیے۔ یہ لو۔"

لڑکی نے اپنے ریشمی لبادے کی تہوں میں سے خمیدہ تلوار نکال کر خلت کے ہاتھ میں تھما دی۔ خلت حیران ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"یہ رہی تمھاری خمیدہ تلوار، خلت آقا۔ تمھاری وہ تلوار جس سے سب لوگ ڈرتے ہیں۔ جوں ہی یہ میرے ہاتھ لگی میں اسے لے کر یہاں آ پہنچی۔"

خلت نے تلوار لے لی اور اسے بڑی محبت سے چھوا۔ پھر اس نے تلوار پر کندہ الفاظ پر نظر ڈالی۔ ہاں، تیر دل نے وفاداری کا حق

ادا کر دیا تھا۔

"اگر کسی کو تم پر شک نہیں ہوا ہے قیرولہ" اس نے بناوٹی کڑے لہجے میں کہا۔ "تو جہاں سے آئی ہو وہیں واپس چلی جاؤ۔ یہ خیمہ خطرناک ہے۔ فوگن اُلتائی کل صبح یہاں آرہا ہے اگر اس نے تمھیں یہاں دیکھ لیا تو یہ تمھارے حق میں بُرا ہوگا۔"

"میں نے تمھارا دل خوش کر دیا ہے" لڑکی نے ملائم لہجے میں کہا۔ "اب میرے دل پر سے بوجھ اُتر گیا ہے۔ میں تمھیں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی لیکن اگر اُنھوں نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو ان کے دِل میں شک ضرور پیدا ہو جائے گا۔ مگر اب تو تمھاری تلوار تمھارے ہاتھ میں آگئی ہے۔ اب تم ان کے قیدی کیوں بنے رہو گے۔ ہے نا؟ اچھا سنو۔ خلت آقا!" اس نے اپنے لبادے کا پٹکا کھولا۔ "جب دو تاتاری ایک دوسرے کے سچے دوست بننا چاہتے ہیں تو وہ اپنے پٹکے بدل لیتے ہیں۔ پھر وہ ایک دوسرے کی جان کی حفاظت کرنے کے پابند ہو جاتے ہیں۔ لاؤ اپنا پٹکا مجھے دو۔"

خلت نے کسی قدر حیرانی سے اپنے میلے کپڑوں کے ڈھیر میں سے اپنا پٹکا اُٹھایا اور لڑکی کے اشارے پر اس کے لبادے تلے اس کی پتلی کمر میں باندھ دیا۔ جب وہ پٹکا باندھ رہا تھا تو لڑکی نے شرماتے ہوئے اس کا ہاتھ چھُوا۔ پھر اس نے اپنا پٹکا اپنی کمر سے کھول کر خلت کی کمر میں باندھ دیا اور کہا۔

"اب ہم ایک دوسرے کے رفیق بن گئے ہیں۔ خلت آقا! گو میں اب بھی تمھاری باندی ہی ہوں اور مجھے اس اعزاز پر بڑا ناز ہے۔ جب دو انسان ایک دوسرے کے رفیق بن جاتے ہیں تو وہ یک جان ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوتے اور اپنی جان بھی دینی پڑے تو رفیق کی حفاظت کرتے ہیں۔"

"ہاں۔" خلت نے غرّاتے ہوئے کہا۔ "میں تمھاری حفاظت کروں گا ننھی چڑیا۔"

اتنے میں باہر سے سنتریوں نے کھنکار کر قیرولہ کو خطرے سے آگاہ کیا اور وہ چپکے سے باہر نکل گئی۔ جاتے جاتے اس نے میر توریک پر بھی نظر ڈالی، لیکن میر توریک نے اپنا منحِ شدہ منہ پھیر لیا۔ کوئی اور شخص خیمے میں نہ آیا اور خلت خیمے کے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا پوستین کا لبادہ اُٹھا کر تلوار اس کے استر سے باندھی اور پھر لبادے کو شانوں پر ڈال لیا۔ جب تک پَو پھٹنے کی ملگجی روشنی نہ پھیلی وہ بُت بنا بیٹھا رہا اور ایک لمحے بھی نہ سویا۔ میر توریک بھی ساری رات کراہتا رہا۔ اسے سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔ جب میر توریک کے بستر کے نزدیک انگیٹھی جل بجھنے کے قریب ہوئی تو خلت اُٹھا اور اپنا لبادہ اُتار کر اس کے بستر کے قریب گیا۔

"میر توریک۔" خلت نے آہستہ سے کہا۔ "ہانگ ہی نے تمھیں اپاہج بنا دیا ہے۔ اب فوگن التائی تمھیں لینے آ رہا ہے تاکہ تم اسے چنگیز خان

کے مقبرے کا راستہ بتاؤ۔ میں تم سے کہتا ہوں اسے راستہ ہرگز نہ بتانا۔ کیا تمھارے دل میں بہت خوف ہے؟ میرے دل میں تو کوئی خوف نہیں۔"

سوداگر کہنی کے بل اٹھا۔ اس کا چہرہ ڈراؤنا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے خلت کی آنکھوں میں جھانکا۔ خلت کہہ رہا تھا:

"جب تم فوگن التائی کو راستہ دکھا چکو گے تو وہ تمھیں گھاٹی میں دھکیل دے گا۔ تمھارے جسم کا بہت سا خون بہہ چکا ہے اور موت تمھارے سر پر کھڑی ہے۔ صرف میں اور تم جانتے ہیں کہ چنگیز خاں کا مقبرہ کہاں ہے کل صبح نہ تم زندہ ہو گے، نہ فوگن التائی کے ساتھ جا کر اسے مقبرہ دکھاؤ گے۔"

میر توریک کے گلے سے پھٹی ہوئی آواز نکلی اور اس نے بیتابی سے خلت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"جو انسان پیدا ہو گیا ہے وہ غیر فانی ہے میر توریک،" خلت کہتا رہا "اس لیے اسے گھر کی ضرورت ہے نہ آرام کے ٹھکانے کی۔ یہ خانِ اعظم چنگیز خان کا قول ہے۔ چند دن ہوئے میں نے تمھاری جان بچا لی تھی۔ لیکن اب تم موت کے منہ میں ہو۔ اب میں تمھیں نہیں بچا سکتا۔"

میر توریک تھر تھر کانپتا ہوا بستر پر گر پڑا۔ خلت اسے دیر تک دیکھتا رہا، غصے سے نہیں اداس نظروں سے، جیسے ترس کھا رہا ہے کہ یہ بیچارہ انسانوں کے زمرے سے خارج ہو گیا۔ مگر پھر اس نے سوچا کہ اس شخص کے لیے موت زندگی سے بہتر ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ میں اس لمحے تک اس

کے پاس بیٹھا رہوں گا جب موت آکر اسے اس تکلیف سے نجات نہ دے گی۔

۱۲

اگلے دن صبح سویرے سنتری خیمے کے باہر اپنے برچھوں کا سہارا لیے، اونگھ رہے تھے کہ شعلوں کے چڑچڑانے سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ خیمے کے آبنوس کے بنے ہوئے حصّے گرنے کی آواز ہوئی اور پھر ان دونوں کے عقب میں شعلے بھڑکنے لگے۔

خیمے کا دروازہ جھٹکے سے کھلا، خلت لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا۔ اس کے کپڑوں میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ خیمے کے اندر شعلوں کی دیوار نے لکڑی اور پردوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ جو سنتری ازبک زبان جانتا تھا اس نے خلت کا شانہ پکڑ کر اسے زور سے جھنجھوڑا۔

"دوسرا قیدی کہاں ہے؟" اس نے چلّا کر پوچھا۔ "تو اسے ساتھ کیوں نہیں لایا؟" یہ کہہ کر وہ آگ کی تپش سے بچنے کے لیے پیچھے ہٹ گیا۔

خلت نے لبادہ جسم پر مضبوطی سے لپیٹ رکھا تھا تاکہ اس میں چھپی ہوئی تلوار دکھائی نہ دے۔ "جا تو خود اسے نکال کر لا کتّے!" اس نے سنتری سے غصّے سے کہا۔ "جو آدمی خود زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے وہ دوسرے آدمی کو کیونکر اُٹھا سکتا تھا؟"

لیکن اسے معلوم تھا کہ کوئی بھی آدمی بھڑکتے ہوئے شعلوں کے اندر

نہیں گھس سکتا تھا۔ وہ اس وقت تک باہر نہیں نکلا تھا جب تک ہیر توریک کی لاش کو آگ نہ لگ گئی۔ اس طرح اس نے بندوبست کیا تھا کہ اس کی لاش کی توہین نہ کی جا سکے۔ اب خلت کے علاوہ ایسا کوئی شخص موجود نہ تھا جو چنگیز خان کے مقبرے کا راستہ جانتا ہو۔

یکایک ایک غضبناک نعرے کی آواز آئی کہ ان کے پیچھے کئی سانڈنی سوار کھڑے تھے۔ ان میں فوگن التائی بھی تھا۔ وہ اپنے اونٹ سے اترا اور سنتریوں کے جمعدار کا گلا پکڑ لیا۔

جمعدار نے جلتے ہوئے خیمے کی طرف اشارہ کیا اور فوگن التائی نے ایک گالی دے کر اس کا گلا چھوڑ دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک شعلوں کو دیکھتا رہا، پھر خلت سے مخاطب ہوا۔ فائزق نے دیکھا کہ اس کی ترچھی آنکھوں میں سانپ کی آنکھوں کی سی سختی اور بے مہری ہے۔

"یہ تمھاری کارستانی ہے، خلت!" اس نے غرّا کر کہا۔ "تم پہلے بھی صحرا میں میرا ایک آدمی مار چکے ہو۔ اب تم نے ہیر توریک کی جان لی ہے۔ مگر تمھاری باری بھی جلد آ جائے گی اور تمھیں جو اذیت دی جائے گی وہ زیادہ لطیف اور طویل ہو گی۔"

"ہاں۔" خلت کے پیچھے سے چان کٹے شی کی آواز آئی۔ "تمھیں یہ اندازہ کرنے کا موقع مل جائے گا کہ تمھاری رگوں میں قائد کا خون ہے یا نہیں۔ ہم تمھیں ترسا ترسا کر ماریں گے۔ ابھی تمھاری زندگی کے تین دن باقی ہیں۔"

خلت نے اپنا سر پیچھے کو جھٹک کر قہقہہ مارا۔ سنتری حیران رہ گئے۔

"جب تم مر جاؤ گے" فوگن التائی نے مزے لے لے کر کہا۔ "تو تمھارا سر آلتور ہتین کی دیوار پر سے شہر کے اندر پھینک دیا جائے گا تاکہ تاتاری کُتّوں کو پتا چل جائے کہ ان کا ایک ہم نسل کُتا مارا گیا۔"

"کُتا میں نہیں ہوں" خلت نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ "کُتّے تم ہو! کیا یہ میں تھا جس نے ییر توریک کو اتنا اپاہج کر دیا کہ وہ رینگ رینگ کر مرا؟ کیا یہ میں تھا جس نے جانی لونگ کو ایک بچی کو صحرا میں قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا؟ مجھے کبھی کسی آدمی نے کتا نہیں کہا۔ لوگ مجھے بھیڑیا کہتے ہیں اور بھیڑیا کتوں کی خصلتوں سے خوب واقف ہوتا ہے۔"

"جب ہانگ ہی گھوڑے پر سوار آلتور ہتین میں داخل ہوگا" چان کھڑ شی نے اپنی سوکھی ہوئی انگلی سے خلت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تو تم اس کے گھوڑے کی دم سے بندھے ہوئے اس کے ساتھ ہو گے۔ اس طرح تاتاری اپنے ہم نسل کو پہچان سکیں گے۔"

"یہ سچ!" خلت نے کہا! "تو یہ بات ٹھیک ہی ہے کہ جس شخص سے لوگ ڈرتے ہیں اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ تم میری یہ عزت افزائی اپنی مرضی کے خلاف کر رہے ہو۔"

"یہ عزت افزائی ہے؟" فوگن التائی نے خلت کے منہ پر چابک مار کر کہا۔ "یا یہ؟"

"دونوں" خلت نے ہنس کر جواب دیا۔ "قیدیوں کے داروغہ نے میری اس قسم کی عزت افزائی اس سے بھی زیادہ کی ہے۔ اس نے مجھے اٹھائیس

دفعہ چابک مارا ہے۔"

فوگن التائی نے اس طرح تلوار پکڑ لی جیسے وار کرنے کو ہے لیکن چان کئے شی نے اسے اشارے سے روک دیا اور خلت سے کہا۔

"تم اپنی موت کے دن گنتے رہو۔ تمہیں اس روز ہلاک کیا جائے گا جب آلتون ہتین فتح ہوگا۔"

"نہیں۔" خلت نے کہا۔ "میری موت کا دن ابھی بہت دور ہے۔"

"کتے!" فوگن التائی نے اس کی طرف تھوک کر کہا۔ "ہانگ ہی نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تیری موت جلد واقع ہوگی۔"

خلت آگے بڑھ کر اونٹ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔

"احمق!" وہ غرایا۔ "اندھے گیدڑ! اگر تو مجھے مار ڈالے گا تو تجھے چنگیز خان کے مقبرے کا راستہ کون دکھائے گا۔ میرے علاوہ صرف میر توریک کو یہ راستہ معلوم تھا اور وہ مر چکا ہے۔"

فوگن التائی کے چہرے پر کسی تبدیلی کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ لیکن اس نے آنکھوں آنکھوں میں چان کئے شی سے مشورہ کیا۔ بوڑھا جرنیل بڑی دیر تک خلت کے چہرے پر ٹکٹکی لگائے رہا۔ پھر اس نے جلدی جلدی فوگن التائی سے کچھ گفتگو کی، اس کے بعد خلت سے مخاطب ہوا۔

"ہم مقبرے کا راستہ ڈھونڈ نکالیں گے۔" اس نے کہا۔ "تمہیں جو تکلیف پہنچائی جائے گی وہ تمہیں راستہ بتانے پر مجبور کر دے گی۔"

خلت نے ایسا ظاہر کیا جیسے وہ اس بات پر غور کر رہا ہے۔

"اگر میں تمھیں وہاں تک پہنچا دوں تو کیا ہانگ ہی مجھے آزاد کر دے گا؟"

"اگر تم ہمیں چنگیز خاں کا خزانہ دکھا دو۔" فوگن التائی نے مکاری سے اپنی ترچھی آنکھیں بند کر لیں۔ "تو ممکن ہے کہ ہانگ ہی تمھیں آزاد کر دے۔"

"ہاں۔" چان کے شی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ تمھیں آزاد کر دے۔"

خلت نے پھر ایسا ظاہر کیا جیسے وہ ان الفاظ پر غور کر رہا ہے۔ پھر اس نے بہت سے اعتراض کیے جن کے جواب فوگن التائی نے دیے۔ آخر میں خلت نے اپنے ہتھکڑیاں لگے ہوئے ہاتھ اٹھائے۔ اور کہا۔ "میں یہ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنے پہنے خان تائی خان کے پہاڑوں پر کیونکر چڑھ سکوں گا؟"

چان کے شی کے اشارے پر سنتریوں نے خلت کی ہتھکڑیاں کھول دیں اور بیڑیاں بھی اتار دی گئیں اور پھر اسے ایک اونٹ پر سوار کر دیا گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ اپنے لبادے کی آستینوں میں ڈال کر لبادے کو زور سے جسم کے گرد لپیٹ لیا اور لبادے کے اندر چھپی ہوئی تلوار کو سینے سے چمٹا لیا۔ خلت بیچ میں بیٹھا تھا۔ اس کے ایک طرف فوگن التائی تھا اور دوسری طرف چان کے شی اور پیچھے برچھیاں لیے ہوئے دو سپاہی۔ خلت یہ دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرایا کہ اسے بدترین اونٹ دیا گیا ہے۔

اسے نوگن التائی کے وعدے کا اعتبار نہ تھا۔ ایک بار نہیں، دو بار نہیں، کئی بار اس نے دیکھا کہ نوگن التائی اسے نفرت سے دیکھ رہا ہے۔ لیکن وہ خاموش رہا۔

چینیوں کے پڑاؤ سے باہر نکل کر وہ میدان میں پہنچے۔ خلت سیدھا توقولون کی جھیل کی طرف روانہ ہوا۔ وہ خاموشی سے راستہ طے کر رہے تھے۔ خلت اپنے خیالات میں محو تھا۔ فرار ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ دراصل اس کا یہ ارادہ بھی نہیں تھا کہ فرار ہونے کی کوشش کرے۔

خلت برسوں سے موت سے کھیلتا آ رہا تھا لیکن اس نے اس دن خان تائی خان کے غاروں میں موت کے جتنے قریب پہنچنے کی ٹھان لی اتنے قریب پہلے کبھی نہ گیا تھا۔ اس نے اسی راستے پر چل کر، جس پر میر نوریک چلا تھا، جھیل کا چکر کاٹا۔ جب اسے میر نوریک یاد آیا تو معاً یہ خیال بھی آیا کہ چنگیز خان کے مقبرے میں داخل ہونے کی جن چار انسانوں نے جرأت کی تھی اس وقت ان میں سے ایک وہی زندہ ہے۔ یقیناً اونول مورین مقبرے کی پاسبانی کر رہے ہیں۔

اسے یہ دیکھ کر بہت لطف آیا کہ اس کے ساتھی ان انسانی پنجروں کو گھور رہے ہیں جو جھیل کی تہہ میں پڑے ہیں۔ لیکن جب وہ اونٹوں سے اتر پڑے تو وہ رکے بغیر ٹنڈ منڈ درختوں کے درمیان بھوری مٹی پر آگے بڑھتا چلا گیا۔ نوگن التائی کو چپ لگ گئی تھی۔ اس نے کئی بار رک کر

اپنے اردگرد حیرت سے نظر ڈالی۔

قوقولون کے دروازے پر پہنچ کر خلت رُکا تاکہ انھیں یہ بتائے کہ آبشار تلے سے کس طرح گزرنا ہے۔ وہ بلا ہچکچاہٹ کے اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ خلت ایک بار پھر آبشار تلے کے غار میں کھڑا تھا اور اس کے ناک میں پھر وہی بُو گھس رہی تھی جو گھاٹی میں سے آ رہی تھی۔ یہاں اس نے دیکھا کہ فوگن التائی نے چان کئے شی سے کچھ بات کہی۔ لیکن بوڑھے جرنیل نے اس کی بات غصّے سے رد کر دی اور آگے بڑھ گیا۔

خلت ابھی تک خاموش تھا۔ وہ راستہ ٹٹول ٹٹول کر اس روشنی تک پہنچے جو سرنگ میں سے آتی تھی۔ راستے میں تاتاریوں کے جو پنجر پڑے تھے چان کئے شی نے انھیں پاؤں سے پلٹ کر دیکھا آخر کار وہ سرنگ کی روشنی تک پہنچ گئے اور چٹانی پل کے قریب جو حصّہ آگے نکلا ہوا تھا اس پر کھڑے ہو گئے۔

خلت نے خاموشی سے ان دیو ہیکل مجسموں کی طرف اشارہ کیا جو بخارات کی دُھند میں سے پُل کے اس پار دکھائی دے رہے تھے۔ چینیوں نے تجسّس کی نظروں سے اس خاکستری محراب کو دیکھا جو ان کے سر کے عین اوپر تھی اور پھر کھوہ کے اندر جھانکنے لگے۔

ایک بار پھر خلت اپنے جدِّ امجد کی قبر کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اس صندوقچے کو سلام کیا جو سنہری ہاتھیوں کے درمیان لٹکا

ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنی پیٹی کس کر باندھ لی اور بولا۔
"وہ رہی خانِ اعظم چنگیز خان کی قبر! آؤ آگے چلیں۔"
نوگن انائی چوکنا ہو کر پیچھے ہٹ گیا اور خلت کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ خلت آگے بڑھ گیا اور چینی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ وہ دُھند میں سے کھوہ کے اس پار مجسموں کو گھور رہے تھے۔
خلت نے اپنا سر جھکا لیا اور منہ اور سر آستین سے ڈھک لیے۔ چٹانی پل پر پہنچ کر اس نے دوڑنا شروع کر دیا۔ اسے اپنے چہرے پر بخارات کی گرمی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر اس کے کانوں میں کھوہ میں سے گڑگڑاہٹ کی آواز آئی مگر وہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر دوڑتا چلا گیا۔ اتنے میں اسے ایک ایسی آواز سنائی دی جو پہاڑ کی گڑگڑاہٹ نہیں تھی۔
بخارات سے اس کا گلا گھٹنے لگا اور سر بھی چکرانے لگا۔ وہ لڑکھڑا کر گھٹنوں کے بل گرا اور رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے زہریلے بخارات کو جسم کے اندر گھسنے سے روکنے کے لیے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے۔ آخر وہ پل پار کر کے اس کے پرلے سرے پر پہنچ گیا جہاں سطحِ مرتفع کی صاف ہوا چل رہی تھی۔ کسی غار سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آئے اور بخارات کو اڑا کر لے گئے۔ خلت نے چٹانی پل صحیح سلامت پار کر لیا تھا۔
وہ ایک ہاتھی کی ٹانگ پکڑ کر اُٹھا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کا ہاتھ ایک ملبے سے کھمبے پر پڑا۔ آنکھ اُٹھائی تو دیکھا کہ اس کے اوپر کے سرے پر سینگوں کا ایک تاج ہے جس میں یاکوں کی بہت سی دُمیں لٹکی

ہوئی ہیں۔ خلت فوراً سمجھ گیا کہ اس کے ہاتھ میں چنگیز خاں کا سو دُموں والا جھنڈا ہے۔

اس نے جھنڈے کا سہارا لے کر پیچھے کی طرف نظر دوڑائی۔ چٹان کے پُل پر ایک آدمی رینگ رہا تھا مگر اس کا دم گھٹا جا رہا تھا اور وہ بڑی مشکل سے سانس لے رہا تھا۔ یہ ایک چینی سنتری تھا۔ آخری سنتری جس نے پل پر قدم رکھنے کی جرأت کی تھی وہ رینگ کر تھوڑا اور آگے بڑھا مگر پھر اس کی آنکھیں پتھرا گئیں، اس کا دم گھٹ گیا اور وہ پھسل کر پل کے ایک رُخ لٹک گیا۔ اس نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی اور پھسلتی چٹان کو پکڑنا چاہا لیکن اس کا ہاتھ پھسل گیا۔ خلت کو پھٹی پھٹی آواز کی ایک چیخ سنائی دی اور ایک سفید سی چیز کھوہ میں گر پڑی، جس میں اور لوگ اس سے پہلے گر چکے تھے۔

اب چنگیز خاں کی قبر پر خلت اکیلا کھڑا تھا۔

وہ دولت ڈھونے والے ہاتھیوں میں سے ایک ہاتھی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور چنگیز خان کے جھنڈے کو اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگا جو مٹی پڑتی رہنے سے مٹیالے رنگ کا ہو گیا تھا۔ پھر وہ چٹان پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد اسے نیند آ گئی۔

۱۳

گئے وقتوں میں تو ایک شاہین کی طرح ہمارے آگے

آگے جھپٹا کرتا تھا۔ آج ایک گاڑی گڑگڑ کرتی تجھے اُٹھائے
لیے جا رہی ہے۔

اے میرے خان!

کیا تو نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا؟ اپنے بیوی بچوں کا ساتھ
چھوڑ دیا؟ اپنی قوم کی قورلتائی کا بھی ساتھ چھوڑ دیا؟

اے میرے خان!

بڑی آن بان سے جھپٹ کر، جیسے ایک عقاب جھپٹا
کرتا ہے، تو ہماری قیادت کیا کرتا تھا۔

اے میرے خان!

تو نے چھیاسٹھ سال تک اپنی قوم کو فتح ہی فتح اور
خوشی ہی خوشی عطا کی۔ کیا اب تو اسے چھوڑ کر جا رہا ہے؟

اے میرے خان!"

(چنگیز خاں کا نوحہ)

قورلتائی کے ایوان کے دروازے پر جہاں جُن گردوں کے سردار جمع
تھے، رات کو پہرہ دینے والے سنتری اونگھ رہے تھے۔ اس ایوان میں
جہاں وقفوں سے چینی توپوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ نوخان جمع
تھے۔ یہ ان تاتاری قبیلوں کے سردار تھے جو چین کی سرحدوں پر باقی
رہ گئے تھے۔ ان میں قراقرم کے قلقاس غول کا سرگروہ چقروں کا سردار
جس کی رعایا دیوارِ چین اور صحرائے گوبی کے درمیان رہا کرتی تھی اور

ایلیوتوں کا سردار اور اسی طرح اور بھی سردار شامل تھے۔

تاتاریوں کے سرداروں کی صفیں چھدری ہو چکی تھیں۔ ایک قلماق خان اپنے سارے سپاہیوں سمیت جا چکا تھا۔ ہوشوت، اور تورگوت، غولوں کے سردار ناکام حملوں میں کام آ چکے تھے۔ جُن گزوں کے سرداروں کی حالت نازک تھی اور وہ غم غلط کرنے کے لیے پینے پلانے میں مصروف رہتے تھے۔

وہ قورلتائی کی لمبی لمبی میزوں کے ارد گرد بنچوں پر لیٹے ہوئے تھے ان کی تلواریں اور برچھیاں دیواروں سے لگی کھڑی تھیں اور انھیں ہانگ ہی کی فوج کے حملے کا ہر لمحہ انتظار تھا۔ شہسواروں کے یہ سربراہ، ایک قلعہ میں بند ایک سال سے شہر کی فصیلوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ یہ تھے تو جنگ آزمودہ سردار، لیکن تھک چکے تھے اس لیے شراب پی پی کر آپس میں جھگڑتے رہتے تھے۔

یہ تاتاری سردار شراب کے نشے میں اس قدر چُور تھے کہ جب ایک شخص ایوان میں داخل ہُوا تو ان میں سے بہت کم نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ لیکن جنھوں نے دیکھ لیا انھوں نے پھر سر نہ جُھکائے بلکہ حیران ہو کر اجنبی کی طرف دیکھتے ہی رہ گئے اور اپنی تلواریں ڈھونڈنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔

یہ اجنبی ایک دراز قد آدمی تھا۔ جس کی سفید مونچھیں اس کے چوڑے چکلے شانوں تک لٹکی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پر زخموں کے داغ تھے

اور اس کی آنکھوں میں چوکنا پن تھا۔ اس کے بھاری جوتے بھورے رنگ کی مٹی میں بھرے ہوئے تھے اور اس کے لبادے پر بھی مٹی لگی ہوئی تھی۔

ایوان کی چھت کافی اونچی تھی۔ پھر بھی یاکوں کی دموں کا وہ جھنڈا جو یہ آدمی اٹھائے ہوئے تھا اس چھت کو چھو رہا تھا۔ یہ جھنڈا جن گردوں کے جھنڈوں سے مشابہ تو تھا لیکن اس کی وضع ان سے مختلف تھی۔ اس پر سورج اور چاند کی سنہری شبیہ بنی ہوئی تھی جس کی چمک دمک پرانا ہونے کی وجہ سے ماند پڑ گئی تھی۔

اس شخص نے منہ سے کچھ کہے بغیر جن گردوں کے سرداروں کی طرف دیکھا اور جھنڈے کے مضبوط ڈنڈے پر جھکے جھکے اس نے ان پر نظر جما دی۔ اس کے ہونٹ غرّاہٹ سے بل کھا رہے تھے۔

"سپاہی تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟" ایک خان نے جو اوروں سے زیادہ ہوش میں تھا، اس سے پوچھا۔ "تو قورلتائی میں یہ کیسا جھنڈا لے کر آیا ہے؟"

سوئے ہوئے جنگ آزما ایک ایک کر کے جاگے اور نووارد کو گھورنے لگے۔ چغروں کے ایک جنگ آزمودہ سردار نے جب یاکوں کی دموں کا جھنڈا دیکھا تو ایک گلوگرفتہ چیخ ماری اور اپنے دماغ سے نشے کے اثرات دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اٹھا۔

"اے علم بردار تو کون ہے؟" اس نے پوچھا۔

اجنبی اب بھی خاموش رہا۔ وہ جھنڈے کے ڈنڈے کا سہارا لیے

کھڑا رہا اور اس وقت تک ان کی طرف دیکھتا رہا تھا جب تک سارے سردار اُٹھ اُٹھ کر کھڑے نہ ہو گئے۔

"یہ کیسی نحوست ہے؟" اس نے ٹوٹی پھوٹی تاتاری میں کہا "کہ جُن گردل کے سرداروں نے تلوار ہاتھ سے رکھ کر شراب کا جام سنبھال لیا ہے۔"

"یہ کون ہے جو جُن گر سرداروں سے اس طرح کلام کرتا ہے؟" چقر سردار نے پوچھا۔ "یہ کسی عام آدمی کے الفاظ نہیں ہیں۔"

"میرا نام خلت ہے۔" نو وارد نے سرداروں کے حلقے پر نظر جمائے ہوئے کہا۔ "اور میں چنگیز خان کا علمبردار ہوں۔ میں یہ سورج اور چاند کا جھنڈا لے کر دنیا کے مالک کے مقبرے سے آیا ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ ایک بہت بڑی لڑائی ہونے والی ہے، ایک ایسی لڑائی جیسی برسوں سے نہیں لڑی گئی، جب سے خوانینِ اعظم اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔"

ایوان پر خاموشی طاری ہو گئی اور اس کے دوران میں سرداروں نے آنکھوں آنکھوں میں باتیں کیں۔ اس نو وارد نے ان سب کو چونکا دیا تھا۔ جُن گر سرداروں پر فوری دہشت تو طاری ہو گئی مگر انھیں خلت کی بات کا یقین نہ آیا۔ بوڑھا چقر سردار جھنڈے کے قریب آیا اور اس کی بناوٹ اور علامتوں کی ہر تفصیل کا جائزہ لیا، پھر خلت سے مخاطب ہوا۔ اس کے چہرے پر درشتی تھی۔

"سپاہی! تو کہاں سے آیا ہے؟" اس نے کڑے لہجے میں کہا۔ "سچ بول! ورنہ تیری خیر نہیں!" چنگیز خان کا جھنڈا بے شک ایسا ہی تھا، لیکن وہ

توکئی پشت سے خان تائی خان کے پہاڑوں میں دفن ہے۔"

" یہ جھنڈا خان تائی خان کے پہاڑوں ہی میں سے آیا ہے۔" خلت نے گھمبیر لہجے میں کہا۔" یہ وہاں سے آیا ہے جہاں اونون مورین پیڑ دیتے ہیں ، یعنی تُوتُولون کے دروازے سے ۔ میں کل رات چنگیز خان کے مقبرے پران بیس ہزار سپاہیوں کے درمیان سو رہا ہوں جو وہاں مارے گئے۔ کیا جن گردں کے سردار ہزار لڑائیوں کے جھنڈے کو بھُول گئے ہیں؟"

"نہیں۔" بوڑھے سردار نے کہا"ہم نہیں بھولے ہیں ۔ یہ سچ مچ چنگیز خان کا جھنڈا ہے ۔ یہ دیکھو سورج اور چاند کے پہلو بہ پہلو پرانے غولوں کے علامتی نشان بھی ہیں ، قلماقوں کا بھیڑیا ـــــ چیقروں کی ہرنی ـــــ"

اب اور سردار بھی خلت اور چیقر سردار کے گرد آن جمع ہوئے ، ان کی چمکتی ہوئی ترچھی آنکھیں خلت کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں ۔ اور آنکھوں میں حیرانی ، شبہ اور بدگمانی تھی ۔ خلت نے اندازہ کیا کہ ان لوگوں کو بوڑھے سردار کی بات کا پوری طرح یقین نہیں آیا ہے ۔ اس نے ہاتھ اُٹھا کر سب کو اپنی طرف متوجہ کیا ۔

"میری بات سنو جن گردں کے سردارو!" اس نے آہستہ سے کہا ۔ "تم یہ پوچھتے ہو کہ میں کون ہوں ؟ میں صحرا کا ایک سپاہی ہوں اور میرا کام لڑائیاں لڑنا ہے ۔ میں چنگیز خان کے مقبرے میں خزانے کی تلاش میں گیا تھا ۔ لیکن جب میں مقبرے میں سو رہا تھا تو میرے دل میں ایک خیال

آیا اور مجھے یہ منصوبہ سوجھا کہ چنگیز خان تو مر چکا ہے لیکن اس کی ہیبت سے کام لیا جا سکتا ہے۔ مجھے جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ میں چینیوں کی فوجوں میں سے گزر کر، یہ جھنڈا جو مقبرے میں گڑا ہوا ہے، مجن گردن کے سرداروں کے پاس لے جاؤں تاکہ ان کے دلوں میں جنگ کرنے کا ایک نیا حوصلہ پیدا ہو۔ بولو اگر تم لوگوں کو یقین آ گیا ہو کہ یہ سچ مچ قتالِ اعظم کا جھنڈا ہے تو میں اپنا منصوبہ تمھیں بتاؤں، کیونکہ حکمت کے الفاظ مُردہ کانوں کے لیے نہیں ہوتے۔ بولو، تمھیں مجھ پر اعتبار ہے؟"

سرداروں نے چیپڑ بھری آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آخر چقر سردار نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر سر جھکا دیا اور کہا۔

"میں نے کہا نہیں تھا کہ یہ چنگیز خان کا جھنڈا ہے۔ سردارو! اس کا آنا نیک شگون ہے" سب سرداروں نے ہاتھ اُٹھا کر سر جھکا دیے۔ ان کے دلوں پر قتالِ اعظم کے نام کی ہیبت چھا گئی۔ پھر ان میں سے ایک آگے بڑھا اور اس نے کہا۔

"ہاں یہی وہ جھنڈا ہے جو دفن کیا گیا تھا لیکن یہ سردارِ اعظم کے مقبرے کا جھنڈا ہے اس لیے جو شخص اسے لایا ہے وہ مر جائے گا۔ کیونکہ کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ کوئی شخص چنگیز خان کے مقبرے سے واپس آ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر ہم اس جھنڈے کو اپنے پاس رکھیں گے تو یہ ہانگ ہی کے ہاتھوں میں چلا جائے گا جو اسے لیانگ یانگ لے جائے گا۔ آلتون ہتین کا خاتمہ ہونے کو ہے چنانچہ اس میں جو کچھ ہے وہ سب بھی ختم

ہو جائے گا۔ ہم اس جھنڈے کو ایسی حالت میں کیونکر اپنے پاس رکھ سکتے ہیں جب یہ ہمارے کسی کام نہیں آسکتا بلکہ چنگیز خان کے دشمنوں کے قبضے میں چلا جائے گا جس سے ان کی فتح کو چار چاند لگ جائیں گے۔"

"یہ بات صحیح نہیں۔" خلت نے کہا۔ "کیونکہ ایک بہت بڑی لڑائی ہونے کو ہے۔ اس لڑائی میں خانِ اعظم کا جھنڈا ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہونا چاہیے جو اس کے نام لیوا ہیں۔ چنگیز خان کے نام سے اب بھی چینیوں کے دل دہل جاتے ہیں۔"

صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اس سردار کی تقریر سے جو جھنڈا رکھنے کا مخالف تھا اور سردار متاثر ہو گئے ہیں۔ اور تو اور چقر خان نے بھی اس کی تائید میں سر ہلایا تھا۔

"اس لڑائی میں جو ہونے کو ہے۔" اس سردار نے خلت کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "شہر پر حملہ ہو گا۔ ہم یہ حملہ کیونکر روک سکتے ہیں۔ ہانگ ہی کے پاس ڈھائی لاکھ سپاہ ہے۔ ہمارے پاس لے دے کے کل پینسٹھ ہزار سوار ہیں۔ چینی ہمیں شین سی کی دیوار سے پس پا کر چکے ہیں اور آلتون ہتین کا ریگستان بھی خالی کرا چکے ہیں۔ بہت سے تاتاری ریگستان میں کام آ گئے۔ جو آلتون ہتین میں محصور ہیں وہ بھی راتوں کو چپکے چپکے اپنے اپنے گھروں کو بھاگ رہے ہیں۔ چینیوں کی کلیں ہماری دیواروں کو توڑ رہی ہیں۔ اُن کی بارود کے مقابلے کے لیے ہمارے پاس صرف تلواریں اور برچھیاں ہیں۔ ہماری خوراک کا

ذخیرہ بھی ختم ہونے کو ہے اور جتنی بچی کھچی خوراک ہمارے پاس ہے اس کے لیے ہمارے آدمی آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ پھر ہم چاروں طرف سے گھرے ہوئے بھی ہیں اور خوراک کی کمی سے ہمارے سپاہی کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔

اس کی تائید میں ہنکارے سنائی دیے۔ پیلے پیلے چہرے جن پر تھکن اور بدمستی سے جھریاں پڑ گئی تھیں، خلت کو ان پر ولولے کے کوئی آثار نہ دکھائی دیے۔

"اگر ہم میدان میں ہوتے" چقر سردار نے کہا۔ "تو پھر بھی کچھ امید ہو سکتی تھی لیکن ہم نے جو بھی حملہ کیا وہ پسپا کر دیا گیا۔ ہم اس شہر میں گھرے ہوئے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہانگ ہی اتنا بڑا جرنیل ہے کہ اس کی چالوں کا کوئی توڑ نہیں کیا جا سکتا۔"

"احمقو!" خلت کے ہونٹ حقارت سے بل کھا گئے "کیا چنگیز خان ہانگ ہی جیسے لوگوں سے ڈر جاتا تھا؟ میں نے ہانگ ہی کو دیکھا ہے۔ وہ ایک پھپس بڑھیا کی طرح ہے۔ میں نے چینیوں کی تلعہ بندیاں اور توپیں بھی دیکھی ہیں۔ ہم ان پر قبضہ کر سکتے ہیں۔"

"مشرق میں چینیوں نے مٹی کے جو ٹیلے کھڑے کر دیے ہیں" چقر سردار نے جواب دیا۔ "وہ ہمارے حملوں کے لیے سدِ راہ ثابت ہو رہے ہیں۔ پھر ہماری فصیل میں بھی اتنے شگاف پڑ گئے ہیں کہ ایک پوری فوج ان میں سے گزر کر اندر آ سکتی ہے۔" کہتے کہتے سردار نے

جھنڈے کے ڈنڈے پر ہاتھ رکھا۔ "بولو، قورلتائی کے عالی نسب سردارو! تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ کیا ہم چنگیز خان کے اس جھنڈے کو آگ لگا دیں تاکہ دشمن اسے لے جا نہ سکے؟ یہ جھنڈا اس شخص کے ہاتھ میں نہیں رہنا چاہیئے کیونکہ اسے کوئی کم ذات شخص نہیں چھو سکتا۔ قانون یہی کہتا ہے۔"

اس کی تائید میں آوازیں بلند ہوئیں۔ خلت نے فی الفور اپنی تلوار میان سے نکالی۔ چقر سردار نے جلدی سے جھنڈے کے ڈنڈے پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ نہیں تو وہ کٹ کر جسم سے علیحدہ ہو گیا ہوتا۔ پھر بھی خلت کی تلوار سے اس کی انگلیوں کی کھال زخمی ہو گئی۔ اور اس سے خون ٹپکنے لگا۔ باقی سرداروں نے غصے میں آ کر تلواریں سنبھال لیں۔ خلت ان کے درمیان اپنی تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں یہ سچ ہے۔" اس نے کھرے لہجے میں کہا۔ "کہ کسی کم ذات کا ہاتھ اس جھنڈے کو نہیں چھو سکتا۔ لیکن میں کم ذات نہیں ہوں۔ خوانینِ اعظم کی نسل سے ہوں۔ یہ تلوار، جو مجھ سے پہلے میرے باپ کی تھی اور اس سے پہلے اس کے باپ کی تھی۔ اس امر کی شہادت دیتی ہے۔ کتو! پڑھو!! اس پر کیا لکھا ہے۔"

کئی تاتاری سرداروں نے کتبے کو غور سے دیکھا اور ان کی ترچھی آنکھوں سے غصے کی جگہ حیرت ظاہر ہونے لگی۔ سب دم بخود کھڑے تھے چقر سردار نے اس سکوت کو توڑا۔

"مجھے کوئی ملال نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "کیونکہ یہ شخص شاہی خاندان سے ہے۔ اگر شاہی خاندان سے نہ ہوتا تو بھلا کیونکر ممکن تھا کہ چنگیز خان کے مقبرے میں جاتا، پھر بھی زندہ واپس آجاتا؟ کتابوں میں یہی لکھا ہے۔ مگر یہ جھنڈا تو جلانا ہی پڑے گا تاکہ چینیوں کے ہاتھ نہ پڑے۔"

"اگر میں اس جھنڈے کا رکھوالا ہوں۔" خلت نے غرا کر پوچھا۔ "تو میں اسے جلاؤں گا یا اس کی حفاظت کروں گا؟"

وہ ڈنڈے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور جن گر سرداروں کو گھورتا رہا۔ خلت اس جھنڈے کو اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر آلتورہتین لایا تھا تاکہ اسے شکست خوردہ تاتاریوں کے ساتھ مل کر قسمت آزمائی کا موقع ملے۔ اسے یہ امید تھی کہ یہ جھنڈا ان کے مردہ حوصلوں میں جان ڈال دے گا۔ اس کا استقبال جس طریقے سے کیا گیا اس کی اسے توقع نہ تھی۔ وہ تو اپنی تمام عیاری سے کام لے کر جن گر کے سرداروں کو یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ چنگیز خان کے جھنڈے کا ان تک پہنچنا فتح کا شگون ہے۔

اب اس نے یہ ٹھان لی کہ اپنی تمام عیاری نیز چنگیز خان کے جھنڈے کو ایک جان بخش طلسم کے طور پر استعمال کر کے ہمت ہارے ہوئے سرداروں میں تازہ روح پھونک دے گا۔ وہ چینیوں کی لشکر گاہ میں قید رہنے کی وجہ سے ان کے منصوبے کو خوب اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ پھر جو انتیس چابک اس نے کھائے تھے ان کا انتقام لینے کے لیے بھی بیتاب تھا۔ مزید برآں

قیردلہ نے اسے اپنا رفیق بنایا تھا۔ اس لڑکی نے اس کی خاطر بڑا ایثار کیا تھا۔ اس لیے خلت نے تہیہ کر لیا تھا کہ یا تو اسے زندہ واپس لائے گا یا اگر وہ ہلاک کی جا چکی ہے تو اس کے خون کا بدلہ لے گا۔ چنانچہ جو لڑائی ہونے کو تھی اس کا خیال اس کے دِل میں ایک نشاط انگیز ولولہ پیدا کر رہا تھا۔

اسے اب تک زیادہ تو نہیں تو اتنی کامیابی تو ہو ہی گئی تھی کہ اس نے سرداروں سے یہ منوا لیا تھا کہ اس کے ہاتھ میں جو جھنڈا ہے یہ چنگیز خان کا جھنڈا ہے اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ انھیں مشورہ دے۔

"اے خان، تو چونکہ شاہی خاندان سے ہے۔" جس شخص نے سب سے پہلے اعتراض کیا تھا اس نے کائیاں بنتے ہُوئے کہا۔ "اس لیے ظاہر ہے کہ تو ہماری کمان اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ اور ہم بھی تجھے کمان سونپ دیں گے، کیونکہ جب سے تل تولائی خان مرا ہے قائدو کی اولاد میں سے کوئی محاذ پر نہیں آیا۔"

"سردار!" خلت نے خشک لہجے میں جواب دیا، کیونکہ حسد کی جو آگ ان کے دلوں میں بھڑک رہی تھی وہ اسے ان کے چہروں پر دکھائی دے رہی تھی۔ "میں چنگیز خان کا جھنڈا اُٹھا کر لڑائی میں شریک ہوں گا اس سے بڑی عزت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اپنے لشکروں کی کمان تو تم اور تمھارے ساتھی ہی کریں گے۔ میں تو صرف اس لیے آیا ہوں کہ یہ جھنڈا یہاں پہنچا دوں اور چنگیز خان کے مقبرے پر جو منصوبہ مجھے سُوجھا

ہے وہ تم لوگوں کو بتاؤں۔ اب تم میرے کانوں کی یہ کہہ کر اور توہین نہ کرو کہ یہ جھنڈا جلا دیا جائے گا۔"

اس نے دیکھا کہ یہ بات جُن گر سرداروں کی سمجھ میں آگئی، کیونکہ انھوں نے اپنی اپنی تلواریں میانوں میں ڈال لیں۔

"یہ منصوبہ کیا تجھے چنگیز خان کی رُوح نے سمجھایا ہے؟" چقر سردار نے پوچھا۔

خلت اس کی چال سمجھ گیا۔

"جب میں مقبرے میں سو رہا تھا اس وقت یہ منصوبہ خود بخود میرے ذہن میں آیا۔" اس نے جواب دیا۔ "میں کیونکر کہہ سکتا ہوں کہ کہاں سے آیا؟ میں کوئی دانا نہیں ہوں، میں تو محض ایک سپاہی ہوں۔" پھر اس نے اونچی آواز سے کہا۔

"سنو، جُن گروں کے سردارو! تم کہتے ہو کہ تمھارے سپاہی میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ اگر چنگیز خان کا جھنڈا ان کی رہنمائی کرنے لگے تو کیا وہ پھر بھی بھاگیں گے؟ تم یہ بھی کہتے ہو کہ چینیوں کی کلیں دیواروں کو توڑ رہی ہیں۔ ہم کوئی قیدی ہیں جو دیواروں میں بند رہیں؟ تم یہ بھی کہتے ہو کہ تمھارے سپاہی گھڑ سوار ہیں۔ تو تم پھر انھیں سواروں کی طرح کیوں نہیں لڑنے دیتے؟"

چقر خاں گھٹنوں کے بل جُھک گیا۔ اوروں نے بھی اس کی تقلید کی۔

"ہاں سپاہی کہہ!" وہ بولا۔ "ہم تیری بات سنیں گے۔ ہمیں اپنا

منصوبہ بتا۔ ہم اسے کان دھر کے سنیں گے۔ ہم بھی دانا لوگ نہیں ہیں، محض سپاہی ہیں۔"

۱۴

ہانگ ہی نے آلتو رہتین کی تسخیر کے لیے جو دن مقرر کیا تھا وہ چینی لشکرگاہ کی سرگرمیوں پر اپنی پوری آب و تاب سے طلوع ہُوا۔ وان لے کے جرنیل کے لیے شہر کی مشرقی فصیل کے سامنے، جس میں حملے کے لیے شگاف کر دیے گئے تھے، ایک ریشمی شامیانہ نصب کیا گیا جس میں سینکڑوں جھنڈے لٹکے ہُوئے تھے۔

ہانگ ہی کے جرنیلوں نے حملے کی پوری پوری تیاری کی تھی۔ چین سے مزید بارود اور رسد کشتیوں میں لائی گئی تھی، جو دریا کے کنارے لنگرانداز تھیں۔ مٹی کے ٹیلوں پر سیڑھیاں لگا دی گئی تھیں۔ شہر کے گرد جو خندق تھی وہ چینی انجینئروں نے بہت پہلے بھر دی تھی۔ توپوں کی جس باڑھ سے حملہ شروع ہونا تھا اس کے لیے توپیں بھر لی گئی تھیں۔

ہانگ ہی صبح سویرے ہی آ کر شامیانے میں بیٹھ گیا۔ اس شامیانے کے آگے سے علمبرداروں اور چیدہ چیدہ پیادوں کے پرے کے پرے اور سپاہیوں کے دستوں کے دستے گزرے۔ ہانگ ہی کے مشیر اس کی کرسی کے قریب جمع تھے لیکن وہ چپ بہ جبیں تھا جیسے پوری طرح مطمئن نہیں ہے۔

"کیا چان کئے شی کا کوئی سراغ نہیں ملا؟" اس نے بے صبری سے ین کوئی کیانگ سے پوچھا۔

وہ جھک کر آداب بجالایا اور ہاتھ جو آستینوں کے اندر تھے، سینے پر باندھ لیے۔

"عالی جاہا!" اس نے عرض کی۔ "سواروں نے سارے علاقے کا چپہ چپہ چھان مارا اور خان تائی خان کے پہاڑوں میں بھی گئے مگر کوئی سراغ نہیں ملا۔ چان کئے شی جس دن فوگن التائی کے ساتھ چنگیز خان کی قبر کا پتا چلانے گیا تھا اس دن سے اس کی کوئی خبر نہیں۔"

"احمق!" ہانگ ہی نے اپنا ہاتھی دانت کا عصا اس کے گھٹنے پر مارا۔ "مجھے وہ باتیں نہ بتا جو پہلے ہی معلوم ہیں۔ یہ بتا کہ چان کئے شی کے زندہ ہونے کی کوئی خبر آئی یا نہیں؟"

"نہیں عالی جاہا!" ین کوئی کیانگ نے منمنا کر کہا۔ "کوئی خبر نہیں آئی۔"

"خان تائی خان کے پہاڑوں میں آتش فشاں بھی ہیں۔" ہانگ ہی نے خود سے کہا۔ "اور ان میں سے گندھک کے جو بخارات نکلتے ہیں۔ ان سے ہمارے سپاہی کئی بار مصیبت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ تاتاری بھی ان سے ڈرتے ہیں، اگرچہ وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی ماہیت کیا ہے۔ ممکن ہے ——"

وہ فقرہ مکمل کیے بغیر خاموش ہو گیا، کیونکہ اس کے بعض ملازم

اسے ٹکٹکی باندھ کر گھور رہے تھے۔ وہ یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ چینیوں کے سب سے عقل مند جرنیل کی موت سے جو نقصان ہوا ہے وہ کتنا زیادہ محسوس کیا جا رہا ہے۔ بہر حال اندیشے کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس کے مخبروں کی اطلاع تھی کہ تاتاری بھوک اور آپس کے جھگڑوں سے کمزور ہو گئے ہیں۔ پھر ان کی تعداد بھی کم ہے۔ جہاں تک اس کی اپنی تیاریوں کا تعلق تھا ان میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔ حملے کی ناکامی کا کوئی امکان نہ تھا۔

"والا جاہ!" ین کوئی کیانگ نے عرض کی۔ "مخبر نئی خبریں لائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آلتوں تشین کے لوگوں میں چنگیز خان اور اس کے مقبرے کا بہت چرچا ہو رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے انھیں کسی معجزے کی توقع ہے جو انھیں تباہی سے بچا لے گا۔"

"معجزے کوئی چیز نہیں ہوتے ین کوئی کیانگ۔" ہانگ ہی نے کہا۔ "رہا چنگیز خان، وہ مر چکا ہے۔ میں ایک مردہ شخص سے کیوں ڈروں؟ البتہ مقبرہ ——— مقبرہ ہی تو وہ جگہ ہے نا جہاں میر نور یک کے بیان کے مطابق تاتاریوں کا خزانہ گڑا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی نے وہ مقبرہ ڈھونڈ نکالا ہو ———"

"اس لڑکی قیر ولہ کو بلاؤ جو میر نور یک کے ساتھ گرفتار کی گئی تھی۔" اس نے ایک لمحہ توقف کرنے کے بعد حکم دیا۔ "شاید اسے خزانے کا علم ہو۔ مگر یہ تاتاری کتے سونا کھا کر تو پیٹ نہیں بھر سکتے اور نہ اس سے

پگھلا کر تلواریں بنا سکتے ہیں۔"

جب تک لڑکی آئی اس دوران میں عدالت کا ایک عامل اسے دربار کے وقائع پڑھ کر سناتا رہا۔

قیرولہ ـــــ زرد رُو لیکن سرد قلب ـــــ ہانگ ہی کی کرسی کے پائیں کھڑی کی گئی۔ چینی جرنیل نے بے جذبات، نظروں سے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ عورتیں ـــــ اس نے اپنے دل میں سوچا ـــــ محض کھلونے ہیں جو مردوں کا دل بہلانے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ان میں صفاتِ حسنہ نہیں ہوتیں۔

ین کوئی کیانگ نے ہانگ ہی کے سوالات کا ترجمہ کر کے قیرولہ کو سنایا اور اس کے جواب سننے کے بعد ہانگ ہی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"اے آسمان کے بیٹے وان لے کے دستِ راست، سُن! یہ لڑکی قیرولہ کہتی ہے کہ اسے چنگیز خان کے مقبرے کا کوئی علم نہیں۔ یہ میر تورک کی باندی رہی ہے، لیکن میر تورک نے یہ راز اسے کبھی نہیں بتایا۔ یہ یہ بھی کہتی ہے کہ جو لوگ اس مقبرے میں گئے وہ مر گئے۔ اس کے دل میں یہ عجیب خیال ہے کہ ـــــ"

اسے ہچکچاتے دیکھ کر چینی سپہ سالار نے کہا۔ "بول ین کوئی کیانگ! لڑکی کیا کہتی ہے؛ کتابوں میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی بچوں پر بھی دانش مند خیالات نازل ہوتے ہیں۔"

"جو بات یہ کہتی ہے وہ بڑی عجیب ہے عالی جاہ! یہ کہتی ہے کہ چنگیز خان اب بھی تاتار کے علاقے میں گھوڑے پر سوار پھرتا ہے اور راتوں کو اس کے اور اس کی فوج کے نقل و حرکت کرنے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔"

قیدولہ سمجھ گئی کہ کیا کہا جا رہا ہے۔ اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا اس کی آنکھیں روتے روتے سوج گئی تھیں اور اس کے نازک ہاتھ اپنے زریفت کے لباس پر بندھے ہوئے تھے۔

"ہاں آقا" اس نے جلدی جلدی بولتے ہوئے کہا۔ "میں نے چنگیز خان کی فوج کے نقل و حرکت کرنے کی آوازیں اپنے کانوں سے سنی ہیں۔ ہم لوگ اس وقت ریگستان میں تھے۔ خلت اور میں۔ ہم نے تو مانوں کی آوازیں سنیں۔ وہ بے شمار تھے۔ تاتاری شہسواروں نے اپنا جنگی ترانہ گایا اور ہاتھیوں نے چنگھاڑ کر صبح کا خیر مقدم کیا۔"

"یہ سب قصے کہانیاں ہیں!" ہانگ ہی نے اس کے بیان کا ترجمہ سن کر کہا۔ "ہمارے سیاح خبر لائے ہیں کہ تاتاری قبائلی ایسی کہانیوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اگر بڑے بوڑھے ان باتوں کو مانتے ہیں تو بچے کیوں نہ مانیں گے۔"

"یہ لڑکی یہ بھی کہتی ہے۔" ین کوئی کیانگ نے ایک لمحے کے بعد مزید کہا "کہ چینی سنتریوں نے بھی مسلح آدمی میدانوں میں حرکت کرتے دیکھے ہیں۔ اس کا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ چنگیز خان کی فوج کے سپاہی

ہیں، جو چنیوں کو مارنے آئے ہیں، اور یہ بھی کہتی ہے کہ کل رات اس نے پھر تاتاری شہسواروں کا جنگی ترانہ سنا ہے۔"

ہانگ ہی معنی خیز انداز سے مسکرایا۔ وہ جانتا تھا کہ جن تاتاریوں کے نقل و حرکت کرنے کی آوازیں قیرولہ نے سنی ہیں وہ بھگوڑے تھے جو رات کے وقت آلتو رہتین سے فرار ہو رہے تھے۔ مشرقی فصیل کے قریب کئی ہزار آدمی سنتریوں کے پاس سے گزرے تھے۔ سنتریوں کو یہ حکم تھا کہ ان سے چشم پوشی کریں کیونکہ ہانگ ہی چاہتا تھا کہ مدافعت کرنے والوں کی تعداد جتنی کم ہو سکے اتنی کم ہو جائے۔ چان کئے شی کے غائب ہونے کے بعد سے وہ محتاط ہو گیا تھا۔

"وہ ترانہ کیا تھا جو قیرولہ نے سنا؟" ہانگ ہی نے دکھاوے کی بے پروائی سے پوچھا۔ "ہو سکتا ہے یہ ان کتوں کے آپس میں لڑنے کی آوازیں ہوں۔ ویسے تو وہ اتنی تیزی سے فرار ہو رہے ہیں کہ اتنے آدمی رہے ہی نہیں ہوں گے جو آپس میں لڑیں۔"

لڑکی کا چہرہ غازے تلے تمتما اٹھا۔ اس کے تصورات کا سارا تانا بانا تاتاری شہسواروں اور فاتح اعظم چنگیز خان کے گرد بنا ہوا تھا آلتو رہتین کے محاصرے اور خلعت کے قید ہو جانے سے بھی اس کا یہ عقیدہ متزلزل نہ ہوا تھا کہ وہ تاتاری فاتحوں کے زمانے میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ میرتوریک کی کتابوں نے اس کے دماغ پر اتنا تسلط جما لیا تھا کہ وہ اور کوئی بات ماننے کو تیار ہی نہ تھی۔

اس نے آنکھیں بند کر کے ہولے ہولے گانا شروع کر دیا۔

"اے تیمری کے شیر ببر، کیا تو پھر آئے گا؟ تیری سپاہ کی عقیدت، تیرا سنہری محل، تیرے قبیلوں کے لشکر، سب تیرا انتظار کر رہے ہیں، تیرے سردار، تیرے سپاہ تیرے رشتے دار، سب انتظار کر رہے ہیں کہ تو اپنی جنم بھومی میں جو تیرا قلعہ ہے، واپس آئے۔

تیرا یاکوں کی دُموں کا جھنڈا، تیرے طبل، تیری شہنائیاں جو قلقاؤں، نورگوتوں اور جن گردن کے جنگ آزماؤں کے ہاتھوں میں ہیں، سب تیرا انتظار کر رہی ہیں۔"

"یہ ہے وہ ترانہ جو مجھے کل رات دیواروں کے اس طرف سے سنائی دیا۔" تیردلہ نے فخر سے کہا۔" اس وقت توپوں کی گرج تھمی ہوئی تھی۔ اور یہ وہی ترانہ تھا جو ریگستان میں تاتاری شہسواروں نے گایا تھا۔"

ہانگ ہی نے حیران ہو کر لڑکی کی طرف دیکھا اور سر سہلایا۔ پھر اس نے ین کوئی کیانگ پر نگاہ ڈالی جیسے پوچھتا ہے کہ کیا یہ بات درست ہے!

" شہر میں کل رات کچھ گانا بجانا ہوا تھا عالی جاہ!" ین کوئی کیانگ نے کہا۔" یہ لڑکی اس کو تاتاری جنگی ترانہ تصور کر رہی ہے۔"

" یہ تصور نہیں کر رہی ین کوئی کیانگ!" ہانگ ہی نے کچھ سوچتے

ہوئے کہا۔" اس نے جو یہ کہا کہ چنگیز خان کے مقبرے پر جانے والے واپس نہیں آتے یہ محض اس کا تصور نہیں تھا! اسے حرم میں واپس لے جاؤ۔ اور میرا حکم ہے کہ اس کی نگرانی کی جائے۔ ہوسکتا ہے یہ مفید یرغمال ثابت ہو۔"

یکایک آلتو رہتین کی دیواروں پر سے ترم بجنے کی آواز آئی۔ ہانگ ہی نے ہاتھ اُٹھا کر خاموشی کا حکم دیا۔

"ٹھہرو! ہمارے دشمن صلح کی بات چیت کرنی چاہتے ہیں۔ جاؤ، ین کوئی کیا نگ! ان کا پیغام لا کر مجھے دو۔ شاید وہ شہر ہمارے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔"

ادھر شہر کا مشرقی دروازہ کھلا اور تاتاریوں کی ایک ٹولی باہر آئی۔ ہانگ ہی اور اس کے مشیر خاموش بیٹھے دیکھتے رہے۔ پھر ین کوئی کیا نگ نے چند چینی افسروں سمیت جا کر دیوار کے قریب تاتاری ٹولی سے بات کی اور ایک مختصر سی گفتگو کے بعد شامیانے میں واپس آگیا۔ تاتاری ٹولی جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔

ین کوئی کیا نگ جھک کر آداب بجالایا۔ اس کے چہرے سے ظاہر تھا کہ جو پیغام لایا ہے وہ پریشان کن ہے۔

"یہ تاتاری کتے پاگل ہو گئے ہیں عالی جاہ!" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔" یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے کہ وہ اپنی شرطیں ہم سے منوانی چاہتے ہیں، اور وہ شرطیں یہ ہیں کہ ہم سب قیدی رہا کر دیں

ہماری فوج نے جو مال لوٹا ہے وہ بھی واپس کر دیں۔ اور اپنے ہتھیار اور جھنڈے بھی ان کے حوالے کر دیں۔ اگر ہم یہ شرطیں پوری کر دیں تو وہ ہمیں اس کی اجازت دے دیں گے کہ ہم دیوارِ چین کی طرف لوٹ جائیں۔ ہاں! وہ ہمارے آدھے جرنیل بھی یرغمال کے طور پر مانگتے ہیں۔ ان شرطوں پر یہ دیوانے تاتاری ہمیں صحیح سلامت واپس چلے جانے کی اجازت دینے کو تیار ہیں اور اگر ہم ان کی یہ شرطیں نہ مانیں تو لڑیں گے۔"

ہانگ ہی اپنے تخت سے اُچھل کر اُٹھا۔ اس کا بھاری چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا کیونکہ اسے ایسے پیغام کی توقع نہ تھی۔

"معلوم ہوتا ہے بھوکے مر مر کر ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے عالی جاہ!" ین کوئی کیانگ نے سجدے میں گر کر کہا۔ "کہتے ہیں چنگیز خان نے ان کی فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی ہے جو شرطیں انھوں نے پیش کی ہیں یہ وہی ہیں جو چنگیز خان اپنے دشمنوں کے آگے پیش کیا کرتا تھا۔"

قیرولہ کے منہ سے خوشی کی چیخ نکلی جس نے ین کوئی کیانگ کی بات کاٹ دی۔ لڑکی بڑی پرشوق نظروں سے شہر کی فصیل کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کا زرد چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ہانگ ہی نے اشارے سے اسے ایک طرف ہٹوایا اور چند سپاہیوں نے اسے پکڑ کر ثنا میانے کے ایک کونے میں کھڑا کر دیا۔

"ہمارا جواب یہ ہے"۔ ہانگ ہی چلایا۔ اس نے اپنا ہاتھی دانت کا عصا اٹھایا "حملے کا اعلان کر دو۔ ہماری توپیں انھیں جواب دیں گی"۔

"لیکن، عالی جاہ!" ین کوئی کیانگ نے، جو ایک منصف مزاج آدمی تھا، تنبیہاً کہا۔ "ان کے ایلچی ——"

مگر ایک سو توپوں کی باڑھ نے اس کا فقرہ پورا نہ ہونے دیا۔ آلتورہتین کی دیواریں بڑے بڑے پتھروں کی بارش سے ہلیں۔ اس کے بعد دستی بندوقوں کی گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ ایلچیوں میں سے کوئی بھی صحیح سلامت شہر کے آہنی دروازے تک نہ پہنچا۔ دروازہ بند کر لیا گیا۔

چینی لشکر میں چاروں طرف ترم بجے۔ حملہ آور رجمنٹیں دیواروں کی طرف بڑھنے لگیں۔ ان کے آگے آگے مسلح سپاہی تھے، جن کے ہاتھوں میں سیڑھیاں تھیں۔ بندوق بردار سپاہی ان کے ساتھ ساتھ تھے۔ آلتورہتین پر حملہ شروع ہو گیا۔

۱۵

ہانگ ہی اپنی کرسی کی پشتی سے کمر لگا کر بیٹھ گیا اور تماشا دیکھنے لگا۔ ین کوئی کیانگ اس کے پہلو میں کھڑا تھا۔ چینیوں کے وقائع نگار نے ہر وہ واقعہ اپنی آنکھوں دیکھا ہوا جو اس دن ظہور میں آیا۔ عجیب نظارہ

تھا۔ جس طرح یہ لڑائی شروع ہوئی اس طرح کبھی کوئی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی۔

ہانگ ہی نے چینی لشکروں کو بھری ہوئی خندق تک خوش اسلوبی سے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس کے بعد اسے تعجب سا ہونے لگا۔ آلتوں تین کی دیواریں، جنھیں، توپوں نے توڑ پھوڑ دیا تھا، سپاہیوں سے خالی تھیں۔ حملہ آور دیواروں پر چڑھ کر شنگا فوں تک پہنچ گئے اور وہاں سیڑھیاں کھڑی کر دیں۔ لیکن کسی نے ان کا مقابلہ نہ کیا۔ نہ تیر برسے، نہ پتھر! ایک جرنیل کے اشارے پر اسلحہ بند سپاہیوں کے پرے سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔ وہ رجمنٹیں جو شنگافوں کے مقابل کھڑی تھیں ملبے پر چل کر آہستہ آہستہ آگے بڑھیں۔ ہانگ ہی سوچنے لگا کہ شاید دفاع کرنے والے ہمت ہار چکے ہیں۔ غالباً شہر میں لوگ بہت کم رہ گئے ہیں۔ اس کے سپاہیوں نے کئی ہزار تاتاری گنے تھے جو پچھلی چند راتوں میں گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے بھاگ گئے تھے۔

چینی فوج نے سیڑھیاں فصیل کی منڈیر تک لگا دیں مگر دشمن نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اُدھر سے ایک گولی بھی نہ چلی۔ ایک شخص بھی زخمی ہو کر نہ گرا۔ جو چینی سپاہی شگافوں میں سے اندر گھسنے کی کوشش کر رہے تھے ان کی رفتار مقابلتہً سست تھی، کیونکہ تاتاریوں نے رکاوٹیں کھڑی کر رکھی تھیں۔

ہانگ ہی کی شفاف پیشانی پر ایک شکن نمودار ہو گئی۔ یہ تو ظاہر تھا

کہ شہر پر قبضہ ہو گیا ہے۔ لیکن وہاں خاموشی کیوں تھی؟ یکایک وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دیواروں پر جو چینی سپاہی تھے وہ چلا رہے تھے اور اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے۔ دیواروں کے نیچے جو صفیں پرا باندھے کھڑی تھیں ان کے قدم ڈگمگانے لگے۔ کیا یہ فتح کے آثار تھے؟

ہانگ ہی نے لپک کر اپنا ہاتھی دانت کا عصا پکڑا۔ اس کے شیر پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورنے لگے۔ آہستہ آہستہ آلتونِ تین کی فصیلیں ریزہ ریزہ ہو کر گرنے لگیں، اندر کی طرف نہیں۔ باہر کی طرف۔

مشرقی دیوار، تھوڑی تھوڑی کر کے ایک گونج دار دھماکے کے ساتھ گری اور جو سپاہی اوپر چڑھے تھے انھیں ساتھ لیتی ہوئی ان سپاہیوں پر آ رہی جو نیچے کھڑے تھے۔ ہانگ ہی نے دیکھا کہ اس کے سپاہی ہڑبڑا کر خلا میں چھلانگیں لگا رہے ہیں۔ دیوار تلے جو لوگ تھے وہ بے ترتیبی سے بھیڑ کی شکل میں پیچھے ہٹے۔ اینٹیں گرتے میں ہزاروں زخمیوں کی مجموعی چیخ ایک طویل کراہ کی طرح سنائی دی۔ جہاں پہلے دیواریں تھیں وہ جگہ مٹی اور پسے ہوئے گارے کے غبار کے بادل سے ڈھک گئی۔

اس گرد و غبار میں ہانگ ہی کو لمبے لمبے شہتیر اس طرح حرکت کرتے دکھائی دیے جیسے ان سے کچھ کوٹا جا رہا ہو۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ کیونکر ان دیواروں کو، جن کی بنیادیں چینی توپوں نے کھوکھلی کر دی تھیں حملہ آوروں پر گرایا گیا۔

زخمیوں کی چیخیں ابھی رُکی نہ تھیں کہ ان سے بھی اُونچا ایک جنگی

نعرہ گرد و غبار کے پردے کے پیچھے سے بلند ہوا۔ ہانگ ہی نے تاتاریوں کے پرے کے پرے ننگی تلواریں لیے آگے بڑھتے دیکھے۔ جنگی نعرہ بلند تر ہوتا گیا اور تاتاریوں کی آگے بڑھتی ہوئی صفوں کی مڈبھیڑ پسپائی کرتے ہوئے چینیوں سے ہوتی رہی اور گھمسان کی ایک دست بدست لڑائی کے شور نے باقی تمام آوازوں کو دبا دیا۔

ہانگ ہی نے لڑائی کے منظر پر نگاہ دوڑائی۔ مشرقی دیوار کا صرف وہ حصّہ گرا تھا جو اس کے سامنے تھا۔ باقی دیوار جوں کی توں کھڑی تھی لیکن تاتاری ہلّہ کر کے چینیوں کی ان پشتہ بندیوں تک پہنچ گئے تھے جو انھوں نے اپنی توپوں کی حفاظت کے لیے بنائی تھیں۔ وہاں چینیوں نے اپنی بکھری ہوئی سپاہ کو دوبارہ جمع کیا۔ مگر فی الفور وہ وہاں تک پیچھے دھکیل دی گئیں جہاں توپیں اور کلیں رکھی تھیں۔ لڑتے ہوئے آدمیوں کے اس زبردست ہجوم میں بندوقیں چلانا بیکار تھا اور توپیں بھی خاموش تھیں۔

ہانگ ہی نے اپنے معاونوں کو جلدی جلدی نئے احکام دیے۔ گھڑسوار ہرکارے، لشکر کے اور حصّوں کی طرف دوڑائے گئے تاکہ وہاں سے کمک لائیں۔ محفوظ رجمنٹیں آگے بڑھائی گئیں اور لڑائی میں جھونک دی گئیں۔ لیو تونگ کے چیدہ چیدہ جنگ آزما، نیز سونگ کمان دار کشتیوں سے اتر آئے۔ تاتاریوں کا ہلّہ توپوں کے عقب میں روک دیا گیا۔

اب ہانگ ہی نے اپنے جرنیلوں سے کہا کہ یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ دیواریں ہموار ہو گئی ہیں۔ تاتاری تعداد میں بہت کم ہیں اور اس طرح لڑتے ہوئے، جیسے جان پر آ بنی ہے شہر کے اندر لوٹ رہے ہیں چینیوں کی فتح یقینی ہے اور آلتور نتین کی تسخیر میں اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ یقیناً یہ تاتاری پاگل ہو گئے ہیں، اسی لیے چنگیز خان کی باتیں کر رہے ہیں، جو مدتیں ہوئیں مر چکا ہے۔

دوپہر کے وقت ہانگ ہی کے لیے شامیانے ہی میں کھانا چنا گیا اور اس نے جی بھر کر کھایا پیا۔ ہرکاروں نے ہر جگہ کی خبریں پہنچائی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ تاتاری جتنی بہادری سے لڑ رہے ہیں ایسی بہادری انھوں نے پہلے کبھی نہیں دکھائی۔ انھوں نے بندوقوں کے منہ لکڑیاں ٹھونک ٹھونک کر بند کر دیے ہیں اور بہت سے بندوقچی مار بھی ڈالے ہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ یہ حملہ صرف چند ہزار تاتاریوں نے بولا تھا اور پھر اینٹوں اور مٹی کے ڈھیروں کے پیچھے جا چھپے تھے۔ سہ پہر کے وقت ہانگ ہی کے حکم کے مطابق چینیوں کی طرف سے جو دوسرا حملہ ہونا تھا اس کی کامیابی یقینی تھی۔

مگر ہانگ ہی ابھی کھانا کھا کر فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ لشکر کے مغربی حصے سے ایک گھڑ سوار ہرکارہ آیا۔ "عالی جاہ!" اس نے شامیانے کے فرش پر ماتھا ٹیک کر کہا "گھڑ سوار تاتاریوں نے میدان سے آ کر

ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ وہ یکایک ہم پر جھپٹ پڑے، ہزاروں کی تعداد میں، جنگلوں سے نکل کر!"

اور ہرکاروں نے بھی اس خبر کی تصدیق کی۔ گھڑ سوار تاتاریوں کی ایک زبردست فوج نہ جانے کہاں سے نمودار ہو گئی تھی۔ مغربی حصے کی چینی فوج اس کے حملے سے ہار کر شمال اور جنوب کی طرف بھاگ گئی تھی۔

"کتو!" وان لے کے جرنیل نے حقارت سے کہا۔ "کیا تم عورتیں ہو کہ چند سواروں کو دیکھ کر بھاگ نکلے؟ شمال اور جنوب میں جو فوجیں ہیں ان کو حکم دو کہ اپنی جگہ اڑی رہیں۔ میرے آدمی چند گھنٹے میں آنتو رہتین کے اندر داخل ہو جائیں گے۔ خبر نہیں یہ گھڑ سوار کہاں سے آن مرے؟"

ین کو ٹی کیانگ آگے بڑھ کر آداب بجالایا۔

"اے مقربِ آسمان!" اس نے کہا۔ "یہ بھاگے ہوئے تاتاری سپاہی ہوں گے جو واپس آگئے ہیں۔ وہ لڑتو رہے ہیں بڑے دل گردے سے، لیکن ان کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہو سکتی۔ یقین ہے کہ جب ہم حملہ کریں گے تو ان کو آگے بڑھنے سے روک دیں گے۔"

لیکن اسے اندازہ نہ تھا کہ جب تاتاری اُور دو گھوڑوں پر سوار ہو کر پیادہ فوج سے اپنے مخصوص طریقے سے لڑتا ہے تو کس بلا کی تیزی اور قوت دکھاتا ہے۔ اس سے پیشتر کہ حملے کا حکم دیا جاتا

ہانگ ہی کو یہ خبر ملی کہ دشمن کے ایک اور دستے نے، جو پہلے دستے سے زیادہ طاقتور ہے چینی پڑاؤ کے عقب میں شمال کی طرف دھاوا بول کر محاصرہ کرنے والی فوج کی صفیں توڑ دی ہیں۔ ین کوئی کیانگ نے تو یہی بتایا کہ محاصرہ کرنے والی فوج منظم طریقے سے پیچھے ہٹ کر اس بڑی فوج سے مل رہی تھی جو مشرق کی جانب کھڑی تھی۔ لیکن ہانگ ہی کی تیز نظروں نے بھانپ لیا کہ اس کے بہت سے سپاہی شمال کی طرف سے افراتفری کے عالم میں بھاگے چلے آرہے ہیں۔

سہ پہر تک چینی فوج کی حالت ابتر ہی رہی۔ چینیوں کے قبضے میں شہر کی چار اطراف میں سے دو اطراف تھیں، یعنی مشرق اور جنوب، دیواریں گرنے اور تاتاری سواروں کے حملے سے ساٹھ ہزار سے زیادہ چینی مارے گئے تھے۔ ہانگ ہی اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کے عقب میں جو دریا اب تک چین سے سلسلۂ آمد و رفت قائم رکھنے کے کام آتا رہا ہے اب وہ اس کی فوجوں کی نقل و حرکت میں مزاحم ہو رہا ہے اور اگر اسے مزید پسپا ہونا پڑا تو دریا سدِ راہ ثابت ہوگا۔

اس نے اپنے تمام جرنیلوں کو بلایا اور جنگ آزمودہ لیوتونگ سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ مشرق میں سب سے آگے صفیں قائم کر کے شہر اور دریا کے درمیان تاتاری سواروں کا مقابلہ کریں۔ سونگ جرنیلوں کے دستوں کو جنوبی پڑاؤ کی حفاظت پر لگایا اور شہر پر حملے کے لیے جو دستے تیار کر رکھے تھے انھیں گری ہوئی دیوار کے سامنے حفاظتی

پشتہ بندیوں کے پاس تعینات کر دیا۔

اس نے جنوبی پڑاؤ والوں کو، جن پر ابھی تک کوئی حملہ نہیں ہُوا تھا، ہوشیار رہنے کی تاکید کی۔ چینی فوجوں کا یہ حصّہ دریائی امداد کے بغیر شہر اور میدان دونوں کا سامنا کر رہا تھا۔ ہانگ ہی یہ دیکھ کر دل ہی دل میں شکرانہ ادا کر رہا تھا کہ تاتاری گھڑ سوار سہ پہر کے وقت محاذ پر نہیں آئے۔ اس کے سپاہی ان سے خائف تھے۔

اسے رہ رہ کر خیال آتا کہ کاش اس وقت چان کے شی ہوتا۔ جب شام ہوئی تو شہر کے اندر سے تاتاری سپاہیوں کے جنگی ترانہ گانے کی آواز آئی۔ چینی سپہ سالار حیران تھا کہ یہ گھڑ سواروں کی فوج کہاں سے آن دھمکی ہے؟ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ فوج صحرا سے یکایک پیدا ہو گئی ہے۔ چقرا در شورو، بلکہ قلماق بھی۔ ان غولوں میں سے، جو پہلے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، جمع ہو کر آ موجود ہُوئے تھے۔ ہرکاروں نے اسے یہ خبر بھی سنائی کہ انھوں نے قلماقوں کے گروہ میں چنگیز خان کا جھنڈا بھی دیکھا ہے۔

آلتونر ہتین پر آخری حملے کا حکم دینے کی نوبت ہی نہ آئی۔

۱۶

تیر دل نے لڑائی شروع ہونے کے تھوڑی دیر بعد حرم کی اور سب عورتوں کے ساتھ ہانگ ہی کے نجی پگوڈے میں پناہ لی تھی۔ وہ ایک

کھڑکی پر جا کھڑی ہوئی جس میں سے جنوبی محاذ دکھائی دیتا تھا اور جو خبریں پگوڈے میں آتی رہیں انھیں ہمہ تن گوش بن کر سنتی رہی۔

رات ہو گئی تھی لیکن اسے نہ آگ کے کڑھاؤں کے شعلے دکھائی دے رہے تھے نہ توپوں کے گولوں کی چمک۔ چینیوں کا لشکر پریشان حال سپاہیوں سے بھرا ہوا تھا جو مشعلیں اور لالٹینیں لیے ادھر ادھر دوڑ بھاگ رہے تھے۔ گھڑ سوار یہ کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح اس ہجوم میں سے گزر جائیں۔ وہ پیادہ سپاہیوں کو روندتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ زخمیوں کے کراہنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ قیدولہ یہ سب دیکھ رہی تھی اور اس کا دماغ سوچنے میں مصروف تھا۔

اس نے اس گھڑ سوار تاتاری فوج کا حال سنا تھا جس نے میدان سے نمودار ہو کر حملہ کیا تھا۔ چینیوں نے اسے ان سواروں کی تند خوئی اور بہادری کے قصے سنائے تھے۔ قیدولہ خوشی سے بے قابو ہوئی جا رہی تھی۔ اسے کامل یقین تھا کہ یہ فوج چنگیز خان کی وہی فوج ہے جس کی نقل و حرکت کی آوازیں اس نے صحرا میں سنی تھیں۔ کیا ہرکاروں نے نہیں کہا ہے کہ انھوں نے یاکوں کی دموں کا جھنڈا ہے اور لوگوں کو چنگیز خان کے نام کے نعرے لگاتے سنا ہے؟ اس نے اور عورتوں کو یہ سب بتایا تھا تو وہ ڈر سے کانپنے لگی تھیں اور اسے آسیب زدہ سمجھ کر علیحدہ کر دیا تھا۔ قیدولہ کو اس سے بہت خوشی ہوئی تھی کیونکہ وہ بھی یہی چاہتی تھی۔

وہ کھڑکی پر کھڑی کان لگائے غور سے سنتی رہی۔ اس نے پہلے اندھیرے میں لڑائی کا شور و غل سنا تھا جو کہیں دُور ہو رہی تھی لیکن اب شور کی آوازیں جنوب کی طرف سے آ رہی تھیں اور وہ دُور جانے کی بجائے اور نزدیک آتی گئیں۔ تیرولہ سر کھڑکی سے باہر نکال کر سننے لگی۔

فی الواقعہ ایک بہت بڑی لڑائی ہو رہی تھی! اسے تو اس کا پتا ہی نہیں چلا۔ رات ہوتے ہی جنوب کی چینی رجمنٹوں کے عقب میں تاتاری شہسواروں کے کئی پروں نے یکے بعد دیگرے حملے کر کے ان میں ابتری پھیلا دی تھی۔ یہ گھڑ سوار فوج دوسری بار نمودار ہوئی تھی۔ یاکوں کی دُم کا جھنڈا اس کے آگے آگے تھا اور وہ تاتاریوں کا جنگی ترانہ گا رہی تھی۔ یہ وہ سپاہی تو نہیں ہو سکتے تھے جو ایک سال سے آلتورہتین کی دیواروں کے پیچھے چھپے بیٹھے تھے۔ تو پھر یہ کون تھے؟ اور کہاں سے نکل پڑے تھے؟

ہرکارے حرم میں آ آ کر خبریں دینے لگے۔ پہلے یہ افواہ اُڑی کہ سونگ جرنیل اور ان کے بیشتر سپاہی یا تو گرفتار ہو گئے یا مارے گئے۔ پھر ایک افواہ یہ اڑی کہ لاکھوں تاتاری اندھیرے میں حملے کر رہے ہیں۔ چنگیز خان ان کی قیادت کرتا دیکھا گیا ہے اور اس کے ساتھ جن اور دیو ہیں جو کسی کو زندہ نہیں چھوڑتے۔

تیرولہ کی نگاہیں جن گلی کوچوں پر پڑ رہی تھیں ان میں افراتفری کا

عالم تھا۔ لوگ چلّا رہے تھے کہ آلتون تین سپاہیوں سے خالی ہے اور سارے تاتاری میدان میں اُتر آئے ہیں۔ جنوب کی طرف، جو کمک بھیجی گئی تھی وہ اندھیرے میں راستے سے بھٹک گئی اور تاتاری رجمنٹوں نے اسے تتر بتر کر دیا۔

ایک عامل پھٹی ہوئی خلعت پہنے بھاگا بھاگا پگوڈے کے ایوان میں آیا اور اس نے عورتوں کو حکم دیا کہ کشتیوں میں سوار ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔

"میدان سے دس لاکھ جن آ گئے ہیں۔" اس نے چلّا کر کہا۔ "اور ہمارے عامل انھیں ٹالنے کے لیے منتر پڑھ رہے ہیں۔ ہانگ ہی نے حکم دیا ہے کہ اس کے سارے حرم کو کشتیوں میں سوار کرا دیا جائے۔"

اس خبر پر دلدوز چیخیں بلند ہوئیں۔ عورتیں انتہائی دہشت کے عالم میں دروازوں کی طرف دوڑیں۔ قیردلہ ہجوم میں پھنس گئی اور پگوڈے کے بڑے دروازے میں سے گلی میں دھکیل دی گئی۔

اب اسے راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ کیونکہ کچھ فاصلے پر عمارتیں جلنے کی وجہ سے روشنی ہو رہی تھی۔ عورتوں کے ساتھ ساتھ بے ہتھیار سپاہی بھی بھاگ رہے تھے۔

قیردلہ نے دیکھا۔ دو تین خود پوش سونگ سپاہی ہجوم کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

"کتوا در گدھو!" ایک تنومند سپاہی نے غصّے سے کہا۔ "ہانگ ہی جنوبی

پڑاؤ پر ایک لاکھ سپاہ لیے قابض ہے۔ لیوتونگ کے علم بردار اس کی مدد کو آ رہے ہیں۔ لڑائی کہیں بھی نہیں ہو رہی، سوائے جنوبی حصّے کے۔ تم لوگ اندھے اور کم ہمتے ہو!"

لیکن عورتیں انھیں دھکیل کر آگے نکل گئیں اور چلّانے لگیں:

"کشتیاں کہاں ہیں، کشتیاں؟ ہمیں کشتیوں میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں ہم سب زیادہ محفوظ ہوں گے۔"

جیسا کہ اکثر ہوتا ہے، چینی لشکرگاہ کی افراتفری میں بدحواس عورتوں نے اضافہ کر دیا۔ شاید لیوتونگ کے سپاہی، جو شکست خوردہ سپاہیوں قیدیوں، لشکر کے جلوداروں اور عورتوں کے ہجوم میں سے گزرنے کی کوشش کر رہے تھے، اس افراتفری کی روک تھام کرتے لیکن عورتوں کی چیخ و پکار سے لوگوں کے رہے سہے حواس بھی گم ہو گئے۔ اور وہ گھڑی تو ہانگ ہی کے لیے بڑی ہی منحوس تھی، جب وہ بڑی بہادری سے کام لے کر محاذ پر جانے کے لیے اپنے شامیانے سے نکلا۔ کیونکہ اس کی غیر موجودگی میں لشکرگاہ کے لوگوں پر یہ خوف طاری ہو گیا کہ خبر نہیں اب کیا ہو گا۔

"کشتیوں میں چلو، کشتیوں میں،" ایک بھاگتا ہوا سپاہی چلّایا۔ "ہم وہاں زیادہ محفوظ ہوں گے۔"

ایک لیوتونگ کے برچھے نے اس کا سینہ برما دیا، لیکن پھر اوروں نے بھی یہی چلّانا شروع کر دیا۔

"کشتیوں میں چلو، کشتیوں میں۔ پڑاؤ ہاتھ سے نکل چکا ہے۔"
یہ آوازیں ساری لشکرگاہ میں گونجیں۔ ہجوم نے دریا کی طرف ہلہ بولا اور اپنے ساتھ کئی لیوتونگ سپاہیوں کو بھی گھسیٹ لے گیا۔

فیردلہ پناہ کے لیے جگہ ڈھونڈ رہی تھی، کیونکہ وہ دریا کی طرف نہ جانا چاہتی تھی۔ اسے یہ امید تھی کہ کوئی تاتاری سپاہی اُسے اپنی پناہ میں لے لے گا کیونکہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ تاتاری آ رہے ہیں۔ اچانک اسے ایک کھلی محرابی گزرگاہ دکھائی دی اور وہ چپکے سے اس میں داخل ہو گئی۔ تھوڑی دُور چل کر اس نے اپنے آپ کو دارالعدل میں پایا جو سنسان پڑا تھا۔

دارالعدل کی دیواروں پر رنگا رنگ لالٹینیں جل رہی تھیں اور ہانگ ہی کی خالی کرسی کے آس پاس جھنڈے لٹکے ہوئے تھے۔ چینی جرنیل کا منصوبہ یہ تھا کہ رات کو آلتون ہتین کی تسخیر کے بعد اپنے مشیروں کے ہمراہ کرسیٔ عدالت پر بیٹھے گا۔

فیردلہ قالین پر دوڑتی ہوئی مسند تک گئی اور پردوں میں چھپ گئی۔ ان کے پیچھے اسے کوئی دیکھ نہ سکتا تھا۔

"کشتیوں میں چلو، کشتیوں میں!" یہ پکار اسے بار بار سنائی دی۔ "ہانگ ہی کو شکست ہو چکی۔ اس کے سپاہی جنوب سے بھاگے آ رہے ہیں۔ دریا کی طرف چلو۔ دریا کی طرف۔"

رفتہ رفتہ شور ختم ہو گیا۔ فیردلہ نے سمجھ لیا کہ لشکرگاہ کا یہ حصّہ خالی

ہو چکا ہے۔ وہ اپنی جائے پناہ سے باہر نکلنے کو تھی کہ گلی میں جھانک کر دیکھے وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اتنے میں دارالعدل کے باہر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔

اس کا دل اچھلنے لگا ـــــ چنگیز خان کے سپاہی آ گئے! یقیناً یہ سوار تاتاری ہیں، کیونکہ چینیوں کے پاس تو سوار فوج ہے ہی نہیں۔ اسے محرابی راستے میں سے آوازیں سنائی دیں۔ اس نے کان لگا کر سنا۔ اس کا دل ہانگ ہی کی آواز سن کر ڈوب گیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"ین کوئی کیانگ! تم لیو تونگ سپاہیوں کے پاس جاؤ اور انھیں حکم دو کہ دریا کے پرلے کنارے پر قابض رہیں۔ کشتیاں چلا دو اور بقیۃ السیف سونگ سپاہیوں اور میرے ذاتی محافظوں کو دریا کے پرلے کنارے کے ساتھ ساتھ واپس لے جاؤ۔ پڑاؤ کی آگ تمھیں راستہ دکھائے گی۔ جاؤ۔ ہم لڑائی ہار چکے ہیں۔ ہم نے جن لوگوں کو مفرور سمجھ کر جانے دیا تھا وہ بھگوڑے سپاہی نہیں تھے بلکہ ایک پوری فوج تھی جو دستہ دستہ کر کے صحرا میں جمع ہو رہی تھی۔"

"نہیں، عالی جاہ!" ین کوئی کیانگ نے احتجاجاً کہا۔ "میری جگہ آپ کے ساتھ یہیں ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آسمان کے بیٹے کا نائب اکیلا رہے؟"

"کیا آسمان کے بیٹے کے نائب کو انسانوں کی مدد کی ضرورت ہے؟" ہانگ ہی نے پوچھا۔ "جاؤ! میں نے تمھیں جو کام بتایا ہے وہ کرو۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ اس کے بعد گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ پھر بہت سی ملی جلی آوازیں سنائی دیں اور قیرولہ کو ایسا معلوم ہُوا جیسے دارالعدل کے دروازے بند کیے گئے ہیں۔ اس نے جائے پناہ سے باہر جھانکا۔ ہانگ ہی اپنے ریشمی اور طلائی خلعت میں شان و شوکت کا مجسمہ بنا قالین پر چلتا ہُوا مسند کی طرف جا رہا تھا۔

۱۷

قیرولہ چُپ، سادھے بیٹھی رہی۔ اگر وہ ذرا بھی ہلتی جلتی تو جرنیل کو، جو مسند کی طرف خاموشی سے قدم اُٹھا رہا تھا اس کی موجودگی کا پتا چل جاتا۔ وہ اسے دیکھ کر متعجب ہو گئی تھی کیونکہ اس کا بُشرہ ایک شکست خوردہ سالار لشکر جیسا نہ تھا۔

ہانگ ہی تخت پر بیٹھ گیا اور اس نے خلعت اُتار کر گھٹنوں پر ڈال لیا۔ قیرولہ نے اس کے چوڑے چکلے اور پیلے چہرے کو خلعت پر جُھکا دیکھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا اور ایک مُو قلم سنہری روشنائی میں ڈبو کر خلعت پر کچھ لکھ رہا تھا۔

یکایک، ہانگ ہی کا شاہانہ سر مُڑا اور اس کی ترچھی آنکھیں لڑکی پر جم گئیں۔ قیرولہ ڈر کر پیچھے نہ ہٹی۔ اس کی نظریں فخر کے ساتھ جرنیل کی نظروں سے ملیں۔ جرنیل مسکرا دیا۔ قیرولہ کو ایک بار پھر تعجب ہُوا

کیا یہ وہی آدمی ہے جسے چنگیز خان نے شکست دی ہے؟"

"ننھی قیدی!" جرنیل نے آہستہ سے کہا۔ (قیرولہ اس کی بات سمجھ گئی کیونکہ اس نے چینی زبان سیکھ لی تھی) "تم اور عورتوں کے ساتھ کیوں نہیں گئیں؟ کیا تم ایک باوفا اور خوددار باندی کی طرح اپنے آقا کے ساتھ مرنے کے لیے یہاں آئی ہو؟"

"نہیں، ہانگ ہی!" قیرولہ نے اکڑ کر جواب دیا۔ "میں اپنے رفیق کا انتظار کر رہی ہوں جو ایک سپاہی ہے۔ وہ میری حفاظت کرے گا۔ اس نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ ایک مشہور جنگ آزما ہے اور اس کا نام خلت اور عرف بھیڑیا ہے۔ وہی جو چنگیز خان کے مقبرے پہ ہو آیا ہے۔"

ہانگ ہی لکھنا بند کر چکا تھا۔ اس نے اپنا موقلم رکھ دیا۔ پھر خلعت میں سے ایک موٹی ریشمی ڈوری نکالی اور اس سے کھیلتا رہا۔

"خلت نے کہا تھا کہ چنگیز خان کا جھنڈا اس کے مقبرے میں گڑا ہوا ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "وہ ضرور آئے گا، کیونکہ اس نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے۔"

ہانگ ہی نے سر اٹھایا اور اپنے خلعت پر جو کچھ لکھا تھا اس کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ ایک نظم ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "جس کا مطلب یہ ہے کہ جان سے ہاتھ دھونا اس سے بہتر ہے کہ انسان جان بچانے کی خاطر

اپنی عزت سے ہاتھ دھوئے۔ ننھی قیدی یہاں تمھاری جان بھی جائے گی ہیں اور تم دونوں بہت جلد موت کے اسرار سے واقف ہو جائیں گے چنگیز خان کا جھنڈا؟" اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ کسی نے وہ جھنڈا مقبرے سے لاکر تاتاریوں کو دے دیا ہے؟ اگر جان کئے شی اس وقت یہاں ہوتا تو وہ میرے اس سوال کا جواب دیتا۔"

وہ کان لگا کر سننے لگا۔ کڑکڑ اور دھاڑ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جو ہجوم کے شور و غل سے مختلف تھیں۔ اس نے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قیر دلہ کی موجودگی کو بھول گیا ہے۔

"احمق!" اس نے منہ ہی منہ میں کہا۔ "تاتاری ہوں یا چینی، انھوں نے کیونکر مان لیا کہ چنگیز خان زندہ ہے؟ وہ مر چکا ہے۔ مرے ہوئے لوگ زندہ نہیں ہوتے۔ مگر چونکہ چنگیز خان کا نام تاتاریوں کی زبان پر تھا، میرے آدمی اس سے ڈر گئے۔ بیوقوف لوگ! احمق! ان کی حماقت نے انھیں ڈبو دیا۔"

آوازیں اور قریب آگئیں اور قیر دلہ کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی ناک میں دھوئیں کی بو آ رہی ہے۔ اس نے مسحور ہو کر ریشمی ڈوری کی طرف دیکھا۔

"نہیں، ننھی قیدی!" جرنیل نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ یہ ڈوری میرے لیے ہے، یہ مرنے کا آگ سے زیادہ آسان طریقہ ہے۔ آگ

ہمارے قریب آرہی ہے۔ میں نے خود اپنے آدمیوں کو حکم دیا تھا کہ ایوان کو آگ لگا دیں۔ سنو!"

قیرولہ نے کڑکڑ کی آواز سنی جو اس کے سر پر سے گزر گئی۔ جو جھنڈے دیوار سے لگے کھڑے تھے وہ دھوئیں میں چھپنے لگے۔ قیرولہ نے دیکھا ہانگ ہی نے ہاتھوں سے اپنا گلا پکڑا پھر اس کے ہاتھ اس کی گود کی طرف گئے اور ریشمی ڈوری لیے ہوئے واپس آئے۔ قیرولہ چیخ مار کر دروازے کی طرف دوڑی۔ ایوان کے پرلے سرے پر شیشم کے کواڑوں کا جو دروازہ تھا وہ بند تھا۔ اس نے بے بسی سے اس پر گھونسے مارے اور چٹخنی کو زور سے کھینچا۔ اس کے عقب میں ایوان بھٹی کی طرح روشن تھا۔

اس نے پورا زور لگا کر کواڑ کھینچے تو وہ تھوڑے سے کھل گئے وہ ان میں سے بھج بھجا کر باہر نکل گئی اور محرابی راستے میں دوڑتی ہوئی سڑک پر جا پہنچی۔

وہاں اس نے ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک چیخ ماری۔ سانولے رنگ کے سواروں کے پرے کے پرے گزر رہے تھے۔ ان کے لبادے اور خود چینیوں کے سے نہ تھے۔ ایک گھوڑے کی ٹھوکر سے وہ زمین پر گر پڑی۔ نیم بے ہوشی کے عالم میں اسے ایسا معلوم ہوا جیسے جس گھوڑے نے ٹھوکر ماری تھی وہ مڑا ہے۔ اس کے بعد کالی رات کی تاریکی نے اسے ڈھک لیا اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

جب اس کی آنکھ کھلی اور اس نے اپنے ارد گرد نظر ڈالی تو اپنے کو ایک نئی جگہ پایا۔ وہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک گدّے پر لیٹی ہوئی تھی جس پر پیال بچھی ہوئی تھی۔ دھوپ ایک کھڑکی میں سے اندر آ رہی تھی۔

قیر دلہ نے اپنی گردن ایک طرف موڑی۔ اسے بڑی کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ چاروں طرف اندھیرا تھا۔ لیکن سورج کی کرنوں نے اس کا دل بڑھایا۔ جھونپڑی میں ایک شخص کے سوا کوئی نہ تھا اس نے اس شخص کی طرف دیکھا تو اس کا دل دھڑکنے لگا ——

خلت ایک سٹول پر بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا کالا پائپ اس کے منہ میں تھا اور خمیدہ تلوار ایک گھٹنے پر دھری تھی۔ اس کے کپڑے مٹی میں بھرے ہوئے تھے۔ لیکن اس کی آنکھوں میں چمک اور چوکنا پن تھا۔ قیر دلہ نے ہاتھ بڑھا کر تلوار کو چھوا۔

"خلت آقا!" اس نے انتہائی خوشی سے کہا۔ "تم اپنے وعدے کے مطابق مجھے بچانے آ ہی گئے۔ میں نے ہانگ ہی سے کہا تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ لیکن ——" اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

"میں نے یہ عجیب خواب دیکھا تھا خلت آقا کہ ایک سپاہی مجھے گھوڑے پر ڈالے لیے جا رہا ہے۔ پہلے آگ کے شعلے دکھائی دیے اور پھر صحرا کی تاریکی۔ پھر میں نے یہ دیکھا کہ جو سپاہی مجھے لے جا رہا ہے

وہ چنگیز خان کا جھنڈا بھی لیے ہوئے ہے، جس سے ہانگ ہی ڈرتا تھا۔ جب ہم چنگیز خان کے مقبرے پر گئے تو یاکوں کے دُموں کا جھنڈا میرے سر کے اوپر پھڑ پھڑا رہا تھا۔ میں خوشی سے رونے لگی۔ بتاؤ مجھے کس نے گھوڑے پر ڈال رکھا تھا؛ — کیا وہ خود چنگیز خان تھا؟"

"بڑی اچھی لڑائی لڑی گئی" خلت نے کہا۔ "ایسی لڑائی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ نہیں، ننھی تیر دلہ، تمھارا یہ خواب، خواب ہی تھا؟"

"ہاں خلت، آقا! وہ تھا تو خواب ہی، لیکن چنگیز خان کا جھنڈا تو موجود تھا، کیونکہ ہانگ ہی کے آدمیوں نے اسے دیکھا تھا۔"

خلت نے اپنی تلوار کے کبنے کو انگلی سے چھوا۔

"نہیں، تیر دلہ" اس نے آہستہ سے کہا۔ "چنگیز خان کا جھنڈا اس کے مقبرے پر ہے جہاں اونون موریں اس کی پاسبانی کر رہے ہیں۔ اب کوئی آدمی وہاں نہ جائے گا کیونکہ جھنڈا اور جو کچھ اس مقبرے میں ہے وہ سب، چنگیز خان کی ملکیت ہے۔"

خلت کی آنکھوں میں ایک ایسے شخص کا سا انداز تھا جس نے وہ چیزیں نڈر ہو کر دیکھی ہوں جن کا دیکھنا ممنوع ہو۔

مگر جب لوگ اس سے پوچھتے کہ آیا وہ چنگیز خان کے مقبرے کا راستہ جانتا ہے جہاں خزانہ گڑا ہوا ہے، تو وہ یہی جواب دیتا کہ

مُردوں تک پہنچنے کا راستہ کوئی نہیں جانتا۔ جب، قبر ولہ نے اس سے دوبارہ کہا کہ اس سوار کا مجھے گھوڑے پر ڈال کر لے جانا مجھے اسی طرح یاد ہے جس طرح کسی کو کوئی سچا واقعہ یاد رہتا ہے تو وہ ہنس کر بولا کہ وہ یاد بھی ایک خواب ہی کی یاد ہے۔

مؤسسۂ مطبوعاتِ فرینکلن

چند دلچسپ اور مفید کتابیں

مؤسسۂ فرینکلن غیر تجارتی ادارہ ہے۔ یہ پاکستانی ناشرین سے اچھی انگریزی کتابوں کے اردو تراجم شائع کرنے میں تعاون کرتا ہے۔ اس اشتہار اور فروخت کا انتظام اِس لیے کیا جاتا ہے کہ شائقینِ کتب کو ایک ہی مرکز سے بہ سہولت ہمارے سب معاون ناشرین کی کتابیں مِل سکیں۔ کتابوں کی فروخت کی پوری آمدنی آخر کار معاون ناشرین ہی کو منتقل کر دی جاتی ہے۔

نام کتاب	مترجم	قیمت
مذہب		
خدا ہمارے ساتھ ہے	مولانا صلاح الدین احمد	۳۰۰ ، ۰۰
اسلامیات		
اسلام — صراطِ مستقیم	مولانا غلام رسول مہر	۱۳ ، ۵۰
جزیہ اور اسلام	" "	۱۰۰ ، ۰۰
دُنیائے اسلام	سیّد ہاشمی فرید آبادی	۱۵ ، ۰۰
تہذیب و تمدن		
ثقافت کا مسئلہ	سیّد قاسم محمود	۳ ، ۵۰
تاریخِ تہذیب (دو جلدیں)	مولانا غلام رسول مہر	۵۰ ، ۰۰

مؤسسۂ فرینکلن، پوسٹ بکس نمبر ۳۶۹، لاہور

نام کتاب	مترجم	قیمت
تاریخ		
سو تاریخی واقعات	مولانا غلام رسول مہر	۵ ۶ ۰۰
تاریخِ شام	" " "	۲۴ ۶ ۰۰
تاریخ لبنان	" " "	۱۵ ۶ ۰۰
تاریخ بھی مزے کی چیز ہے	مولانا عبدالمجید سالک	۲ ۶ ۰۰
سوانح عمری		
سو بڑے آدمی	مولانا عبدالمجید سالک	۳ ۶ ۰۰
مشہور موجد اور اُن کی ایجادیں	ابوالحسن نغمی	۳ ۶ ۵۰
غازیانِ تہذیب	سیّد ہاشمی فرید آبادی	۱۰ ۶ ۰۰
آئن شٹائن کی کہانی	سیّد رئیس احمد جعفری	۴ ۶ ۰۰
جغرافیہ اور سیاحت		
پاکستان کی پہلی کتاب	سیّد ہاشمی فرید آبادی	۳ ۶ ۷۵
سرزمین اور باشندے		
ایران	ڈاکٹر عبدالسّلام خورشید	۶ ۶ ۰۰
عراق	محمّد ہادی حسین	۴ ۶ ۰۰
مصر	سیّد ہاشمی فرید آبادی	۴ ۶ ۰۰
انڈونیشیا	ابوالحسن نغمی	۶ ۶ ۰۰
ترکی	مولانا غلام رسول مہر	۵ ۶ ۰۰

مؤسسہ فرینکلن پوسٹ بکس نمبر ۳۶۹ - لاہور

نام کتاب	مترجم	قیمت
تدریس		
تعلیمی مقالات	پروفیسر عبدالغفور	۷،۰۰
تعلیم کے مقاصد	ڈاکٹر سیّد عبداللہ	۷،۵۰
بہتر نگرانی بہتر تدریس	مولانا غلام رسول مہر	۱۰،۰۰
بہتر تدریس بہتر مدارس	" " "	۱۰،۰۰
سمعی بصری آموزش	ملکہ رضوی	۱،۵۰
سائنس		
طاقتور جوہر	ڈاکٹر نذیر احمد	۳،۷۵
جوہر کی سرگزشت	پروفیسر محمود احمد خاں	۵،۰۰
عجائبات کیمیا	محمّد فاروق	۶،۰۰
سائنس کے ساتھ قدم بہ قدم	سیّد علی ناصر زیدی	۴،۵۰
صحت اور طب		
میرے اندر کیا ہے	ڈاکٹر محمّد عبدالقوی لقمان	۲،۰۰
بچّہ اور اُس کی دیکھ بھال (قسم دوم)	" " "	۶،۵۰
آپ کا آپریشن	ڈاکٹر شفیق الرّحمٰن	۱،۵۰
اعصابی کمزوری	فرحت پرویز حسن	۱،۵۰
بہتر توجّہ بہتر صحت	مظہر انصاری دہلوی	۱،۵۰

مؤسسہ فرینکلن پوسٹ بکس نمبر ۳۶۹، لاہور

نام کتاب	مترجم	قیمت
فنّی معلومات		
بجلی کی پہلی کتاب	سیّد علی ناصر زیدی	۳ ۶ --
موٹروں کی پہلی کتاب	مولانا غلام رسول مہر	۳ ۶ ۰۰
انجن	محمّد سعید	۲ ۶ ۵۰
ریڈیو اور ٹیلی ویژن	زیڈ اے بخاری	۶ ۶ ۰۰
ٹیلی فون کیسے کام کرتا ہے	خلیق ابراہیم خلیق	۲ ۶ ۰۰
امورِ عامہ کے کتابچے		
آپ کا بچّہ	عذرا ماجد	۱ ۶ ۵۰
معذوروں کی دستگیری	یکمین احسن کلیم	۱ ۶ ۵۰
عالمی ادارۂ صحّت	سیّد اسرار زیدی	۱ ۶ ۰۰
ادھیڑ عمر	ابوالحسن نغمی	۱ ۶ ۵۰
معاشرہ اور ذہنی صحّت	ڈاکٹر شفیق الرّحمٰن	۱ ۶ ۵۰
والدین اور اساتذہ کے لیے رہنما کتابیں		
کامیاب باپ	مولانا شاہد احمد دہلوی	۱ ۶ ۵۰
اپنے بچّوں کو دوست بنائیے	سیّد قاسم محمود	۶ ۶ ۰۰
خود اعتمادی بڑھائیے	مولانا غلام رسول مہر	۳ ۶ --
بچّوں کے مسائل	مشرّف انصاری	۲ ۶ ۵۰

مؤسّسۂ فرینکلن، پوسٹ بکس نمبر ۳۶۹، لاہور

نام کتاب	مترجم	قیمت
معاشیات		
آبادی کا مسئلہ	شبلی ایم کام	۴ ۰۰
کوئی بھوکا نہ رہے	پروفیسر محمد عثمان	۱ ۵۰
عظماء کے معاشی نظریے	ڈاکٹر ایس ایم اختر	۵ ۵۰
فلسفہ و منطق		
درسِ زندگی	مولانا سالک و شفیق الرحمٰن	۸ ۰۰
فکرِ سلیم کی تربیت	مولانا غلام رسول مہر	۱۰ ۰۰
آدمی کی انسانیت	مولانا محمد بخش مسلم	۷ ۵۰
فنونِ لطیفہ		
شاہکار تصاویر	سید امتیاز علی تاج	۷ ۵۰
فنونِ لطیفہ اور انسان	سید عابد علی عابد	۳ ۷۵
گھاس کی پتّیاں	فیوم نظر	۱۰ ۰۰
بنیادی سائنس		
حرارت	مولانا صلاح الدین احمد	۱ ۵۰
روشنی	" " "	۱ ۵۰
آواز	" " "	۱ ۵۰
مقناطیس	" " "	۱ ۵۰

مؤسسۂ فرینکلن، پوسٹ بکس نمبر ۳۶۹، لاہور

نام کتاب	مترجم	قیمت
مٹّی	مولانا صلاح الدّین احمد	۱ ؍ ۵۰
موسم	〃 〃 〃	۱ ؍ ۵۰
چاند	〃 〃 〃	۱ ؍ ۵۰
پرندے	〃 〃 〃	۱ ؍ ۵۰
پودوں کی دُنیا	پروفیسر محمود احمد خاں	۱ ؍ ۵۰

ناول، افسانے اور ڈرامے

عجیب لڑکی	قمر نقوی	۴ ؍ ۵۰
ہمیں چراغ ہمیں پروانے	قرۃ العین حیدر	۱۰ ؍ ۰۰
انسانی تماشا	شفیق الرّحمٰن	۵ ؍ ۰۰
ایک حمام میں	عشرت رحمانی	۳ ؍ ۰۰
لاکھوں کا شہر	ابنِ انشاء	۳ ؍ ۵۰
پھُول کی پتّی ہیرے کا جگر	ہلال احمد زبیری	۷ ؍ ۰۰
موبی ڈِک	محمد حسن عسکری	۱۰ ؍ ۰۰
گھاس کا سمندر	سیّد قاسم محمود	۳ ؍ ۵۰
پہلا خون	غلام حسین	۲ ؍ ۵۰
شہر پناہ	ابنِ انشا	۳ ؍ ۵۰
انجان راہی	شان الحق حقّی	۳ ؍ ۵۰

مؤسّسہ فرینکلن، پوسٹ بکس نمبر ۳۶۹، لاہور

نام کتاب	مترجم	قیمت
اساتذہ کے لیے تحقیق کی روشنی		
ابتدائی مدارس میں سائنس	ڈبلیو ایم ذکی	۱،۵۰
والدین اور اساتذہ میں رابطہ	مقبول بیگ بدخشانی	۱،۵۰
تعلیم حاصل کرنے کا عمل	گُل محمّد جبکانی	۱،۵۰
کنڈرگارٹن کی تعلیم	ملکہ رضوی	۱،۵۰
جسمانی اہلیت	قریشی ایم اقبال	۱،۵۰
تدریس کے لیے جماعتی تنظیم	نذر محمّد بخاری	۱،۵۰
معاشرتی علوم کی تدریس	انعام علی قریشی	۱،۵۰
پڑھنا کیسے سکھایا جائے	نذر محمّد بخاری	۱،۵۰
بچوں کے لیے کتابیں		
خزانے کی تلاش	شبلی ایم کام	۳،۰۰
انوکھی باتیں	اشرف صبوحی دہلوی	۵،۰۰
سارہ کی بہادری	انتظار حسین	۲،۵۰
خوراک کی کہانی	شوکت تھانوی	۲،۰۰
ناشکرا خرگوش	اشرف صبوحی دہلوی	۳،۵۰
نیا گھر	مولانا صلاح الدّین احمد	۲،۵۰
بھومل داس	شاہد نیاز احمد	۲،۰۰

مؤسسہ فرینکلن، پوسٹ بکس نمبر ۳۶۹، لاہور

نام کتاب	مترجم	قیمت
بڑا ریچھ	اشرف صبوحی دہلوی	۳ ، ۵۰
نٹ کھٹ ہاتھی بچّہ	سیّدہ نسیم ہمدانی	۱ ، ۷۵
پولیانا	فہمیدہ نیاز احمد	۶ ، ۰۰
فرصت کے مشغلے	سیّد امجد الطاف	۲ ، ۰۰
آیئے دوست بن جائیں	پروفیسر سیّد وقار عظیم	۱ ، ۷۵
بوڑھا بگولا	مولانا عبدالمجید سالک	۲ ، ۵۰
دیانتداری کیا ہے ؟	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۲ ، ۵۰
سورج کے ساتھ ساتھ	عشرت رحمانی	۷ ، ۵۰

متفرّقات

استقلال کے پیکر	حکیم حبیب اشعر دہلوی	۶ ، ۷۵
جمہوریت گھر سے شروع ہوتی ہے	مکین احسن کلیم	۱ ، ۵۰
نوعمروں کی جرم پسندی	ملکہ رضوی	۱ ، ۵۰
آزادی کے جنم دن	مولانا سالک و مولانا مہر	۵ ، ۰۰
جنگ میکیاولی سے ہٹلر تک	بریگیڈیر گلزار احمد	۹ ، ۰۰
امریکہ کا سیاسی نظام	مولانا صلاح الدّین احمد	۳ ، ۵۰
مشرق و مغرب کو ملنا ہی پڑے گا	سیّد ہاشمی فرید آبادی	۲ ، ۵۰
پیارے بیٹے پیاری بیٹی	ہلال احمد زبیری	۱۲ ، ۰۰

مؤسسہ فرینکلن، پوسٹ بکس نمبر ۳۶۹، لاہور